سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق

الحمد للہ والمنہ

کہ در بیان حقیقت و شرافت انسانیت و در راہ معرفت وحدانیت و الوہیت

حصہ اول موسومہ

عروج السعادت

(ترجمہ)

معراج السعادت

مترجمہ

ناظم فائق و ناثر رائق دانندہ دقائق رسندہ حقائق مولوی محمد محمود علی صاحب لائق متخلص بہ صبا

و وکیل درجہ اول

صدی ایشان مطبع مظفری واقع پتھر گٹی حیدرآباد دکن

بار اول تعداد (۵۰۰) جلد

قیمت فی جلد (عالہ)

حضرات ناظرین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ مترجم کا مزاج اسی ترجمہ کے باعث چند روز سے ناساز رہتا ہے اس لئے اس کی طبع میں پوری نگرانی نہ ہوسکی اور بہت سی غلطیاں ہوگئیں ہیں۔ لہذا براہِ کرم قبل ملاحظہ فہرست اغلاط سے جو آخر میں منسلک ہے اصلاح کرکے مترجم کو مشکور فرمائیں۔

مترجم
میر محمود علی لائق

فہرست مضامین حصہ اوّل عروج السعادت

ختم فہرست مضامین حصہ اول

حمد و سپاس بےقیاس اُسی یگانہ و بےہمتا کے لئے سزاوار ہے۔ جسکے لمعاتِ انوارِ جلال و جمال قلوبِ اہلِ عرفان میں جلوہ گر ہیں جس کے براہینِ ربوبیت عرش سے لیکر فرش تک ذرّے ذرّے میں اپنی تابش دکھا رہے ہیں۔ ہر وجود جس کی ایجاد پر گواہی کے لئے تیار۔ اور ہر شے میں جس کا فیضِ ربوبیت آشکار۔ عوالمِ ممکنات اُس کے عشق کی زنجیروں میں وابستہ۔ ہر ذرّے میں حرکت اور ہر حرکت اُسی کی تلاش میں سرگشتہ۔ ہر رنگ میں ظاہر بلکہ ظہور اُسی کے لئے مخصوص ہر ظہور میں غائب حتّٰی کہ غیب اُسی کے لئے منصوص۔ دیدۂ ظاہر اُس کے ادراک سے عاجز اور چشمِ بصیرت درجۂ ملاقات پر فائز۔ عقولِ ادراک کُنہِ حقیقت میں حیران مگر ہر عقل میں رنگِ صفات درخشان۔ ملائکہ کا خالق۔ روح کا محدِث بس وہی قدیم سب حادث۔ العجب ثم العجب۔ حادثات سے قدیم کا تعلّق۔ مخلوق سے خالق کا ربط۔ ممکن سے واجب کا رشتہ۔

پس ہزار ہزار درود ہو اُس واسطۂ عُلیا اور برزخِ کُبریٰ پر جس نے فیوضاتِ واجبی کو ممکنات پر تقسیم کیا۔ جو ممکنات کو ذاتِ واجب کی طرف لیجانے کے لئے رہبر قرار پایا جس نے

ملائکہ کو تسبیح و تقدیس تعلیم کی اور جس نے گرفتاران طبیعت نفوس کو نجاساتِ مادیہ سے پاک و طاہر کر کے منزلِ حقیقت تک پہنچا دینے کی منادی کی۔ نیز بے شمار صلوات اُس کی آلِ اطہار پر جو اُس کے کمالات کے مالک۔ اور اُس کے خُلقِ عظیم کے مجسّمے قرار پائے۔ جو نورانیت میں شریک طینت میں شریک روح میں شریک نفس میں شریک صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اور سلام اُس کے اصحابِ کبار رفیع الدّرجات پر جن کو حق تعالےٰ نے آیۂ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے خطاب کیا۔

حمد و صلوات کے بعد واضح ہو کہ فی زمانناً اگرچہ علوم کی ترقی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ہر عاقل کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ انسانی اخلاق روز بروز پستی کی طرف کھنچتے چلے جا رہے ہیں ہمارے بلند پرواز روحانی اسفل سافلین کی طرف مائل ہے۔ اور طبیعت مادّیات کے دام میں کچھ ایسی اُلجھی ہے کہ عارفانہ جذبات اگر اُبھرتے بھی ہیں تو نذرِ تصادیر گلی ہو کر رہ جاتے ہیں مادّے کی رنگینیوں میں اس بلا کی کشش پیدا ہوگئی کہ قلوبِ اربابِ مذاق کا [illegible]ب مجذوبِ مادّیات ہو کر رہ گیا۔ کمالِ انسانیت مفقود اور ہر ناقص میں دعوےٰ انانیت موجود۔ خود پرستیوں کی آندھی میں استعدادِ عرفان اُڑی جا رہی ہے اور خود نمائی کے ابر میں آفتابِ قوّتِ حق شناسی پوشیدہ ہے۔ دُنیا میں اندھیرا ہے۔ اور اس اندھیرے کو انسان روشنی سے تعبیر کر رہا ہے۔ زہے حلاوتِ مذاق! العجب ثم العجب۔

اس حقیقتِ واقعیہ پر جہانتک غور کیا جاتا ہے تو اُس کی علّت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اکثر انسان راہِ شریعت کی عدمِ واقفیت اور نیز علمِ اخلاق جو خود شناسی اور خدا شناسی کا معلّم ہے اُس سے

انسان خطا و نسیان سے مرکّب ہے۔ اس ترجمہ میں بوجہ بے بضاعتی و قلّتِ علم جو غلطیاں مترجم سے واقع ہوی ہوں۔ امید ہے کہ اہلِ علم حضرات اُن سے چشم پوشی فرماکر اصلاح میں کوشاں ہونگے۔ اور بشرط حصولِ نفع اُخروی دعاے خیر سے قربةً الی اللہ فراموش نہ فرمائیں گے۔

مترجم

اذل الخلائق میر محمود علی لائق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب بعض مقدمات مفید

فصل (۱) فائدہ شناخت نفس

جاننا چاہئے کہ اپنے نفس کا پہچاننا دونوں جہان کی نیک بختی ہے کیونکہ اپنے کو پہچاننا اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت پر اعانت کرتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ یعنے ہم عنقریب اُنکو اپنی نشانیاں آفاق عالم اور خود اُن کے نفس میں دکھلائینگے یہانتک کہ اُن پر یہہ بات کھلجائیگی کہ یہہ حق ہے۔ حضرت رسول سے منقول ہے کہ (مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ) جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ اُس نے بہ تحقیق اپنے پروردگار کو پہچان لیا یہہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے کو نہ پہچان سکے تو دوسرے کو کیونکر پہچان سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز انسان سے اُسکے نفس سے زیادہ نزدیک نہیں۔

شعر

تو کہ در علم خود زبوں باشی ٭ عارف کردگار چوں باشی

جب آدمی نے اپنے کو پہچانا تو اُسکو تحصیل کمالات کا شوق ہوتا ہے وہ اخلاق کی تہذ
اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی کی حقیقت ایک جوہر ملکوتی ہے جو اس
عالم جسمانی میں آیا ہوا ہے اپنے جوہر شریف کو بفائدہ اس عالم میں نہیں بھیجا گیا۔
اس گوہر قیمتی کو صندوقچہ بدن میں کھیل کے لئے نہیں رکھا ہے پس معرفت پسند
انسان فوائد نفس کے حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کو بتدریج اُس منزل
پر جہاں پہنچنا چاہئے پہنچاتا ہے اگر آپ کہیں کہ میں اپنی حقیقت کو پہچانتا ہوں تو ہرگز
ہرگز ایسا پہچاننا نیک بختی کی دلیل نہیں ہے آپ کی یہ شناسائی منزل پر نہیں
پہنچاتی۔ آپ کے ساتھہ باقی حیوانات بھی اپنے کو اسیطرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ اپنے
ظاہر سے سوائے سر۔ منہ۔ آنکھہ۔ کان۔ پوست گوشت کے کچھہ نہیں پہچانتے۔ اور باطنی
حالت کی معرفت صرف اسقدر ہے کہ جب آپکو بھوک ہوتی ہے تو غذا طلب کرتے ہیں
کسی پر غضب ناک ہوتے ہیں تو اوس سے انتقام لیتے ہیں۔ کوئی خواہش نفسانی ہوتی
ہے تو اُسکے حصول میں کوشش کرتے ہیں۔ ان افعال میں تمام حیوانات آپ کے
برابر ہیں۔ اگر آپ کی حقیقت یہی ہے تو کسوجہ سے درندوں اور چارپایوں پر آپ فخر کرتے
ہیں اور کس سبب سے اُن سے اپنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ کس لئے خداوند عالم نے تمام مخلوقات
پر آپکو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے (وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا) یعنے ہمنے
فرزندان آدم کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ اگر انھیں عوارض وصفات کی بدولت
یہہ فخر و مباہات ہے تو ان اوصاف میں تو بہت سے حیوانات آپ پر ترجیح رکھتے ہیں۔
لہٰذا لازم ہے کہ آپ غور کریں کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جائینگے؟
اس چند روزہ مقام پر کس کام کو آئے ہیں؟ آپ کو کسواسطے پیدا کیا ہے؟ یہہ معنا

وجوارح کس وجہ سے عطا ہوے ہیں۔ کس لئے قدرت اور اختیار کی لگام آپ کے ہاتہہ میں دی گئی ہے؟ آپ کی سعادت کیا ہے؟ کس چیز سے ہے؟ آپ میں بعض صفات وملکات بہائم کے بعض درندوں کے بعض شیاطین کے بعض فرشتوں کے جمع ہیں ان میں وہ کون سے صفات ٹہیک آپ کے لائق ہیں جنکے حاصل کرنے سے آپ سعادت دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں وہ کون سے صفات خراب ہیں جن کے ترک کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ پس طالب سعادت کو لازم ہے کہ اپنے پہچاننے میں کوشش کرے بغیر اسکے منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

فصل (۲) کیفیت شناخت نفس

واضح ہو کہ ہر انسان دو چیزوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ **پہلا** بدن ظاہری جس کو (جسم) کہتے ہیں۔ جو گوشت۔ پوست۔ استخوان۔ رگ وپے سے بنایا گیا ہے جو حواس ظاہری سے اس عالم میں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے اصل عناصر اربعہ یعنے مٹی۔ ہوا۔ پانی۔ آگ سے ہے جسکو ہم اپنی انہیں ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

دوسرا نفس جسکو روح۔ جان۔ عقل۔ دل بھی کہتے ہیں۔ یہہ جوہر عالم ملکوت ہے۔ اس کا تعلق جنس ملائکہ سے ہے۔ اسکی اصل پاک وپاکیزہ ہے۔ اسے خداوند عالم نے چند مصلحتوں کے لئے جس کا بیان کسیقدر ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اس کا تعلق اس بدن ظاہری سے قرار دیا۔ اس کو اس قیدخانۂ تن میں مقید ومحبوس رکھا۔ جب موت آئیگی تو نفس بدن سے نکلکر اپنے عالم کی طرف رجوع کریگا اس نفس کو چشم ظاہری سے بجز بصیرت باطنہ کے نہیں دیکھ سکتے۔ جبکہ نفس یا جان یا روح یا دل یا عقل بیان کیا جاسئے تو ان سے یہی نفس مراد ہے۔ بلکہ بعض وقت انسان سے

بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ آدمی کی یہی حقیقت ہے۔ پس جسم نفس کے لئے ایک مکان ہے جہاں اُسے اپنے فرائض مخصوصہ بجالانے کے لئے ایک زمانۂ معین تک قیام رکھنا چاہئے واضح ہو کہ حقیقت بدن کا پہچاننا سہل و آسان ہے اسلئے کہ وہ جنس مادہ سے ہے اور حقیقت مادہ کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن نفس قسم مجردات سے ہے اُس کی حقیقت کو پہچاننا اُسکے کُنہ کو پہنچنا اس عالم میں میسر نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رسول صلعم سے جب اسکی حقیقت دریافت کیگئی تو حضرت نے بیان فرمانے میں تامل فرمایا۔ پس خطاب ہوا کہ (وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي) اور لوگ تم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں پس تم کہدو کہ رُوح میرے پروردگار کا حکم ہے ؂ اس کے قبل بیان کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ بعد قطع تعلق بدن و حصول تجرد کے اوسکو پہچان سکتے ہیں بلکہ اس عالم میں بھی کوئی اپنے نفس کو حد کمال تک پہنچائے اور بدن سے علاقہ کم ہو تو تعجب نہیں ہے کہ پہچان سکے اور کسیقدر نفس کی معرفت حاصل ہو۔

فصل (۳) آدمی کا نفس عالم جسمانیت سے نہیں ہے

عبارت مندرجہ بالا سے ظاہر ہوا کہ حقیقت انسان وہ جوہر پاکیزہ ہے جسکو نفس کہتے ہیں اگرچہ اوس کا سمجھنا اور جاننا مشکل ہے لیکن **پہلا** طریقہ معرفت نفس کا یہہ ہے کہ اگر کوئی غور کرے تو یہہ بھید کچھہ نہ کچھہ کھل سکتا ہے بشرطیکہ دلکو غبار جسمانیات سے پاک کرے۔ علائق شہوات حیوانیت کو کسیقدر دور کر ڈالے۔ آئینۂ دل کو اس عالم کے زنگ کدورت سے مصفا کر دے۔ کبھی کبھی اغیار سے منھ پلٹا کر دوست حقیقی سے خلوت رکھے حضور قلب سے عالم انوار کی طرف متوجہ ہو۔ عجائب ملک و ملکوت بادشاہ

لایزال میں تفکر کرے غرائبِ جلال و جبروت قادر ذوالجلال میں تامل سے کام لے تو البتہ اسکو ایک حالتِ نورانی و بہجتِ عقلی حاصل ہوگی وہ یقین کریگا کہ اُسکی ذات اس عالمِ جسمانی سے نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے عالم سے ہے۔

دوسرا طریقہ جس کی وجہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ آدمی سوائے اس بدن کے دوسرا جز و نورانی بھی رکھتا ہے۔ وہ خواب ہے چونکہ خواب میں حواس بند ہو جاتے ہیں۔ بدن حرکت نہیں کرتا آنکھ دیکھنے سے کان سننے سے عاجز ہوتے ہیں۔ جسم ایک جا بے حس پڑا رہتا ہے۔ باوجود اسکے آدمی اطرافِ عالم میں مشغولِ سیر ہوتا ہے بلکہ اگر نفس کو کسیقدر بھی صفائی حاصل ہو تو اُسوقت آدمی عالمِ ملکوت میں جاتا ہے اُس جگہ آئندہ کاموں کو دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے۔ امورِ غیب سے مطلع ہوتا ہے۔ جنہیں بیداری و ہوشیاری میں کبھی نہیں پا سکتا۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو تمام علوم اور صنعتوں کے پہچاننے کی قوت ہے۔ اُس کے ذریعہ سے کوشش کرتا ہے کہ حقیقتِ اشیا کو سمجھے اب وہ چند امور جو اس عالم سے نہیں ہیں وہ اُسکے دل میں کیونکر آئے۔ اور انھیں اُس نے کیونکر سمجھا بیشک کہنا پڑیگا کہ اُسی جوہرِ باطنی کے ذریعہ سے سمجھا جس کا نام نفس ہے۔ اس پر بھی غور کیجئے؟ کہ انسان کو قوتِ فکریہ ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک پہنچاتی ہے۔ حالانکہ اُسکا تن اس عالمِ خاک میں محبوس و قائم ہے۔ اس سے صریح طور پر معلوم ہوا کہ وہ کوئی دوسری طاقت ہے جو بجلی سے زیادہ سریع السیر ہے یہی حقیقتِ انسان ہے اور اِسی کو نفس کہتے ہیں۔

حاصلِ کلام جب کوئی تھوڑا بھی غور کرے تو اُس پر یہ امر پوشیدہ و مخفی نہیں رہ سکتا

کتاب خدا اور اخبارِ معصومیہ میں اکثر مقامات پر اس کی نسبت اشارہ ہوا ہے
حضرت سید رسل صلعم کو خطاب ہوا (قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) یعنی اُن کے
جواب میں کہہ دو جو حقیقت روح سے سوال کرتے ہیں کہ روح عالم امر سے ہے (اَلَا لَهُ
الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ) یعنی آگاہ ہو کہ عالمِ امر و عالمِ خلق خداوند عالم ہی کا ہے۔ واضح ہو کہ جو کچھ پیمائش
و مقدار میں آئے اسکو عالمِ خلق کہتے ہیں اور جس کا تعلق پیمائش و مقدار سے نہ ہو
وہ عالمِ امر کہلاتا ہے پس روح کا تعلق عالم امر سے ہے کیونکہ اس کی مساحت
نہیں ہو سکتی۔ اسی کی طرف رسول صلعم نے اشارہ فرما دیا کہ جو تم عالمِ خلق میں پیدا ہو کر
عالمِ امر کی اشیا کی ماہیت نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے (یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ
الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً) پھر فرماتا ہے (وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا) حضرت
امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا (خَلَقَ الْاِنْسَانَ ذَا نَفْسٍ
نَاطِقَةٍ) یعنی انسان صاحب نفس خلق کیا گیا ہے اور نفس ناطقہ معقولات کو
معلوم کرتا ہے"

فصل (۴)

آدمی اپنی حقیقتِ نفس کے باعث تمام حیوانات پر ممتاز ہے

واضح ہو کہ آدمی کو اسی نفس کے سبب سے تمام حیوانات
پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ نفس جنسِ ملائکہ مقدسہ سے ہے
بدن نفس کے لئے ایک مرکب ہے وہ اس پر سوار ہو کر
عالمِ اصلی و وطنِ حقیقی سے اس عالم دنیا میں آیا ہے کہ اپنے لئے کوئی تجارت کرے
فائدہ آخرت اٹھائے۔ اپنے کو طرح طرح کے کمالات سے آراستہ کرے صفات
حمیدہ و اخلاق پسندیدہ حاصل کرلے پھر اپنے وطنِ اصلی یعنی عالم بقا کی طرف

واپس جانے ۔ یہہ بدن حیوانات کو بھی دیا گیا ہے جیسے کہ ہاتھہ پاؤں ۔ آنکھہ ۔ کان ۔
سر ۔ سینہ ۔ تمام اعضا سے بنایا گیا ہے ۔ اس کی وجہ سے انسان حیوان پر کوئی ۔
فضیلت نہیں رکھتا ۔ باعث فضیلت وہی نفس ناطقہ ہے جو حیوانات کو میسر نہیں
ہے ۔ واضح ہو کہ بدن فانی و بے بقا ہے ۔ بعد مرنے کے اسکے اجزا ایک دوسرے سے
متفرق و خراب ہوجاتے ہیں ۔ دوسرے وقت خداوند عالم کے حکم سے تمام اجزا جمع
کئے جاکر حساب و ثواب و عقاب کے واسطے زندہ ہوگا ۔ لیکن نفس کو بقا ہے ہرگز
اسکو تن سے جدا ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہے ۔ بدن کی خرابی اسکی خرابی و
فنا کا باعث نہیں ہوسکتی ۔ اسیوجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے (وَلَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ
جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں اُنکو ہرگز مردہ نہ خیال کرو بلکہ یہہ لوگ زندہ ہیں ۔
اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں " دوسرے مقام پر فرماتا ہے (اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ)
یعنے " اے نفس اپنے رب کی طرف رجوع و بازگشت کر جیسا کہ سابق میں اسکے
پاس سے آیا ہے " پیغمبر خدا جنگ بدر میں ندا فرماتے تھے (هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ
رَبُّكُمْ حَقًّا) یعنے اے شہدائے بدر جو کچہہ پروردگار نے وعدہ فرمایا تم نے حق و
درست پایا ؟ پس بعض اصحاب نے اُسوقت عرض کیا کہ " یا رسول اللہ یہہ لوگ
مرگئے ہیں آپ اُنکو کیوں ندا فرماتے ہیں " حضرت نے فرمایا (اِنَّهُمْ اَسْمَعُ مِنْكُمْ)
" یہہ لوگ تم سے زیادہ سننے والے ہیں ۔ ان کا فہم و ادراک تم سے زیادہ ہے "
ظاہر ہے کہ اُسوقت انکا سننا اُس بدن سے نہ تھا ۔ جو صحرائے بدر میں پڑا تھا ۔
بلکہ وہ نفس پاک کے باقی رہنے سے سماعت کرتے تھے ۔

فصل (۵) آدمی بذریعۂ نفسِ فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات و انوار الٰہیہ حاصل کر سکتا ہے

معلوم ہوا کہ انسان کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ روحانی جسکو عالم ارواح و ملائکہ مقدسہ سے مناسبت ہے دوسرا حصّہ جسمانی جسکو حیوانات و بہائم سے بہت مشابہت ہے اُس کے ذریعہ سے یہہ جزو جسمانی چند روز کے لئے اس عالم حس مین زندگی و مقام کرتا ہے اور جزو روحانی کے واسطہ سے عالم اعلیٰ کی طرف سفر کرکے وہاں کے باشندوں کے ساتھہ مصاحبت کرتا ہے بشرطیکہ دنیا میں اسقدر ترقی کر چکا ہو کہ جزو روحانی جزو جسمانی پر غالب ہو۔ کدورتِ عالم سے اپنے کو دور رکھا ہو۔ آثارِ روحانیت پیدا ہوے ہوں۔ ایسا انسان دنیا میں ہی اپنے مقاماتِ آخرت دیکھ لیتا ہے باوجودیکہ وہ دنیا مین ہے مگر ہر لحظہ فیض الٰہی حاصل کرتا ہے۔ نور الٰہی سے اُس کا دل روشن رہتا ہے۔ اور جسقدر تعلق جسمانی کم ہوتا ہے اُسیقدر دل کی روشنی و صفائی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ دنیا کی جدائی کا زمانہ پہنچتا ہے۔ تمام تاریک پردے آنکھوں کے آگے سے اُٹھائے جاتے ہین۔ چہرۂ نفس سے مادیات کا حجاب دور ہوتا ہے۔ اُسوقت تمام رنج و الم دل سے محو ہوتے ہیں۔ تمام محنت و حسرت سے فارغ ہوتا ہے۔ خوشی و راحتِ دائمی حاصل ہوتی ہے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ باوجود دنیا میں رہنے کے علاقۂ دنیا سے دل اُٹھہ جاتا ہے۔ عالم بقا کی طرف سفر کرنے سے پہلے ہی یہہ حالت اُسکو حاصل ہوتی ہے۔ مال دنیا و اہل و عیال اُس پر وبال ہو جاتے ہین مگر بقدرِ ضرورت۔ بلکہ تن بدن سے دلگیر ہوتا ہے آخرت کا طالب رہتا ہے گو اُس کا بدن اس عالم میں ہے لیکن اُس کا دل ساکن عالمِ عقبیٰ ہے صحبت رکھتا ہے۔ سوائے خدا کے اُسکو کسیکی تلاش نہین رہتی۔ کوئی

بات نہیں کہتا۔ سوائے راہِ خدا کوئی راستہ نہیں ڈہونڈتا۔ یہانتک کہ وہ مصاحب عالمِ اعلیٰ و زیب دہ محفلِ قربِ مولا ہوتا ہے اور اُن چیزوں کو دیکھتا ہے جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں جنھیں کسی کان نے نہ سُنا ہو جو کسی کے دل میں نہ گزری ہوں۔ اسی حالت کی طرف کتابِ الٰہی میں اشارہ ہوا ہے (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ) یعنے کوئی نفس اُن چیزوں کا اندازہ نہیں کرسکتا جو اُس کے لئے مہیا کی گئیں اور جن میں سے ایک ایک کا نظارہ آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے

فصل (۶)

نفس کو بھی لذت و الم صحت و بیماری حاصل ہے

واضح ہو کہ آدمی کے دو جزو ہیں ایک بدن۔ دوسرے روح ان میں سے ہر ایک جزو کے لئے غم۔ لذت محنت۔ راحت مرض و صحت ہے۔ تکلیف و محنت موجود ہے۔ جب بیماری بدن کو عارض ہوتی ہے تو اُسے لاغر کر دیتی ہے۔ اُسکو حصول لذت جسمانیہ سے باز رکھتی ہے۔ اگر اُسکے معالجہ میں سُستی کیجائے تو بدن ہلاکت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ علمِ طب میں اُسکے امراض کا معالجہ درج ہے۔ اسیطرح سے روح کے لئے بھی آلام و اسقام مقرر ہیں۔ اور روح کی بیماریاں وہ اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ ہیں جن سے روح ہلاک ہوتی ہے۔ اور لذت روحانیہ و سعادت ابدیہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ اور روح کی صحت و راحت وہ اوصافِ نیک اور وہ خصائلِ ملکیہ ہیں جنکے باعث قربِ حضرت باری و نجات و رستگاری حاصل ہوتی ہے۔ ان امراض و معالجات کی تفصیل علم اخلاق میں ہے جو آیندہ بیان کیجائیگی

فصل (۷)

بیماری نفس کی خرابی اور ر

واضح ہو کہ روح کی بیماری اور اخلاقِ ذمیمہ کے فساد نیز انکے معالجات کو ہرگز ہرگز سہل و آسان نہ سمجھنا چاہئیے۔ روح کی

روح کی صحت کا فائدہ

صحت کو بدن کی صحت پر قیاس نکیا جائے۔ ایسا قیاس عقلمند کے نزدیک کیونکر جائز ہوگا غور کیجئے کہ بدن کی صحت سے صرف یہہ مطلوب ہے کہ اس دارفانی میں چند روزہ زندگی بسر کیجائے۔ اور اُس کے مرض سے کوئی خرابی سوائے قلت خواہشات کے پیدا نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے روح کی بیماری لذت وسعادت ابدیّہ و بادشاہی سرمدی سے محروم رکھتی ہے۔ اور اخلاق ذمیمہ جو امراضِ روحانیّہ ہیں انہیں سے ہر ایک پردۂ ظلمت ہے۔ مانع انوارِ الٰہیّہ ہے۔ انکے معالجہ میں سستی کرنے سے آدمی ہلاکتِ دائمہ و شقاوت ابدیّہ تک پہنچتا ہے۔ اور روح کی صحت (اخلاق پسندہ) باعث زندگانیِ ابدی و حیاتِ حقیقی ہے۔ جبکہ آدمی اپنے نفس کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک اور صفاتِ نیک سے موصوف کرتا ہے تو اُسکو رحمتِ غیر متناہیّہ خداوندِ عالم کے قبول کرنے کی قوّت حاصل ہوجاتی ہے بلکہ اُسکی وجہ سے حجاب دور ہوجاتے ہیں۔ موجودات کی تمام صورتیں اُسکے آئینۂ دل میں ظہور کرتی ہیں۔ اُس کا قامت خلعتِ الٰہیّہ کا سزاوار اُسکا سر تاجِ سلطنتِ معنویّہ کا اہل ہوتا ہے۔ ایسی خوشی و لذّت حاصل ہوتی ہے۔ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کے دل میں اُس کا گزر ہوا ہو۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ (لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ آدَمَ لَنَظَرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) "اگر لشکر شیطان فرزندان آدم کے دل کے اطراف گھرا نہوتا تو بالضرور حقیقتِ عوالمِ علویّہ و سفلیّہ کو مشاہدہ کرتے۔ آثارِ قدرتِ کاملۂ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے مطلع ہوتے" غرض آئینۂ نفس جسقدر زنگِ کدورتِ عالم سے پاک ہوتا ہے۔ اُسیقدر موجوداتِ عالمِ قدس کی صورتیں اُس میں جلوہ گر ہوتی ہیں اُتنا ہی

وہ حسرت پروردگار کا سزاوار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول خدا نے فرمایا کہ مجھکو خداوند تعالیٰ کے ساتھ چند حالتیں ہیں کہ کسی ملک مقرب اور کسی پیغمبر مرسل کو انکی طاقت و توانائی نہیں ہے'' جو شخص مقام سلوک میں سعادت کا راستہ پاتا ہے وہ اپنے احوال کا نگران رہتا ہے۔ اپنی سعادت و قابلیت کے موافق الطاف و فیوضات الٰہی سے مستفید ہوتا ہے۔ اب وہ انسان جو اسرار ربوبیت سے دور ہے۔ انوار الٰہیہ سے مہجور ہے۔ تو اسمیں مبدء فیاض کی طرف بخل کی نسبت نہیں دیجا سکتی بلکہ اسکا سبب وہی پردہ ہائے ظلمانی ہیں جو انسان کو گھیرے ہوئے ہیں اور انسان ان کے دور کرنے پر متوجہ نہیں ہوتا۔ یہہ خود اسکی کوتاہی ہے۔ واضح ہو کہ علم معرفت و اسرار آدمی کو صفائی نفس سے حاصل ہوتا ہے یہہ ان علوم کے مانند نہیں ہے جو مطالعہ کتب و دلیل عقلی سے سمجھ سکیں بلکہ یہہ علم حقیقتہً نورانیہ ہے اور اس کا مبدء الہامات ربانیہ و انوار الٰہیہ ہیں یہی وہ علم ہے جس کی نسبت حضرت نے فرمایا (انما هو نور یقذفه الله فی قلب من یرید) یعنے وہ علم ایک نور ہے جسے حق تعالیٰ طالب صادق کے دل میں ڈالدیتا ہے'' پس جب تک آپ اپنے صفحہ دل کو اخلاق ذمیمہ کے نقوش سے پاک نکرینگے اسوقت تک یہہ علم معرفت حاصل نہوگا کیونکہ یہہ علوم و معارف باطنی ہیں۔ جس طرح نماز جو طاعت ظاہری ہے تمام نجاسات ظاہریہ سے پاک ہوئے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ اسیطرح جبتک باطن کے تمام نجاسات معنویہ جو اخلاق ذمیمہ ہیں دور نہ کئے جائیں یہہ نور علم آئینہ دل میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔ دل ناپاک علوم حقہ کی منزل کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ یہہ علم ذریعہ ملائکہ مقدسہ لوح محفوظ سے دل پر نازل ہوتا ہے۔ اور یہی فیض الٰہی کے ذرائع ہیں

لہذا جب تک قلب طاہر نہو۔ ملائکۂ مقدسہ اس سے تنفر رہتے ہیں۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے (لَا يَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ) یعنے وہ جس مکان میں کتا رہتا ہو اُس مکان میں ملائکہ نہیں آتے پس جس خانۂ دل میں صفات رذیلہ کتوں کے مانند بھرے ہوں کیونکر ہوسکتا ہے کہ ملائکہ جو حامل علوم معرفت ہیں اُس دل میں داخل ہوں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جنھوں نے بطریق مجادلہ و استدلال علم حاصل کرنے میں اپنی عمر صرف کی ہے اور پاکیزگی نفس و صفات ذمیمہ سے غافل ہیں۔ انکا دل دنیا سے ہی متعلق ہے۔ اور اُن کا نفس قوت غضبیہ و شہویہ کا مطیع ہے۔ وہ حقیقت علم سے بیخبر ہیں انکی کوشش بیفائدہ ہے جو کچھہ حاصل کیا ہے اُسکو علم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ علم نہیں ہے کیونکہ علم حقیقی کے لئے ایک سرور وصفا و نور ہوتا ہے جس سے یہہ اہل مجادلہ قطعاً محروم ہیں حقیقتاً جس دل میں نور علم داخل ہو وہ غرق دریائے عظمت و محو مشاہدۂ پروردگار ہوتا ہے سوائے اُسکے کسی طرف التفات نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے اکثر اہل جدل کی نیت حصول دنیا و منصب۔ وجاہ و شہرت۔ تسخیر قلوب تک محدود رہتی ہے جبتک صفات خبیثہ دور نہوں۔ عبادت ظاہری کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا وہ طاعت بدنیہ کا کوئی ثمرہ نہیں اُٹھا سکتے۔ واقعاً وہ انسان کسقدر بدبخت ہے جس کا ظاہر آراستہ ہو اور باطن گندیدہ۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے (اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ) یعنے یقیناً نماز بیحیائی کی بات اور بدکاری سے نمازی کو دور رکھتی ہے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ اور پھر ہر وقت قدرت خدا کے منکر ہوتے ہیں اور گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے

ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبثِ باطنی کے ساتھ عبادت ظاہری کا کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا (اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنْ) "یعنے نماز مومن کی معراج ہے" پس ہماری نماز اگر نماز ہوتی تو پھر ہماری حالت پستی میں کیوں رہتی۔

مثنوی مولانا روم رح

گر نہ موش دزد در انبارِ ماست	گندمِ اعمالِ چلسالہ کجاست
اوّل ایجاں دفعِ شرِّ موش کن	بعد ازاں در جمعِ گندم جوش کن

جو لوگ عباداتِ جسمیہ کی عادت کرتے ہیں مگر صفائی دل و ظلمتِ نفس کی طرف التفات نہیں کرتے اُن کی مثال مانند اُس قبر کے ہے جس کا ظاہر تو آراستہ ہے مگر اُس میں بوے گندیدہ پوشیدہ ہے۔ یا مثل اُس اندھیرے گھر کے ہے جس کے کوٹھے پر چراغ روشن ہو یا مانند اُس زراعت کرنے والے کے ہے جس نے تخم کو بویا ہو اس امید پر کہ تخم ہرا ہو لیکن وہ گھانس جو زراعت کو تباہ کرتی ہے اُس میں اوگتی ہو اور وہ زراعت کرنیوالا صرف گھانس کو کاٹے مگر اُس کی جڑ سے غافل ہو یہانتک کہ وہ جڑ قوت پکڑے اور زراعت کو خراب و خشک کردے جس نے عبادتِ ظاہری کی عادت کی مگر صفائی و تاپاکی دل پر ملتفت نہوا۔ تو وہ مثل اُس بیمار کے ہے جس کا بدن خارش میں مبتلا ہو حکیم اُسکو پینے کے لئے دوا دے کہ اُسکے بدن سے مادہ خارش کا نکل جاے۔ نیز دوسری ایسی دوا بدن پر ملنے کے لئے دے کہ اُس کا ظاہری اثر بھی دفع ہو۔ وہ بیمار پینے کی دوا کو ترک کردے جسم پر ملنے کی دوا پر اکتفا کرے ملنے کی دوا سے ظاہر میں نفع ہو

مگر اُس کا وجود باطن میں بیماری کو بڑھائے یہانتک کہ وہ ہلاک ہوجائے۔ پس معلوم ہوا کہ بیماری و صحتِ نفس کو بدن کی بیماری و سلامتی پر قیاس کرنا محض نادانی و غلطی ہے لیکن اُن پر تعجب ہوتا ہے جو رات دن اپنی اوقاتِ عزیز کو بدن فانی کی صحت حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ امراض جسمانیہ کے دفع کرنے کی پوری کوشش ہوتی ہے۔ قولِ طبیبِ فاسق یعنے ڈاکٹر کو اطاعت جانکر دوائے ناگوار پیا کرتے ہیں۔ مگر اعمالِ بد کا برابر ارتکاب کرتے ہیں۔ اُس حکیمِ حقیقی کے حکم سے جو تحصیلِ سعادت و حیات دائمی کا ذریعہ ہے انحراف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے معالجہ کو سہل و آسان سمجھتے ہیں جب غفلت کا پردہ اُٹھا دیا جائیگا تو آپ اپنے نفس کی بیماری کا معاینہ کرینگے اُسوقت کسی دوا پر دسترس نہوگا اور سوائے فریاد و حسرت کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔

فصل (۸)

اعمال و افعال کی تکرار سے ملکۂ نیک و بد حاصل ہوتا ہے

واضح ہو کہ ہر نفس شروع پیدایش و عالم طفلی میں جمیع صفات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اُس صفحہ کے مانند ہے جسپر کوئی نقش و نگار نہو۔ پھر اعمال و افعال کے ارتکاب سے اُس میں اچھی یا بری صفت پیدا ہوتی ہے جب کوئی عمل پہلے پہل کیا جاے تو اُس کا تھوڑا سا اثر دل میں ہوتا ہے۔ دوسرے وقت کے ارتکاب سے اُس کے اثر میں زیادتی ہوتی ہے اور تکرار عمل سے وہ اثر دل میں مستحکم و قائم ہوجاتا ہے۔ اُسکی قوت مضبوط ہوتی ہے۔ نفس کی مثال ایک کوئلے کی سی ہے جب کوئلہ آگ کے نزدیک ہوتا ہے تو اُس میں حرارت تاثیر کرتی ہے اور گرمی ظاہر ہوتی ہے اور جب آگ سے اُسے دور کر دیا جاے تو سرد ہوجاتا ہے۔ اگر اُسے آگ میں پڑا رہنے دیں تو گرمی کی تاثیر زیادہ ہوتی جاتی ہے اُس میں آگ کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ وہ روشن ہوتا ہے یہانتک کہ خود آگ ہوجاتا ہے

اور جو چیز اُس کے نزدیک ہو اُسکو جلا دیتا ہے اسی وجہ سے لڑکوں کو علم و ادب سکھانے میں سہولت ہوتی ہے۔ مشایخ اور پیروں کے اخلاق کے بدلنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اگر کوئی اپنی حالت پر کبھی غور کرے اپنے اعمال و افعال پر نظر ڈالے اپنے صفحۂ دل کو کھولکر دیدۂ بصیرت سے تامّل کرے۔ تو اُن صفات کو معلوم کر سکتا ہے جو دلمیں گھر کر چکی ہیں۔ اکثر آدمی بسبب گرفتاریِ علائق دنیویہ اُسکی طرف سے غافل ہیں جب اس سرائے سے عالمِ بقا کی طرف رحلت کرینگے تو دل مشاغلِ دنیویہ سے فارغ ہوگا۔ رشتۂ علایق منقطع ہونگے۔ پردۂ طبیعت دیدۂ بصیرت سے اُٹھایا جائیگا اُس وقت اُسکی نظر لوحِ قلب اور صفحۂ نفس پر پڑیگی چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے (وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ) دوسرے مقام پر فرماتا ہے (فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ) یعنے وہ جس روز تیرے آگے سے پردہ اُٹھا دیا جائیگا۔ تو تو ذرا دیکھنے والا ہوگا اپنے تمام اعمال کو دیکھیگا نتیجۂ اعمال و افعال کو مشاہدہ کریگا جو کچھ قرآن مجید میں ہے اُس سے آگاہی ہوگی "(وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا)" یعنے ہر انسان کا عمل ہمنے اُس کے گلے کا ہار کر دیا ہے اور قیامت کے دن اُس کے لئے ہم ایک نوشتہ نکالینگے جسکو وہ صاف طور پر پائیگا۔ ہم اُسکو حکم دینگے کہ اپنا نوشتہ پڑھ لے۔ آج تو خود اپنے محاسبہ کے لئے کافی ہے"۔ جو لوگ دنیا میں اپنے احوال سے غافل اور اپنی اوقات کو لہو و لعب و امورِ باطلہ میں صرف کر چکے ہیں۔ بے اختیار کہیں گے (مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا) یعنے دیکھو کیسا نوشتہ

ہے کہ اُس نے کسی اعمالِ صغیرہ و کبیرہ کو فروگذاشت نہیں کیا۔ ہر چیز اسمیں درج ہے

فصل (۹) بزرگیِ علمِ اخلاق و مراتبِ انسان

جب آپ نے معلوم کیا کہ حیاتِ ابدی و سعادت سرمدی انسان کو اُسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ اخلاقِ ذمیمہ و اوصاف رذیلہ دور اور صفات نیک حاصل نہوں اور یہ حالت اُسوقت تک میسر نہیں ہوتی جبتک کہ صفاتِ رذیلہ و فضائلِ حسنہ کا علم نہو۔ انکی معرفت علمِ اخلاق سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اخلاق کی بزرگی تمام علوم سے زیادہ ہے۔ اُسکے فوائد بے انتہا ہیں۔ ایک بدیہی مسئلہ ہے کہ ہر علم کی بزرگی اُسکے موضوع کی بزرگی پر موقوف ہے اور علمِ اخلاق کا موضوع نفسِ ناطقہ انسانیہ ہے جو اشرفِ انواعِ کائنات و افضلِ طوائفِ ممکنات ہے لہذا اس علم کی بزرگی کے تسلیم کرنے میں کسی عاقل نے کلام نہیں کیا۔ اسی علم کے واسطہ سے انسان رتبۂ حیوان سے ہم رتبۂ ملائکہ ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ انسان کے لیے عجیب و غریب عوارض و مراتب ہیں۔ اسکی پستی کے مرتبہ پر جب نظر کیجیے؟ تو یہ نظر آئیگا۔ کہ (اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا) یعنے وہ یہہ لوگ چارپایوں کے مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے اور زیادہ گمراہ ہیں۔ یہہ مرتبہ کفار کا ہے۔ اسی پر نظر کرتے ہوئے اُنھیں کہنا پڑیگا (يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا) اُسے کاش میں خاک ہوجاتا۔ اور مرتبہ آخری نوعِ انسان کا یہہ ہے کہ وہ مقصودِ کائنات قرار پایا اور اسی مرتبہ والے انسان کی شان میں آیا ہے (لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ) یعنے وہ اگر تو مقصود نہ ہوتا تو میں کسی شی کو خلق نکرتا۔ یہہ مرتبہ ملائکہ کے مرتبہ سے بدرجہا افضل و اشرف ہے۔ شعر اے نقد اصل و فرع ندانم چہ گوہری کز آسمان

تو بر تر و از خاک کمتری ہو حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ (اِنِّیْ وُزِنْتُ بِاُمَّتِیْ فَرَجَحْتُ بِهِمْ) یعنے میں اپنی تمام امت کے ساتھہ موازنہ کیا گیا اور میں سب پر سبقت لے گیا۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہہ تفاوت و اختلاف نوعِ انسان میں جسم کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ تمام مخلوقات کو جسم عطا ہوا ہے بلکہ وجہ اختلاف اخلاق وصفاتِ پسندیدہ ہیں۔ انھیں اخلاق وصفات کا حامل سردار کائنات ہے پس اس علم سے بڑہکر کونسا علم اشرف ہوسکتا ہے جو پست ترینِ موجودات کو تمام کائنات سے رتبۂ بزرگی پر پہنچادے۔ اسی وجہ سے سابق کے علما اس علم کو علم اخلاقِ حقیقیہ کہتے ہیں۔ اس کا نام اکسیرِ اعظم رکھا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں اور جبتک شاگردوں کے قلوب میں اخلاقِ حسنہ راسخ نہوجائیں اسوقت تک دوسرے علوم کی تعلیم اُن کے نزدیک عبث اور بیکار بلکہ موجبِ شر و فساد ہے۔ کیونکہ جس بدن میں مادۂ فاسد جمع ہوا سے کثرت غذا سے سوائے فساد و اختلاط و زیادتی مرض کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ویساہی جس نفس میں اخلاقِ ذمیمہ جمع ہوں اُسے تحصیلِ علوم سے بجز شر و فساد کے کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی سبب ہے کہ اکثر اشخاص علما کے لباس میں ہیں اپنے کو زمرۂ اہلِ علم سے گنتے ہیں مگر اُنکا حال عوام سے خراب ہے۔ اُن کا دل سیاہ ہے۔ راتدن مال خواہ حرام ہو یا حلال جمع کرتے ہیں حصولِ جاہ و منصب میں کوشش کرتے ہیں۔ اُنکو معراجِ دین و مذہب جانتے ہیں۔ اپنے ہمرتبہ والوں سے جھگڑتے ہیں تاکہ عوام پر اپنی فضیلت ظاہر ہو۔ اُن کا اعتقاد شکستہ ہے۔ اُن کے اصولِ عقائد نادرست ہیں۔ رسومِ شرع و ملت کو دور کرکے چند بدعتوں کو اپنے واسطے مقرر کر لیا ہے۔ اُن کا نام مقتضائے حکمت رکھتے

ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ علم بدونِ عمل کے گمراہی وضلالت پیدا کرتا ہے کیا قولِ پیغمبر نہیں سنا (اَلْبَلَاهَةُ اَدْنیٰ اِلَی الْخَلَاصِ مِنْ فِطَانَةٍ بَتْرَاءَ) یعنے "بہ نسبت عقلِ ناقص کے نادانی وسفاہت نجات سے بہت نزدیک ہے" نیز حضرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "دو شخص وہ ہیں جنہوں نے میری کمر توڑ دی ایک وہ عالم جو بمطابق شرع کے عمل نہیں کرتا ہے۔ دوسرا وہ جاہل جو آدابِ عبادت کو نہ جانکر عبادت کرتا ہے"

فصل (۱۰) فائدۂ تہذیب اخلاق

واضح ہو کہ نفس کو صفاتِ رذیلہ سے پاک کرنے اور صفاتِ نیک سے آراستہ کرنے کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں۔

تہذیب اخلاق سے نیکی وسعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہہ سعادت اُسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ اپنے صفحۂ دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک نکریں اور نیک صفتوں سے آراستہ نکریں۔ جیسے کہ صحت بدن کی تمام امراض کے دور کرنے سے میسّر ہوتی ہے پس نیکبخت وہ ہے جو تمام صفات اور اپنے افعال کی بہتری کو لازم قرار دے۔ ہر وقت ثابت قدم رہے کبھی انقلابِ زمانہ وتغیرِ حالت سے متردّد وپریشان نہو کہیں برقِ مصائب وبلا خرمن صبر کو نہ جلائے سیلابِ محنت سے شکرگزاری میں کوئی رخنہ نہ واقع ہو شبہ کا ہاتھہ دامن اعتقاد تک نہ پہونچے کسیکا بدی کرنا اُس کے ساتھہ نیکی کرنے سے مانع نہو کسی کا دشمنی کرنا نفس کو جادۂ دوستی سے الگ نہ کردے۔ حاصلِ کلام ثابت قدمی وثبوتِ اخلاق وقوّتِ نفس وبزرگیِ ذات وحسنِ صفات اُس مرتبے کو پہنچاتی ہے جو حضرت ایوبؑ پیغمبر کو حاصل ہوا ایسے شخص کے احوال میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اگر اُس پر بلائیں نازل ہوں تو اُسکے اعمال

تبدیل نہیں ہوتے۔ اس میدان میں جو شخص گوے سعادت لیگیا اُسکو سعادت واقعی نصیب ہوئی حقیقتاً وہ گروہ مجردات میں داخل ہوتا ہے۔ عالم جسمانیات سے اسقدر بلندی پر پہنچتا ہے کہ دستِ افلاک کا تصرف اُس کے دامن تک نہیں پہنچسکتا۔ تاثیرِ ثوابت وسیار کی گرد اُس کے چہرہ پر نہیں جم سکتی۔ اُس پر ستاروں کی نحوست وسعادت کا اثر نہیں پڑسکتا۔ صاحبانِ نفوسِ قویہ کو سعد ونحسِ فلک سے کیا ڈر ہے بلکہ انسان قوتِ نفس وتجرد میں اُس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ افلاک میں بلکہ تمام کائنات میں تصرف کرسکے۔ چنانچہ واقعہ شق القمر سید انبیا کا اور قصہ ردِ شمس سرورِ اوصیا کا شہادت دیرہا ہے۔

دوسرا باب

سبب اخلاقِ بد وقوتِ نفس

فصل (۱)

نفس مملکت بدن کا بادشاہ ہے اور یہہ چار قوتیں عقل۔ شہوت۔ غضب۔ وہم اس مملکت کے عمال وحکام ہیں اور باقی اعضاو قوی لشکر وخادم۔ ان چاروں کو لذت والم فطری حاصل ہے

واضح ہو کہ نفس انسان کا مثل ایک مملکت کے ہے۔ جسے خداوند عالم نے روح کے لئے مقرر فرمایا ہے اِس مملکت میں روح کے لئے اعضاو جوارح وحواس وتمام قوتِ ظاہری و باطنی مانند فوج ولشکر کے ہیں کہ جس کا شمہ بیان کیا جائیگا۔ (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ) یعنے تمہارے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک خدمت سپرد کیگئی ہے یا نہیں حسبِ مندرجۂ ذیل چار قوی سردارِ لشکر وعمالِ مملکت ہیں۔

(۱) عقل (۲) شہوت (۳) غضب (۴) وہم۔

باقی تمام قویٰ ان کے زیر دست و فرماں بردار ہیں۔ اور عقل کا کام حقیقتِ امور کو معلوم کرنا۔ نیکی و بدی کی تمیز کرنا۔ اور افعالِ نیک کا حکم اور بُرے صفات سے منع کرنا ہے۔ قوتِ شہوت کا فائدہ یہہ ہے کہ بدن کو قائم رکھتی ہے۔ یہہ کمالِ نفس کے تحصیل کا ذریعہ ہے۔ اس سے انتظامِ بدن درست رہتا ہے اور بقائے نسل اسی پر موقوف ہے۔

قوتِ غضب کا شغل یہہ ہے کہ نقصاناتِ خارجیہ بدن سے دور کرتی ہے نیز اگر قوتِ شہوت یا وہم سرکشی و خودسری کا ارادہ کرکے جادۂ اطاعتِ عقل سے قدم باہر رکھے تو یہی قوتِ غضبیہ اُنھیں سیدھے راستہ پر لاتی اور ماتحتِ عقل کر دیتی ہے۔

قوتِ وہم سے باریک اور مشکل کام سمجھ میں آتے ہیں یہہ قوت مقصد صحیح پر پہنچاتی ہے تحتِ اقتدار و تسلطِ عقل رکھتی ہے۔

واضح ہو کہ اِن چاروں قوتوں میں سے ہر ایک سرکشی بھی کر سکتی ہے۔ محکوم ہو کر حاکم بننے کی تمنا کرتی ہے۔ باقی قوتوں کی یہہ کیفیت نہیں۔ بلکہ اِن چاروں میں سے جو قوت بھی حاکم بنجائے وہ اُسی کی خادم بنجاتی ہیں۔

اب ان چاروں قوتوں میں سے عقل مرتبۂ وزارت رکھتی ہے۔ اُس کی تدبیر یہہ ہے کہ سلطانِ روح راہِ صواب سے الگ نہونے پاوے۔ تدبیرِ نیک سے مملکتِ بدن قائم و مضبوط رکھے۔ تاکہ بادشاہ کو عالمِ قرب کی تیاری و اسبابِ سفر میں سہل و آسانی ہو۔ دوسری قوتِ شہوت یہہ مثل عاملِ خراج کے ہے۔ یہہ عامل لالچی اور جھوٹا ہے جو کچھہ وزیرِ عقل حکم دیتا ہے اُس کے خلاف کرنا چاہتا ہے ہمیشہ اس امر کا طالب رہتا ہے کہ سلطانِ روح اُس کے حکم کا محکوم رہے۔ چارپایوں کے مانند غرقِ دریائے شہوت

ہو جاتے ہمیشہ ماکولات و مشروبات و منکوحات میں مبتلا رہے۔ اور ایسا مبتلا ہو کہ وزیر با تدبیر سے مشورہ لینے کی مہلت ہی نہ ملے۔ بھلائی اور برائی کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہی نہ ہو۔

تیسرا غضب یعنی کوتوالِ شہر بدن ہے جو تیز و تند و مخوف و شریر ہے ہمیشہ ظلم و ایذا و عداوت و بغض کو پسند کرتا ہے۔ اس امر کی کوشش میں رہتا ہے کہ سلطانِ روح کو فریب دے۔ اور ہمیشہ اُس کے اشاروں پر کاربند ہو۔ عقل کے ارشاد کی طرف اُس کا رخ نہ ہو۔ اور ہمیشہ درندوں کے مانند بنی نوع انسان کی ایذا دہی میں مصروف رہے۔

چوتھا۔ وہم کہ اُس کا شغل مکر۔ حیلہ و خیانت و فتنہ ہے وہ چاہتا ہے کہ سلطانِ روح کو ایسا مطیع و فرماں بردار کرے کہ کبھی راہِ فتنہ و فساد و مکر سے تجاوز نہ کر سکے۔ اِن چاروں قوتوں میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے اسلئے انسان میں کبھی فرشتوں اور قدسیوں کے آثار پائے جاتے ہیں کبھی بہائم کے کبھی وہ درندگی کے لباس میں نظر آتا ہے۔ کبھی شیطان کے بھیس میں یہ تنازع بر پا رہتا ہے یہانتک کہ کسی ایک قوت کو غلبہ حاصل ہو۔ پس اب جس قوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ انسان اُسی کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور اُسی کے آثار بطورِ کمال اُس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر بدن کی سلطنت وزیرِ عقل پر قائم رہی تو نفس کی مملکت میں آثارِ ملائکہ ظاہر ہوتے ہیں۔ انتظامِ مملکتِ بدن اچھی طرح رہتا ہے۔ انسان داخلِ گروہِ ملائکہ ہوتا ہے۔ اگر دوسرے قویٰ کا غلبہ ہو تو اُسکے آثار ویسے ہی پیدا ہوتے ہیں مملکتِ بدن خراب و ویران ہوتی ہے انسان جانوروں یا درندوں یا شیاطین کے

گروہ میں شامل ہوجاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔
واضح ہو کہ مملکتِ نفس میں یہہ لڑائی عقل کے سبب سے ہوتی ہے۔ کیونکہ عقل اِن قوائے سہ گانہ کو اعتدال کے دائرے میں قائم رکھنا چاہتی ہے۔ ان کی سرکشی کو روکتی ہے۔ اور نفس کو ان کا فرماں بردار بنجانے سے منع کرتی ہے۔ اور باقی تینوں قوتیں آپس میں جنگ و جدل نہیں کرتیں۔ یہہ مخالفت صرف عقل کے اشارے پر منحصر ہے۔ ہاں یہہ ممکن ہے کہ ان قوتوں میں سے کسی قوت کو بہ سبب عوارضِ خارجیہ کے دوسری پر غلبہ و قوت حاصل ہو لیکن یہہ غلبہ دشمنی و عداوت کے سبب سے نہیں ہے یہی سبب ہے کہ نفوسِ حیوانات میں جو قوۃ عاقلہ سے خالی ہیں یہہ تنازعہ نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ وہ سب اس قوتِ (شہویہ) میں مراتب مختلفہ رکھتے ہیں جو اِن پر مسلط ہے۔ اسی طرح گروہِ درندگاں و فرقۂ شیطان کو سمجھئے جن میں سے اوّل الذکر پر قوتِ غضبیہ کا تسلط ہے۔ اور آخر الذکر پر قوتِ واہمہ کا۔ یہی حال نفوسِ ملائکہ کا ہے۔ اِن میں بھی تنازعہ نہیں۔ اسلئے کہ انکی قوت صرف عقل پر منحصر ہے۔ باقی قوتیں انمیں نہیں ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جامعِ تمامِ عوالم و محلِ جمیع آثار انسان ہے۔ جو تمام مخلوقات میں قوائے متخالفہ و صفات متقابلہ کے ساتھہ مخصوص کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مظہریتِ اسماء الٰہیہ و مرتبہ قابلیتِ خلافتِ ربانیہ اُس سے متعلق ہوا۔ عالمِ ظاہری و باطنی کی بزرگی کا تاج اُس کے سر پر رکھا۔ اور سلطنتِ ملکِ ظاہری و باطنی کا خلعت اُس کے جسم پر آراستہ کیا گیا۔ گو ملائکہ لذاتِ عقلیہ و انوارِ علمیہ سے مخصوص ہیں۔ رتبۂ روحانیت پر سرفراز ہیں لیکن عالمِ جسمانیت پر جو ایک عالمِ پروردگار ہے۔ اِن کو تسلط نہیں ہے۔ اجسامِ فلکیہ اگرچہ بنا برِ قواعدِ حکما صاحب نفوسِ مجرّدہ ہیں مگر انکو

اوصافِ متضاد و طبایعِ مختلفہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ نہ انھوں نے ہولناک منزلیں طے کی ہیں۔ نہ انقلابِ صفات و احوال کا زہرِ جانگزا چکھا ہے۔ برخلاف انسان کے کہ تمام مراتب کو طے کر کے مختلف پہاڑوں کی سیر کرنیکے بعد عالمِ جماد و نبات و حیوان و ملائکہ کا احاطہ کئے ہوئے مرتبۂ کمال پر فائز ہوا ہے۔ پس انسان تمام حقائقِ ملک و ملکوت کا ایک نسخۂ جامعہ ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے عقل سے ملائکہ کو مخصوص کیا۔ اِن کو شہوت و غضب نہیں دیا حیوانات کو شہوت و غضب عنایت کئے۔ مگر عقل سے بے نصیب رکھا۔ انسان کو ان تمام قوتوں سے مشرف کیا۔ اگر انسان شہوت و غضب کو عقل کا مطیع کرے تو ملائکہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اپنے کو باوجود ان تمام قوتوں کے اس مرتبہ پر پہنچانے والا یقیناً مستحق مدح ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اگر شہوت و غضب کا مطیع ہو تو حیوان سے رتبہ میں کم درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ باوجودِ اعانتِ عقل اُنکی اطاعت کی۔ اور حیوانات کو عقل کی اعانت حاصل نہیں ہے۔

فصل (۲)

لذتِ روحانی کا درجہ لذتِ جسمانی سے بڑھا ہوا ہے۔ قوتِ عاقلہ سے لذّتِ روحانی اور باقی تین قوتوں سے لذّتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ ان چاروں میں سے جو قوت غالب ہو جائے آدمی

آپکو معلوم ہوا کہ یہ چاروں قوتیں سردار ہیں (۱) نظریۂ عقلیّہ (۲) وہمیۂ خیالیہ (۳) سبعیۂ غضبیہ (۴) بہیمیۂ شہویّہ۔

واضح ہو کہ انمیں سے ہر ایک کے لئے لذّت و تکلیف موجود ہے یعنے جو چیز بلحاظِ فطرت و جبلت اس قوت کے لئے موزوں ہے اُس کا حصول لذّت ہے اور

اُسی جنس میں منسوب ہو جاتا ہے | اُس کا عدم تکلیف و الم۔ اب سمجھنا چاہئے کہ عقل کی خواہشِ فطری یہہ ہے کہ حقیقتِ اشیا کو پہچانے۔ لہذا معرفتِ حقائق۔ لذتِ عقلی ہے۔ اور جہل و حیرانی اذیت و تکلیفِ عقلی۔ اسی طرح مقتضائے غضب قہر و انتقام ہے۔ اسی کی لذت غلبہ و تسلّط سے حاصل ہوتی ہے۔ اور عجز اُس کے لئے تکلیف و زحمت۔ علی ہذا قوتِ شہویہ کی خواہشاتِ فطریہ ماکولات و ملبوسات و منکوحات میں منحصر ہیں۔ اُنکا حصول اس کے لئے لذت ہے۔ اور عدمِ حصول موجبِ زحمت والم۔ اسی پر قوّتِ وہمیہ کا قیاس کرنا چاہئے۔ اس مقام سے معلوم ہوا کہ ان چاروں قوتوں پر نظر کرتے ہوے لذت والم کی بھی چار قسمیں قرار پائینگی۔

(۱) لذتِ عقلیہ (۲) لذتِ خیالیہ (۳) لذتِ غضبیہ (۴) لذتِ شہویہ۔

ان سب لذتوں میں لذتِ عقلیہ کا درجہ نہایت بلند ہے۔ جیسا کہ خود عقل کے لئے رفعت موجود ہے۔ تغیر و تبدلِ حالات سے اس لذت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے۔ برخلاف دوسری لذتوں کے۔ ان میں سے کسی کے لئے بھی رنگِ بقا نہیں ہے۔ اسی لئے یہہ لذتیں لذتِ عقلیہ کے مقابل میں نہایت حقیر و بے قدر ہیں۔ ابتدا میں انسان کا میلِ طبعی تمام لذتوں کی جانب ہوتا ہے لیکن جسقدر غلبۂ حیوانیت بڑھتا ہے اُسیقدر لذتِ عقلیہ ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ یہہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ابتدا میں انسان کو لذتِ عقلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُسکی طرف اُسی وقت توجہ کامل ہو سکتی ہے جب نفس پاک و پاکیزہ ہو۔ اور انسان فضائلِ حسنہ کے زیوروں سے آراستہ ہو جاے۔ لیکن جب آدمی اُس لذت کا ادراک کرلیتا ہے۔ تو پھر اُس میں ترقی ہی ترقی نظر آتی ہے۔ اور

جسقدر قوت عقلیہ ترقی کرتی ہے۔ اُسیقدر اُس کا تسلط دوسری قوتوں پر ہوتا جاتا ہے یہ تسلط جسقدر بڑہتا ہے اُسیقدر لذتِ عقلیہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور اسے نقص و زوال لاحق نہیں ہوتا۔ اُن لوگوں سے تعجب ہے جو کھانے پینے۔ نکاح جماع اور مثل ان کے اور لذتوں کو کمالِ انسانی سمجھتے ہیں۔ اُن کے حصول میں بہتری کا گمان کرتے ہیں۔ لذتِ آخرت و انتہائی مرتبۂ انسانیت اُن کے نزدیک وصالِ حور و غلماں و سیر بہشت۔ کباب و شراب کے سوا اور کچھ نہیں۔ آگ میں جلنا بچھوؤں کی اذیت رسانی۔ گرزِ آتشیں کی چوٹیں۔ آتشیں لباس انھیں چیزوں میں اُن کے نزدیک آخرت کی تکلیف منحصر ہے۔ اُنکی عبادات و ریاضات کا مقصد یہی ہے کہ وصال حوریہ سے کامیاب ہوں۔ اور گرزِ آتشیں سے نجات حاصل کریں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ایسی عبادت مزدوروں اور غلاموں کی عبادت ہے۔ افسوس یہہ لوگ اُنکی لذت سے بے خبر ہیں جن سے سرورِ حقیقی اور قربِ پروردگار حاصل ہوتا ہے اگر آتشِ دوزخ کے خوف سے گریہ و بکا ہے۔ اگر شوقِ وصالِ حورمیں شب بیداریاں ہو رہی ہیں۔ اگر فواکہاتِ خوش مزہ کی امید میں روزہ رکھا جاتا ہے تو سمجھ لیجئے؟ کہ ایسا شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہوسکتا۔ ایک پردۂ غفلت ہے جو آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ سید اولیا علیہ التحیۃ والثنا فرماتے ہیں (اِلٰهِی مَا عَبَدْتُكَ خَوْفاً مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعاً فِي جَنَّتِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْتُكَ اَهْلاً لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ) یعنے وہ اے خدا میں آتشِ دوزخ کے خوف سے یا بہشت کی طمع و شوق میں تیری عبادت نہیں کرتا ہوں مگر تجھکو سزاوارِ پرستش جانکر تیری بندگی کرتا ہوں ۔۔ ایسا ہی اہل بصیرت کی نظر میں لذتِ جسمانیہ کی کوئی

قدر و منزلت نہیں ہے۔ کیونکہ ان لذتوں میں آدمی بہائم و حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ اہلِ عقل کے نزدیک وہ لذت کس کام کی ہو سکتی ہے جس کا حصول جسقدر ترقی کرتا جاے اُسیقدر نفسِ ناطقہ قوتِ بہیمیہ کا خادم ہوتا چلا جاے۔ افسوس ہے اُن پر جو کھانے پینے۔ نکاح حصولِ جاہ و منصب کو لطفِ زندگانی سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ اِن سے محروم ہیں اُن پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کی بزرگی کو گھٹاتے ہیں۔ اور جو لوگ ترکِ شہوات کر کے لذّتِ دنیویہ پر لات مار چکے ہیں۔ انکی تواضع و عاجزی سے فائدہ اُٹھا کر انکو اپنے مقابلہ میں بدنصیب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ لذاتِ جسمانیہ کا حصول ہرگز داخلِ کمالات نہیں۔ اُس کی روشن دلیل یہہ ہے کہ ان چیزوں سے ذاتِ باری کی تنزیہ اہلِ عقل کے نزدیک مسلّم ہے۔ اگر یہہ چیزیں کمالات میں داخل ہوتیں تو ضرور خالقِ عالم کے لئے ثابت رہتیں۔ اس لئے کہ ذاتِ کامل و اکمل کا کسی کمال سے خالی رہنا محال ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہہ چیزیں فی الحقیقۃ نقص میں داخل ہیں۔ نہ کمالات میں۔ فطری دلیل یہہ ہے کہ اگر کسی شخص کو پُرخور کہا جاے یا مطیعِ غضب سمجھا جاے یا مکّار کا خطاب دیا جاے تو وہ یقیناً ناخوش ہوگا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ یہہ صفتیں نقایض میں سے ہیں۔ اگر اِن کا شمار کمالات میں سے ہوتا تو کسی انسان کو انکی طرف منسوب ہونے سے ناخوشی لاحق نہوتی۔ اس لئے کہ نفس انسان فطرتاً طالب کمال ہے۔ ہاں ان قوتوں کا کام صرف اتنا ہے کہ بدن پر جو تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ وہ اُن کے ذریعہ سے دفع ہو جاتی ہیں اور بس۔ لذت وہی لذت ہے جسکا عقل سے تعلق ہے۔ اور جس کے حصول سے انسان گروہِ ملائکہ میں داخل ہوتا ہے اور باقی قوتیں انسان کو حیوانوں۔ درندوں اور شیاطین کے گروہ کی طرف کھینچے

والی ہیں۔ لہٰذا چشمِ بصیرت کھولئے ہوشیار ہوجائیے؟ اور غور کیجئے؟ کہ آپ
کہاں سے کہاں پہنچے۔ اگر قوّتِ شہویہ دوسری قوتوں پر مسلّط ہو یہانتک کہ آپ اشتیاقِ
ماکول و مشروب میں ہی غرق ہوں جہوشوں کے جھگڑے میں ہی آپکی زندگی گزر رہی ہو
تو آپ انسان نہیں رہے۔ بہائم سے جاملے۔ اگر آپ پر قوّتِ غضبیّہ کا تسلّط ہو اور ہمیشہ
آپ اپنے کو حصولِ منصب وجاہ و برتری کی طرف مائل یا کسی کی تکلیف و فحش و دشنام
دہی میں مصروف پائیں تو اپنے کو سگِ گزندہ یا گرگِ درندہ سمجھئے؟ اور انسان خیال
نہ کیجئے؟ اگر ہمیشہ مکر و حیلہ کی فکر اور اُن طریقوں کی تلاش ہو جو مقتضائے غضب و
شہوت ہیں تو اپنے کو شیطان خیال کیجئے؟ جس نے جسمِ انسانی میں حلول کیا ہے اگر
آپ پر عقل کا تسلّط ہو اور ہمیشہ تحصیلِ معرفتِ الٰہیّہ و عبادتِ پروردگار و طاعتِ
رسولِ مختار و طلبگارِ نیکی ہوں تو اپنے کو انسانِ حقیقی و ملائکہ مقدّسہ سے بلند رتبہ والا
جانئے؟ پس جسکو تھوڑا بھی ہوش ہو۔ اور اپنے نفس کا دشمن نہو۔ اُس پر سعادتِ ابدیّہ
وصفاتِ جمیلہ کے حصول میں اور اخلاقِ رذیلہ کے دفع میں کوشش کرنا لازم ہے ہمیشہ
خواہشِ نفسانیہ و لذّتِ جسمانیہ میں مصروف نہونا چاہئے مگر اُسقدر جو صحتِ بدن و بقائے
حیات کے لئے ضروری ہے۔ انسان اپنی زندگی کو اچھے اچھے کھانوں کے حاصل کرنے
میں ضایع و تلف نہ کرے۔ مگر مطابقِ ضرورت۔ جس سے اہل و عیال کے سامنے ذلیل
نہو۔ اس سے زیادہ وبال اور اُس کا نتیجہ خرابی ہے۔ جامہ و لباس اسقدر کافی ہے کہ
بدن کو پوشیدہ کر سکے اور گرمی و سردی دفع ہو نہ اسقدر متلاشی رہئے؟ کہ ہر ایک
کی نظر میں ذلیل و خوار و بے اعتبار ہو جائیے۔ مجامعت اسقدر کافی ہے جو بقائے نسل
کے لئے ضروری ہو نہ اس درجہ کہ غرقِ دریائے شہوتِ نفسانیہ و گرفتارِ علایقِ دنیویہ ہو جائے

اسی سبب سے شقاوتِ ابدیّہ و ہلاکت میسّر ہوتی ہے۔ خدا کے لئے اپنے نفس پر رحم کیجئے
اور ہوشیار رہئے کہ کہیں آپ پر راستے مسدود نہوں۔ آپ عاجز نہو جائیں۔ آپ غافل
نہوں کیونکہ عمر تھوڑی اور مختصر ہے۔ اپنا علاج کیجئے؟ کہ کہیں اخلاقِ رذیلہ مستحکم نہوں
اور لشکرِ شیطان مملکتِ دل تسخیر نکرلے۔ دل پر شیطان کا قابو نہو جبکہ جوانی میں شیطان
نے آپ کے دل پر قابو کیا تھا آپکو قوت و توانائی حاصل تھی۔ اُسوقت شیطان سے آپ مقابلہ
نکر سکے تو پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ بڑھاپے میں مقابلہ کریں لیکن کسی حال میں رحمتِ خدا سے
ناامید ہونا جائز نہیں ہے۔ ہر وقت قوت کے مطابق کوشش اور شیطان سے مقابلہ کرنا
چاہئے۔ شیخ فاضل احمد ابن محمد ابن یعقوب جو علمِ اخلاق کا اُستاد ہے اور پہلے پہل جس نے
اس فن میں تصنیف و تالیف کے لئے قلم اُٹھایا ہے۔ اُس سے منقول ہے کہ میں اُسوقت مستیِ
طبیعت اور خوابِ غفلت سے ہوشیار ہوا جب عہدِ جوانی برباد ہوچکا تھا۔ عادات و
رسوم مجھ میں مستحکم ہو رہے تھے۔ اوصافِ رذیلہ میرے نفس میں رسوخ کرچکے تھے اُسوقت
میں نے کمرِ اجتہاد باندھی۔ اور مجاہدہ عظیمہ و ریاضتِ شاقہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے
باز رکھا۔ یہانتک کہ خداوندِ عالم نے مجھکو توفیق کرامت فرمائی اور جہلکات سے خلاصی حاصل
ہوئی۔ ایسا جو مایوس نہو؟ دروازہ فیضِ الٰہی کشادہ ہے۔ ہر شخص کو امیدِ نجات رکھنا چاہئے
لیکن یہ خیال نکرلینا کہ وہ صفائی و نورانیتِ قلب جو گناہوں کی تیرگی سے زائل ہوچکی ہے
اس کا تدارک ممکن ہوگا اور نفس میں وہی جلا پیدا ہوجائیگی جو گناہ نکرنے کی حالت میں ہوتی
یہ خیال باطل ہے۔ ہاں اس مقام میں انتہائے امر یہ ہے کہ آثارِ گناہ کو اعمالِ حسنہ کے ارتکاب
سے محو کردیا جائے۔ تو اُسوقت البتہ نفس اُس حالتِ اولیٰ کے مشابہ ہوسکیگا۔ اور اعمالِ حسنہ
کے سبب سے ایک نورانیت حاصل ہوگی۔ آہ! اگر یہ شخص ان اعمالِ حسنہ کو اُسی وقت سے

بجالاتا جبکہ گناہ کی طرف قدم نہ بڑھایا تھا تو اُسے دنیا میں وہ سرور حاصل ہوتا جسکا اندازہ ممکن نہیں۔ اور آخرت میں وہ درجات حاصل ہوتے جو تصوّر سے باہر ہیں۔ اور اب موجودہ حالت میں اعمالِ حسنہ کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ آثارِ ظلمت و معصیت محو ہو جائیں۔ اور بس۔ یہ بھی سعادتِ عظمیٰ ہے۔ کاش ہم اُسی کی طرف قدم بڑھائیں۔

فصل (۳)

تمام نیکیوں اور بُرائیوں کا مصدر یہی چار قوّتیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔ باقی قوّتیں انکی فرماں بردار ہیں۔

بیانِ مذکورۃ الصدر سے معلوم ہوا کہ آدمی کے لئے اگرچہ قویٰ و جوارح بہت سے ہیں لیکن اُن میں سوائے چار کے باقی سب مطیع و فرماں بردار ہیں۔ اور وہ مملکتِ نفس کی حالت میں تغیر و تبدّل نہیں کر سکتے۔ یہی چار قویٰ باعثِ نیک و بد و خیر و شر ہیں۔ انھیں چاروں سے تمام اخلاقِ نیک و بد ظاہر ہوتے ہیں۔ غرضا صفات خیر و شر یہی ہیں لیکن قوّتِ عاقلہ کے تسلّط و غلبہ سے نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اُسکی خرابی و عجز میں بدی و شر ظاہر ہوتا ہے۔ باقی تینوں قوّتیں اس کے برعکس ہیں یعنے اُن کے تسلّط و غلبہ کی حالت میں شرارتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور عجز و انکسار کی صورت میں نیکیوں کا ظہور ہوتا ہے۔

فصل (۴)

ہر ایک چاروں قوّتوں کی شان و تہذیب سے یہ چار فضیلتیں۔ حکمت۔ عدالت۔ شجاعت و عفت۔ حاصل ہوتی ہیں جو تمام فضائل کے مبدا ہیں۔

واضح ہو کہ قوّتِ عقلیہ و وہمیہ تمام امور کو معلوم کرتی ہے لیکن قوّتِ عقل کلیات کو معلوم کرتی ہے اور قوّتِ وہمیہ سے جزئیات کا تصوّر متعلق ہوتا ہے۔ جو فعل بدن سے صادر ہوتا ہے وہ فعلِ جزی کہلاتا ہے۔ پس افعالِ جزی کے وقت قوّتِ وہمیہ غور و فکر کے ساتھ مبدءِ تحریکِ بدن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اُسکو قوّتِ عاملہ و عقلِ عملی کہتے ہیں۔ اور قوّتِ عقلیہ کو عقلِ نظری و قوّتِ عاقلہ۔ قوّتِ غضبیہ و شہویہ بدن کو متحرک کرتا ہیں۔ یہی دو قوتیں ابتدا

تحریک کنندہ میں۔ لیکن قوتِ غضبیہ امورِ غیر ملائمہ کو بدن سے دفع کرنے کے لئے اور قوتِ شہویہ امور ملائمہ کے حصول میں ابتداءً تحریک کرتی ہے۔ اگر قوت عاقلہ دوسری قوتوں پر غالب ہوجائے تو تمام قوتونکو اپنا مقہور و مطیع کرتی ہے۔ اُسوقت تمام قوتوں کے تصرفات و افعال حسبِ صلاح و صواب واقع ہوتے ہیں۔ انتظام مملکت ٹھیک رہتا ہے۔ آثارِ انسانیت ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر ایک قوت کی تہذیب ہوتی ہے اور اُسے وہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے جو اُس کے لئے مخصوص ہے۔ قوتِ عاقلہ کی تہذیب سے صفتِ حکمت پیدا ہوتی ہے۔

قوتِ غضبیہ کی تہذیب سے شجاعت حاصل ہوتی ہے۔ اور قوتِ شہویہ کی تہذیب سے صفتِ خلق و عفت کا ظہور ہوتا ہے۔ قوت عاملہ کی تہذیب سے ملکۂ عدالت ظاہر ہوتا ہے۔ تمام اخلاق میں یہہ چاروں صفات افضل ہیں۔ اور باقی صفاتِ نیک انھیں چاروں کے ماتحت ہیں۔ یعنے انھیں صفتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہہ چاروں تمام صفات کے مصدر ہیں۔ اسکی تفصیل یہہ ہے کہ صفتِ حکمت۔ مصدرِ فطنت فراست حسنِ تدبیر۔ توحید وغیرہ ہے۔ اور شجاعت منشاءِ صبر۔ علو ہمت۔ حلم و وقار۔ عفت سببِ سخاوت و حیا۔ امانت و کشادہ روی وغیرہ ہے۔ تمام اخلاقِ حسنہ کے اصول اولیہ یہی فضائلِ اربعہ ہیں۔ اوّل حکمت۔ حکمت کی تعریف یہہ ہے کہ اُس طریقہ پر حقیقتِ موجودات کا پہچاننا جیسا کہ حقیقتاً موجود ہیں۔ یعنے ماہیتِ اشیا تک بقدرِ امکان رسائی حاصل کرنا۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حکمتِ نظری یعنے اُن موجودات کی حقیقت کا جاننا جنکا وجود ہمارے قدرت و اختیار میں نہیں ہے مثلاً افعالِ الٰہیہ۔

(۲) حکمت عملی۔ یعنے اُن موجودات کی حقیقت کا جاننا جن کا وجود ہمارے اختیار
میں ہے۔ مثلاً ہمارے افعال۔

دوم شجاعت۔ اسکی اصلیت یہہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ غضبیہ کو اپنا فرماں بردار
بنالے تاکہ آدمی ہلاکت میں نہ پڑے۔ اور کسیوقت بھی اطاعتِ عقل سے باہر نہو۔

سوم عفّت۔ اسکی تعریف یہہ ہے کہ قوّتِ عاقلہ قوّتِ شہویہ کو اسطرح مطیع کرلے کہ
وہ کسی امر و نہی میں سرکشی نہ کرسکے۔ اور انسان ہوا و ہوس میں گرفتار نہو۔

چہارم۔ عدالت۔ عدالت کی تعریف یہہ ہے کہ قوّتِ عاملہ قوّتِ عاقلہ کے ماتحت
رہ کر مملکتِ بدن میں تصرّف کرتی رہے۔ بعض کے نزدیک عدالت اُس ملکہ کا نام
ہے جو تمام قوّتوں کو عقل و شرع کے ماتحت کردینے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے
اور بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ عدالت وہ ملکہ ہے جو تمام قوّتوں کو قوّتِ عاقلہ کے ماتحت کردینے
سے پیدا ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ کوئی قوّتِ امر و نہی قوّتِ عاقلہ سے مخالفت نکرسکے
ان تمام اقوال کا مقصد ایک ہی ہے۔

فصل (۵)

قوّتِ عاملہ کی کارفرمائی کے باعث
ہر ایک قوّت سے ایک صفت حاصل
ہوتی ہے۔

جب یہہ معلوم ہوچکا کہ قواے اربعہ (عاقلہ و غضبیہ و شہویہ و
عاملہ) کی تہذیب اور درستی سے چار فضیلتیں (حکمت
و شجاعت و عفّت و عدالت) حاصل ہوتی ہیں۔ اور
باقی فضائل و اخلاق انھیں کے ماتحت ہیں تو اب جاننا
چاہئیے کہ اکثر علماے اخلاق نے انھیں چار فضیلتوں کو بجاے جنس قرار دیکر انمیں سے
ہر ایک کے ماتحت انواعِ متعدّدہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن صاحبِ جامع السعادات کا بیان
ہے کہ اس تقسیم اور تشریح کی صحت میں کلام ہے۔ اسلئے کہ جب معلوم ہوچکا کہ عدالت

اسوقت حاصل ہوتی ہے جب قوت عاملہ قوت عاقلہ کی مطیع و منقاد ہوجاے اور پھر خود قوتِ عاقلہ نیز قوتِ غضبیہ و قوتِ شہویہ کے افعال بھی اسکی وساطت سے ظاہر ہوں۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ ان تینوں قوتوں کے فضائل و اخلاق قوتِ عاملہ کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایک صفتِ حسن انھیں تینوں قوتوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہوسکیگی۔ ہاں اسکا حصول اس میں شک نہیں کہ بواسطہ قوتِ عاملہ ہوگا لیکن محض واسطہ قرار پانے سے کوئی صفت اسکی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ان کا مصدرِ حقیقی وہی قوت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوئی ہے اسی واسطے جب قوتِ عاملہ قوتِ عاقلہ کی مطیع ہو تو باقی قواے ثلثہ (عاقلہ و غضبیہ و شہویہ) کے رذائل اس سے منسوب نہیں کئے جاتے۔ پس اب سواے اطاعتِ قوتِ عاقلہ قوتِ عاملہ کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ اس میں شک نہیں کہ قوتِ عاملہ فی نفسہ ایک فضیلتِ کامل ہے۔ اور اس کا عدم سر دفتر رذائل لیکن یہہ خود کسی ایسی فضیلت کا سبب نہیں ہے جو باقی قواے ثلثہ سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ اسیطرح اس کا عدم بھی کوئی ایسی خرابی پیدا نہیں کرسکتا جسے ان قوتوں سے الگ کرسکیں۔ پس ہر ایک صفت خواہ وہ فضائل ہیں سے ہو یا رذائل میں سے بوساطت قوتِ عاملہ قوتِ عاقلہ و غضبیہ و شہویہ سے متعلق ہوتی ہے۔ اب اگر اس وساطت کے سبب سے کسی صفت کو اس سے منسوب کیا جاسکتا ہے تو پھر لازم ہے کہ تمام صفات کو اسی سے نسبت دیجاے۔ اور تمام فضائل صفتِ عدالت کے ماتحت رکھے جائیں اور اندریں صورت یہہ کہنا کبھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ بعض فضائل عدالت سے متعلق ہیں اور بعض نہیں ہیں۔ لہذا مقتضاے نظر صحیح کہ تمام فضائل و رذائل حکمت و شجاعت و عفت کے ماتحت ہیں۔ (عدالت خود ایک فضیلت ضرور ہے لیکن اس کے ماتحت

کوئی اور فضیلت نہیں ہے) علی ہذا ان کے اضداد کا تعلق بھی قوتِ عاقلہ و غضبیہ
و شہویہ سے ہی ہے ۔ قوتِ عاقلہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہاں اسکے توسط سے تمام
صفات کا ظہور ضرور ہوتا ہے ۔ اب اس تعلق کی شان یہ ہے کہ بعض صفت کا ایک
ہی قوت سے تعلق ہے ۔ بعض کا دو سے اور بعض کا تینوں قوتوں سے ۔

مثال نمبر (۱) علم و جہل ۔ ان کا تعلق فقط قوتِ عاقلہ سے ہے غضب
و حلم ۔ یہ صرف قوتِ غضبیہ سے متعلق ہیں ۔ حرص و قناعت ۔ یہ محض قوتِ
شہویہ سے منسوب ہیں ۔

مثال نمبر (۲) حبِّ جاہ ۔ اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ دوسروں پر اپنا تفوق
و تسلط قائم کیا جائے تو اس حالت میں اس کا تعلق قوتِ غضبیہ سے ہوگا ۔ اور اگر اکل
و شرب وغیرہ کی محبت نے حبِّ جاہ پر آمادہ کیا ہے تو اسے قوتِ شہویہ سے نسبت
دیجائیگی اسیطرح حسد اگر بسبب عداوت پیدا ہوا ہے تو دائم قوتِ غضبیہ کے
ماتحت رہیگا ۔ اور اگر نعمت محسود کے حصول کی خواہش سے اس کا ظہور ہوا ہے تو
قوتِ شہویہ کے حوالے کر دیا جائیگا ۔

مداخلت بالاشتراک یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صفت میں قوائے مختلفہ
کی جھلک ہوتی ہے مثلاً اس حسد کو دیکھئے جسکی پیدایش کی علت عداوت بھی
ہو اور حصولِ نعمت بعد زوالِ نعمتِ محسود بھی ۔ اندریں صورت اس کا تعلق قوۃ
غضبیہ سے بھی ہے اور شہویہ سے بھی ۔ اسیطرح مثلاً غرور ۔ چنانچہ جب آدمی
کسی ایسی چیز کا خواہشمند ہو جس میں اسکی بہتری ہو اور وہ اپنی جہالت کے سبب
سے اس چیز کو بہتر سمجھے تو اب اگرچہ یہ شے مقتضیات قوتِ شہویہ میں سے

ہوگی تو اُس صفتِ رذیلہ (غرور) کا تعلق قوّتِ عاقلہ و قوّتِ غضبیہ سے ہوگا اور اگر اُس شئے کا تعلق مقتضیاتِ غضبیہ و شہویّہ (ہردو) سے ہوگا تو اُس سے حاصل شدہ صفت (غرور) کا تعلق قوّتِ عاقلہ و غضبیہ و شہویّہ (ہرسہ) سے ہوجائیگا۔

توضیح جب کوئی صفت قوائے متعددہ سے متعلق ہو تو اُس تعلق کے معنی یہ ہیں کہ اس صفت کے ظہور میں ہر ایک قوّت کا اثر موجود ہے اور یہ اثر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ علّتِ فاعلی کا اثر۔ گویا صفتِ حاصل شدہ معلول ہے اور قوّت اُسکی علّتِ فاعلی۔ علّتِ فاعلی کی قید اس لئے لگائی جاتی ہے کہ اگر کوئی قوّت کسی صفت کے لئے محض وجہ باعث ہو اور وجہ سبب ہو جائے۔ حالانکہ ظہور اُس کا دوسری قوّت سے ہو۔ تو اُس باعثیت اور سببیت کا کوئی لحاظ نہ ہوگا بلکہ وہ صفت اسی دوسری قوّت کے ماتحت رہے گی۔

مثلاً۔ کوئی ایسی شئے تلف اور ضائع ہوگئی جو قوّتِ شہویہ کی محبوب تھی۔ اور اُس تلف ہونے سے غضب کا ظہور ہوا۔ تو اندریں صورت غضب کا تعلق قوّتِ غضبیہ سے ہی رہیگا اگرچہ باعث اس کا قوّتِ شہویّہ ہے۔ پس جب یہ معلوم ہوچکا کہ تمام فضائل و رذائل انھیں قوائے ثلٰثہ (عقلیہ و غضبیہ و شہویّہ) سے متعلق ہیں خواہ یہ تعلق فرداً فرداً ہو یا بالاشتراک۔

تو اب ہم حسبِ تحریر جامع السعادت اوّل اوصافِ حسنہ و رذائلِ قوّتِ عاقلہ کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد فضائل و رذائلِ قوّتِ غضبیہ کا بیان ہوگا۔ اور بعد ازاں اسی طرح قوّتِ شہویّہ کے افعالِ نیک و بد کی تشریح کی جائیگی۔

فصل (۶)

چار صفات مذکورہ کے تحت میں تمام فضائل میں جو وسط کا حکم رکھتے ہیں اور تمام اخلاقِ رذیلہ افراط یا تفریط کی طرف واقع ہیں ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کی ضد بدی ہے تو اب جسقدر نیکیاں ہونگی اُسیقدر بُرائیوں کی بھی تعداد ہوگی مثلاً آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ارکانِ فضائل چار ہیں تو اب اُن کے مقابلہ میں اجناسِ رذائل بھی چار قرار پائینگے دیکھئے نقشۂ مندرجۂ ذیل ۔

ارکانِ فضائل	اصولِ رذائل جو ضد ارکانِ فضائل ہیں
حکمت	جہل
شجاعت	جبن (بزدلی)
عفّت	شرہ
عدالت	جور

بیانِ مندرجۂ بالا ضرور صحیح ہے لیکن نظرِ ظاہری پر مبنی ہے ۔ لہٰذا تحقیقِ مطلب کے لئے مندرجۂ ذیل بیان کو غور سے پڑھیئے اوّل ایک دائرہ فرض کیجئے ۔ اُس دائرہ میں ایک نقطہ مرکز نظر آرہا ہے ۔ اس نقطہ کا فاصلہ چاروں طرف سے برابر ہے اور یہ نقطہ عین وسطِ دائرہ میں واقع ہے یہ حدِ متوسطہ یا نقطۂ مرکز مقامِ فضیلت ہے جو اپنی جگہ پر مضبوط اور معیّن ہے ۔ اب اس نقطہ کے علاوہ باقی جسقدر بے شمار نقطے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ وہ طرفِ افراط (زیادتی) میں ہیں یا جانبِ تفریط (کمی) وہ سب کے سب نقطہ ہائے رذائل ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت کے مقابلہ میں بیشمار رذیل خصلتیں موجود ہیں ۔ اور نقطۂ مرکزی سے انحراف کرنا خواہ کسی طرف ہو رذائل میں داخل ہے

اور اس نقطہ پر باقی رہنا حقیقتِ فضیلت ہے نیز بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیئے کہ انسان
اوصافِ حمیدہ حاصل کرسکے۔ اگر جب قدم بڑھاتا ہے تو لازمی ہے کہ خطِ مستقیم اختیار
کرے۔ اسی خطِ مستقیم کا نام فضیلت ہے اور اس خط سے انحراف کرنا ارتکاب
رذائل میں داخل ہے۔ واضح ہو کہ خطِ مستقیم جو دو نقطوں کے درمیان ہوتا ہے
وہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے نیز اُسکی مسافت بھی سب خطوں سے کم ہوتی ہے
برخلاف اس کے خطوطِ منحنی بیشمار ہوا کرتے ہیں جیسا کہ نقشۂ ذیل سے واضح ہوگا۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ طریقۂ مستقیم صرف ایک ہے اور اُسی کو اختیار
کرنے سے صفاتِ حمیدہ ملسکتے ہیں۔ برخلاف اس کے طریقہ ہائے
انحراف بیشمار ہیں یہی سبب ہے کہ اسبابِ خیر کی نسبت شر و بدی
کے اسباب بہت زیادہ بلکہ بے شمار ہیں۔ اب فرض انسان یہہ ہے کہ ان بیشمار
نقطوں میں سے نقطۂ عدل کی تلاش کرے۔ یا ان بے تعداد خطوطِ منحنی میں سے خطِ
مستقیم کا متلاشی ہو۔ یہہ امر آسان نہیں ہے مشکل ہے اور مشکل تر یہہ کہ اس پر استقامت
کرنا اور زیادہ دشوار بلکہ دشوار تر۔ اسیواسطے جب سورۂ ہود کا یہہ حکم نازل ہوا (فاستقم
کما اُمِرتُ) وہ استقامت اختیار کرو مستقیم رہو جیسا کہ حکم جاری ہوچکا ہے
تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا (شَیَّبَتنِی سُورَۃُ ھُود) مجھے
سورۂ ہود نے بوڑھا کردیا۔ لیکن ان تمام دشواریوں کی یہہ معنی نہیں ہیں کہ انسان مایوس
ہوکر بیٹھ جائے۔ تحصیلِ سعادت کا شایق کبھی تھک نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ نقطۂ عدل کا
متلاشی ہوگا۔ لیکن اس تلاش سے پیشتر عدل کے اقسام سمجھنے ضروری ہیں۔ اور اس
سے ارشادِ پیغمبر کی بھی تشریح ہوجائیگی۔ طالب سعادت کو سمجھنا چاہئے کہ عدل

کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل عدلِ حقیقی۔ دوم عدلِ اضافی۔ عدلِ حقیقی کی تعریف یہہ ہے کہ طرفین سے اُسکی نسبت برابر ہو۔ مثلاً دائرے کا نقطۂ مرکزی سب طرف سے برابر نسبت رکھتا ہے یا تعداد میں چار۔ دو اور چھہ سے یکساں مناسبت ہے۔ یعنے یہہ عدد دو اور چھہ کے وسطِ حقیقی میں واقع ہے۔ یہہ ہے عدلِ حقیقی اور یہانتک رسائی ممکن نہیں[۵۱]۔ اسلئے عدلِ اضافی معتبر سمجھا جاتا ہے اور اُس کے معنی یہہ ہیں کہ عدلِ حقیقی سے عرفاً نزدیک ہو یا یوں کہئے "کہ عدلِ اضافی وہ نقطہ ہے جو عدلِ حقیقی سے نزدیک تر ہو اور نوعِ انسان یا کسی انسان کے لئے اُس کا حصول ممکن ہو"۔ غرض علمِ اخلاق میں عدلِ اضافی کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ طبیعتوں اور حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں اختلاف ممکن ہے اس لئے اشخاص و اوقات و حالات کے لحاظ سے اخلاقِ حمیدہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور مراتبِ عدلِ اضافی میں سے ایک ہی مرتبہ ایک شخص کے لئے صفتِ حمیدہ کہلاتا ہے۔ اور دوسرے کے لئے وہی مرتبہ صفتِ رذیلہ بنجاتا ہے[۵۲]

فصل (۷)

ہر صفتِ حسنہ کے مقابل میں صفاتِ رذیلہ کے دو جنس ہوا کرتے ہیں ایک طرف افراط دوسری طرف تفریط

بیانِ صدر سے آپکو معلوم ہوا کہ ہر صفت کے مقابلہ میں افراط و تفریط سے اخلاقِ رذیلہ بیحد ہیں لیکن ہر ایک کا نام معین و علیحدہ نہیں ہے۔ بلکہ تمام کا سمجھنا ممکن نہیں یا اُنکی گنتی علمِ اخلاق کا فرض نہیں یہاں ایک قاعدۂ کلیہ مقرر ہے جو تمام پر حاوی ہے۔ وہ یہہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ وسط کا حکم رکھتے ہیں اُس میں سے ہر ایک کا افراط و تفریط کی طرف مائل ہوجانا اخلاقِ رذیلہ میں داخل ہے پس اِس بنا پر

---

۵۱ یہہ مقامِ الوہیت ہے اور باعتبارِ مظہریت مقامِ نبی و امام ۱۲

۵۲ حسنات الابرار سیئات المقربین ۱۲

ایک فضیلت کے مقابلہ میں دو رذیلے پائے جائینگے اور اصولِ فضائل چار ہیں۔ توان کے مقابلہ میں رذائل کی حسب ذیل آٹھ قسمیں ہونگی۔

ارکانِ فضائل و اوصافِ حمیدہ	اجناسِ رذائل و اخلاقِ ذمیمہ	
	افراط	تفریط
(۱) حکمت	جربزہ	بلاہت
(۲) شجاعت	تہوّر	جبن
(۳) عفّت	شرہ	خمود
(۴) عدالت	ظلم	تمکین

ضدِ حکمت میں سے ایک جربزہ ہے یعنے فضول و بیکار ضرورت سے زیادہ فکر کرنا اور فکر کا جائے معیّن میں نہونا یہہ حدِّ افراط ہے۔ دوسرا بلاہت وہ یہہ کہ قوتِ فکریہ کا ضرورت کے وقت بالکل عاجز رہنا یہہ حدِّ تفریط ہے۔ اسکو کبھی حمقِ اوّل سے اور کبھی جہلِ بسیط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ضدِ شجاعت میں سے ایک تہوّر ہے یعنے ایسے امور کی طرف متوجّہ ہونا جنسے عقل پرہیز کرنے کا حکم کرے یہہ حدّ افراط ہے دوسرا جبن وہ یہہ ہے کہ اُن چیزوں سے مُنہ پھیر لینا جن سے مُنہ پھیرنا نہ چاہیے یہہ حدّ تفریط ہے۔ ضدِ عفّت میں سے ایک شرہ ہے۔ یعنے حصولِ لذاتِ جسمانیہ میں بلا لحاظِ شریعت یا خلافِ حکمِ عقل مشغول رہنا۔ یہہ حدِّ افراط ہے۔ دوسرا خمود۔ یعنے قوتِ شہویہ کا اسقدر ترک کرنا جو حفاظتِ بدن یا بقائے نسل کے لئے ضرور ہے یہہ تفریط ہے۔ اسیطرح مقابلہ میں عدالت کے دو اضداد میں ایک ظلم۔ یعنے بغیر حق کے حقوق و اموالِ مردم میں تصرّف کرنا۔ یہہ افراط ہے۔ دوسرا تمکین وہ یہہ کہ ظالم کے

ظلم کو اپنے پر بطورِ ذلّت و خواری کے سہنا اور باوجود قدرت کے دفع نہ کرنا عدالت کے
متعلق یہہ جو کچھہ بیان ہوا اس کی بنا اس اصطلاح کی بنا پر ہے جو اکثر لوگوں نے اختیار
کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو عدالت کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یعنے قوّتِ عملیہ کا
قوّتِ عاقلہ کے ماتحت رہکر باقی تمام قوّتوں کو اپنا مطیع رکھنا تو اس تفسیر کی بنا پر
عدالت کی ضد صرف ایک ہی ہوگی جسکا نام ظلم و جور ہے اور تمام صفات رذیلہ
اسی ظلم کے ماتحت قرار پائینگے۔ یعنے جسطرح کہ عدالت جمیع صفاتِ کمال کی جامع ہے
اسیطرح اسکی ضد جو ظلم ہے تمام اوصافِ رذیلہ پر حاوی ہوگی۔

واضح ہو کہ اخلاقِ ذمیمہ جنکا اوپر ذکر کیا گیا اسکی دو قسمیں ہیں (۱) اوساط (۲) افراط و تفریط
اسیطرح فضائل کی بھی چار قسمیں ہیں۔ پس جسطرح کہ فضائل کی ہر قسم کے ماتحت
بہت سی قسمیں ہیں۔ اُسی طرح رذائل کے متعلق بھی بہت سی شاخیں ہیں۔ جیسا کہ
مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہوگا۔

اجناس رذائل — اقسام رذائل

جربزہ (فضول اشیاء میں فکر کرنا) سے مکر۔ مکر حیلہ۔
بلاہت (اموراتِ دنیوی میں کم عقل ہونا) سے حمق۔ جہل مرکب۔
تہوّر (افراطِ غضبیہ) سے تکبر۔ زیادہ گوئی۔ گردن کشی۔ غرور۔
جُبن (بزدلی) سے سوءِ ظن یعنے بدگمانی۔ بے صبری۔ پست ہمتی یا کمینگی۔
شرہ (حریص ہونا) سے حرص۔ بے شرمی۔ بخل۔ اسراف۔ ریا۔ حسد۔
خمود (سرد ہونا) سے قطعِ نسل اندراس کے مانند۔

سلہ ناشناسی۔ ضد معرفت ۱۲

ظلم و جور سے بغیر حق کے کسیکے حق اور مال میں تصرف کرنا۔
تمکین سے ذلت و خواری سہنا۔ باوجود قدرت کے ظالم کے ظلم کو دفع نکرنا۔
اِن چیزوں کے متعلق علماءِ اخلاق نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اور ہم بھی اس کتاب میں ہدیۂ ناظرین کرینگے۔
واضح ہو کہ یہہ رذائل جو بیان ہوے قوتِ عاقلہ سے متعلق ہیں بعض قوتِ غضبیہ سے۔ بعض کا تعلق قوت شہویہ سے ہے اور بعض دو قوتوں یا تین قوتوں سے مرکب ہیں۔ اِن تمام کا بیان جا بجا مقام پر کیا جائیگا۔

فصل (۸)

صفات رذیلہ و صفات حسنہ کا رفع اشتباہ اور اُن کا فرق

واضح ہو کہ اکثر اوقات انسان سے ایسے افعال ظہور میں آتے ہیں جو ظاہر میں نیک ہوتے ہیں۔ اور وہ صفاتِ حسنِ اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُسکو اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا پس فضائل اور مشابہ بہ فضائل میں جو فرق ہے اُس کا جاننا واجب و لازم ہے تاکہ عاقل پر کوئی امر مشتبہ نرہے۔ اور وہ گمراہی میں نہ پڑے۔ کیونکہ جو اپنے نفس کے عیوب کو پہچانیگا تو وہ فریب نہ کھائیگا۔ اپنے کو صاحب اخلاق نہ سمجھیگا اور معالی اخلاق کے حاصل کرنے سے باز نرہے گا مثلاً حکمت کی تعریف یہہ ہے کہ حقائقِ موجودات کا کما حقہٗ علم حاصل ہو پس جو صاحبِ حکمت ہوگا ضروری ہے کہ اُسے اطمینانِ نفس حاصل ہو۔ اور وہ صاحبِ علم الیقین ہو کیونکہ یقین اور اطمینانِ نفس لازمۂ حکمت ہے اب اگر کسی شخص کو یہ بات حاصل نہو نہ اُس کے پاس علم الیقین ہو نہ اعتقاد جازم تو اُس شخص کو حکیم نہیں کہہ سکتے بلکہ ایسا شخص ایک طفل کے مانند ہے جو اپنے کو مرد و ملکا شبیہہ بنائے اور اُن کی سی باتیں کرے۔ یا اُس حیوان کے مثل ہے جس نے انسان کی

بعض باتیں سیکھ لی ہوں ۔ یا بعض افعال انسانی سیکھ لئے ہوں اور انھیں کو بجا لائے
علیٰ ہذا آپ معلوم کر چکے کہ قوتِ شہویہ کی عقل مخدوم رہنے کو عفت کہتے ہیں ۔ یعنے اُسے
تمام تصرفات موافقِ امر و نہی قوّتِ عاقلہ ہوں ۔ جو امور مصالحِ دنیا و عقبیٰ پر شامل ہوں
اُن کی طرف قدم بڑہائے ۔ جو باعثِ فساد ہوں اُن سے دوری اور کنارہ کرے ۔
ہرگز صوابدیدِ عقل کی مخالفت پر آمادہ نہو اور اُس فرماں برداری و اطاعت کا سبب
کمالِ نفس و تحصیلِ سعادتِ دنیا و آخرت ہو ۔ نہ یہہ کہ لوگوں کو فریب دینے کے لئے یہہ رنگ
اختیار کرے ۔ اور نہ یہہ کہ حفاظتِ آبرو یا کسیکے خوف نے اُسے ان امور پر مجبور کیا ہو
کیونکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو دنیا کے لئے ترکِ دنیا کرتے ہیں اور دنیا کی
بعض لذتوں کے ترک کر دینے سے اُن کا مطلب یہہ ہوتا ہے کہ اُس سے اعلیٰ درجہ
کی نعمتیں حاصل ہوں ۔ ایسے اشخاص صاحبِ فضیلت و عفت نہیں ہیں ۔ ایسا ہی وہ
شخص جس نے بے اختیاری و بیچارگی سے یا بسبب دسترس نہونے کے یا دوسرے
کی نفرت کے خوف سے یا اشتیاقِ شہرت و خوفِ ملامت سے ترکِ دنیا پر کمر باندہی
ہے تو ایسے شخص کو پرہیزگار نہیں کہہ سکتے ۔ اور بہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ بعضے
لذّات کو اس لئے ترک کرتے ہیں کہ اُن سے واقف ہی نہیں ۔ ایسا ہی بہت سے
جنگل اور پہاڑ کے بیٹھنے والے ہیں ۔ یہہ بھی پرہیزگاری کی صفت نہیں ہے بلکہ
صاحبِ عقل وہ ہے جو باوجودِ صحتِ قویٰ و قدرت و علمِ کیفیتِ لذّات و تہیۂ
اسبابِ لذّات و عدمِ مرض و آفت و پریشانی و بغیر امرِ مانعِ حصولِ لذّاتِ دنیویّہ
اطاعتِ عقل و شرع سے قدم باہر نہ رکھے ۔ اسی طرح صفتِ شجاعت یہہ ہے
کہ قوّتِ غضبیہ فرماں بردار و مطیعِ عقل ہو ۔ جس امر کے کرنے کا عقل حکم کرے اُسے

بجالائے۔ اور جسکو منع کرے اُس سے پرہیز کرے۔ اور اُس کی غرض بغیر حصولِ کمال وسعادت اور کچھ نہو۔ کیونکہ اگر کوئی بسبب تحصیلِ مال وجاہ یا شوقِ جمالِ معشوقہ یا بخوفِ امیر وسردار وبادشاہ یا بخیالِ فخر وشہرت اپنے کو ہولناک کاموں میں ڈالے یا لشکر سے تنہا بخوف مقابلہ کرے۔ مارنے اور مار کھانے اور مارے جانے اور بے دست وپا ہونیکی پروا نکرے تو ایسے شخص کو شجاع نہیں کہہ سکتے۔ وہ شجاعت سے بے نصیب ہے بلکہ اِن امور کے صادر ہونے کا منشاء شہوت کی زیادتی یا جبن ہے۔ پس جو کوئی ان امور سے کسی ایک امر مہلک میں اپنے کو ڈالے تو وہ زیادہ تر حریص وخائف ہے۔ وہ فضیلتِ شجاعت سے بہت دور ہے ایسا ہی وہ لوگ جو تعصّب (حمایت) جماعت واہلِ قرابت وقبیلہ کے سبب سے امورِ مہلکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص امورِ مہلکہ میں داخل ہوا اُسے غلبہ بھی حاصل ہوا اور کسی قسم کا خوف باقی نرہا۔ لیکن اب بھی وہ قتل وغارت سے باز نہیں رہتا۔ ایسا شخص ہرگز شجاع نہیں۔ بلکہ اس کی طبیعت کو غالب رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ایسا شخص اُن حیوانات درندہ کے مانند ہے جو بغیر عجز وخوف آدمی سے یا اپنے ہی جنس سے مقابلہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ قوتِ عاقلہ سے بے نصیب ہیں۔ صرف قوتِ غضبیہ اُن پر مسلط ہوتی ہے۔ اُن کا حملہ ملکۂ شجاعت کے سبب سے نہیں ہوتا۔ حاصلِ کلام واقعی شجاع وہ شخص ہے کہ جس کے افعال اشارۂ عقل پر صادر ہوں اور اُس میں کوئی سببِ دنیوی نہو۔ بعض مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عقل اُن سے پرہیز کرنے کا حکم دیتی ہے۔ پس ایسے مقامات سے فرار کر جانا منافیِ شجاعت نہیں۔ بلکہ ایسی جگہ ٹھیرے رہنا حماقت ہے۔ مثلاً کوئی شخص صاعقہ

و زلزلۂ شدید سے خوف نہیں کرتا تو یہ شجاعت نہیں۔ جنون کی علامت سے
وہ جانوروں کے زمرہ میں شریک ہے۔ اور عقل سے بے نصیب۔ جاننا چاہئے کہ
شجاعِ حقیقی کے نزدیک حفاظتِ ننگ و نام زندگی چند روزہ سے زیادہ محبوب ہے
وہ رسوائی و عیب کو ہرگز روا نہیں رکھتا بلکہ موت اور ہلاکت کو پسند کرتا ہے
ہاں مردانِ شجاعت بلا و مصیبت کے ساغر بے پروائی سے پیتے ہیں عیب و بدنامی
کا جامہ نہیں پہنتے اور نیک نامی کے ساتھ مرنا زندگی جانتے ہیں اور ذکر نیک کو
حیاتِ ابدی مانتے ہیں یہی سبب تھا کہ مردانِ میدانِ دین نے حفاظتِ شریعت
میں خنجر و تیر و شمشیرِ خونریز سے منہ نہیں پلٹایا یہی وجہ تھی کہ سوارانِ معرکۂ مذہب۔
ذائقین حمایتِ مذہب میں گردن تیغ براں کو اپنے سر پسند کر چکے ہیں۔
جس شخص نے صفحۂ روزگار میں نامِ نیک باقی رکھنے کو اور عوضِ اعمال آخرت میں ملنے کو
اور حقیقتِ عمر ناپائدار کو معلوم کیا تو البتہ باقی کو فانی پر اختیار کرتا ہے۔ حمایتِ دین
و شریعت میں اپنے سینہ کو سپر کرتا ہے۔ تیغِ ملامتِ ابنائے روزگار سے نہیں ڈرتا
وہ طریقۂ مردانِ شیر دل جانتا ہے کہ دین کے لئے خون میں تڑپنا سعادتِ ابدیہ کو
پہنچاتا ہے۔ وہ دنیائے دو روزہ میں ذلیل و خوار رہنا (زندگی بسر کرنا) اور مرتبۂ
شہادت سے دور رہنا پسند نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے شیرِ بیشۂ شجاعت۔ بادشاہِ
تختِ ولایت اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے (اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ اِنْ
لَمْ تُقْتَلُوْا تَمُوْتُوْا وَالَّذِیْ نَفْسُ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ بِیَدِہٖ لَاَلْفُ
ضَرْبَةٍ بِالسَّیْفِ عَلَی النَّاسِ اَھْوَنُ مِنْ مِیْتَةٍ عَلَی الْفِرَاشِ)
یعنے وہ اگر تم نہ مارے جاؤ گے تو ایکدن ضرور مرو گے۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں

پسر ابوطالب کی جان ہے کہ ہزار ضربِ شمشیر اُس کے سر پر زیادہ آسان اور گوارا
ہے اُس موت سے جو بستر پر واقع ہو کہ صاحبِ شجاعت سے جس وقت جو عمل ظاہر
ہوتا ہے موافق طریقۂ عقل و مناسب وقت ہوتا ہے۔ نہ اسکو مصیبت و عذاب کا کھینچنا
اور نہ زہرِ رنج و الم کا چکھنا ناگوار ہوتا ہے۔ نہ وہ حادثاتِ زمانہ سے بیقرار ہوتا ہے
جو امر دوسروں پر گراں ہے۔ اُس کے آگے سہل و آساں ہے۔ جو اوروں پر سخت
و دشوار ہے۔ اُس کے نزدیک نرم و ہموار ہے۔ اگر غصہ ہو تو حلم سے عقل کے باہر
نہیں ہوتا۔ اگر رنجیدہ ہو تو شرع کے راستہ کو نہیں کھوتا یہی حال عدالت کا ہے
یعنے قوتِ عاملہ قوتِ عاقلہ کی اسطرح فرماں بردار ہو کہ انسان سے کوئی عمل مقتضائے
عقل کے خلاف واقع نہو۔ یہہ ملکہ نفسِ انسان میں اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے
تمام افعال طریقۂ اعتدال پر ہوں۔ اور کوئی غرض دنیوی مدنظر نہو۔ اگر کوئی شخص ریاکاری
کے ساتھہ اپنے آپ کو اہلِ عدل کے مشابہ بنائے اور اُسکی غرض یہہ ہو کہ لوگوں کے قلوب
مسخر ہوں۔ اُن سے مال و متاع حاصل ہو یا کوئی منصب و جاگیر ملے اور بادشاہ یا وزیر کا
تقرب حاصل ہو تو ایسا شخص ہرگز عادل نہیں خیال کیا جاتا۔ اُسے مرتبۂ عدالت سے کوئی
تعلق نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت اُن تمام صفاتِ فاضلہ کی ہے جو ان فضائل کے ماتحت ہیں
جن کی تفصیل بیان کی جائیگی۔ مثلاً سخاوت اُس کو کہتے ہیں کہ بغیر کسی غرض کے مستحقین کو
مال عطا کرے۔ اگر بخشش و عطا کی غرض یہہ ہو کہ اس ذریعہ سے اور زیادہ مال حاصل ہو یا
یا مضرتوں کا دفعیہ مدنظر ہو۔ یا مناصبِ دنیویہ کا حصول غرضِ اصلی ہو۔ یا لذاتِ حیوانیہ
حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یا شہرتِ نیکنامی منظور ہو۔ یا فخر و افتخار کا خواہاں ہو تو اُس کا نام
سخاوت نہیں ہے۔ بخششِ غیر مستحق و زیادتی خرچ کی کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص بے اندازہ

وبیجا خرچ کرے۔ وہ قدرِ مال سے جاہل ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مال سے حفاظت
اہل وعیال بمرتبۂ کمال ہوتی ہے۔ اور مال وثروت کو اجرائی احکام وشریعت میں
اور اعلانِ فضائل وحکمت میں بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی وجہ سے صحیفۂ سلیمانیہ
میں وارد ہوا ہے (اِنَّ الْحِکْمَۃَ مَعَ الثَّرْوَۃِ یَقْظَانٌ وَّمَعَ الْفَقْرِ نَائِمٌ)
یعنے وہ علم وحکمت مال وثروت کے ساتھ بیدار ہے۔ اور فقر وتہیدستی کے
ساتھ حکمت سو جاتی ہے۔ اور اکثر وہی لوگ اسراف سے کام لیتے ہیں جو نہیں جانتے
کہ مالِ حلال کس مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ یا وہ لوگ جنھیں بغیر زحمت کے مال
ملا ہے کسیکی میراث پائی ہے یا کسی اور طریقہ سے مفت آگیا ہے وہ بے اندازہ وبیجا
خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ مالِ حلال کے حاصل کرنے میں زحمت نہیں اٹھائی۔ کوئی
تکلیف نہیں ہوئی۔ وہ نہیں جانتے کہ حصول مالِ حلال مشکل ہے۔ اور اکتساب
مالِ حلال کے طریقے نہایت کم ہیں۔ اور بزرگوں کے لئے ہر ایک پیشہ جائز وناجائز
میں مشغول ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے صاحبانِ دل کا حصہ دنیا میں بہت کم ہے
اور وہ ہمیشہ فقر وفاقہ میں بسر کرتے ہیں۔ بخلاف دوسروں کے جو تحصیلِ مال میں
بے پروا ہیں۔ نہ فکر حلال ہے۔ نہ ذکرِ حرام۔ نہ خوفِ عذاب۔ مال جہاں سے بھی ملے
لے لیتے ہیں۔ ہر ایک مقام پر صرف کرتے ہیں۔ بعض حکما نے کہا ہے وہ کہ مال
کا حاصل کرنا اسطرح ہے کہ پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجائیں اور اُس کا خرچ مثل اسکے
ہے کہ پہاڑ کی بلندی سے اُس پتھر کو چھوڑ دیں گا۔

تیسرا باب

اخلاقِ حسنہ کی محافظت اور اخلاقِ رذیلہ کے معالجات کا کلیہ

فصل (۱)

اخلاق حسنہ کے حصول کی ترتیب اور ابتدا میں کونسی صفت حاصل کیجائے اور من بعد کون سی

واضح ہو کہ فضائل و صفاتِ حسنہ حاصل کرنیکے لئے ایک ترتیب مقرر ہے جس سے تجاوز کرنا سزاوار نہیں۔

توضیح۔ اس کی یہہ ہے کہ جو شئے ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں منتقل ہوتی ہے وہ لامحالہ درجۂ اولیٰ سے درجۂ ثانیہ تک بذریعۂ حرکات و افعال ترقی کرتی ہے۔ اور یہی حرکات و افعال نقص سے کمال تک پہنچاتے ہیں۔ اب یہہ حرکت یا تو ہمارے اختیار سے باہر ہے اور یا ہمارے اختیار میں ہے۔ پس وہ حرکت جو ہمارے اختیار سے باہر ہے اُسے حرکتِ طبعیّہ کہتے ہیں مثلاً نطفہ رحم میں جسوقت قرار پکڑتا ہے تو مختلف صورتوں میں حرکت کرتا ہے یہانتک کہ مرتبۂ حیوانیت پر فایز ہوتا ہے۔ اب رہی وہ حرکت جو ہمارے اختیار میں ہے مثلاً ایک سوکھی لکڑی کو تراش کر اُس سے مختلف چیزیں بنا لینا۔ اس حرکت کا نام حرکتِ صناعیّہ ہے۔ اب یہہ بھی معلوم کیجئے کہ حرکت طبیعیّہ کا عالمِ اعلیٰ سے تعلق ہوتا ہے لہذا اُسکی ہر ایک شان حکمت و مصلحت کی تصویر ہے۔ بالفاظِ دیگر یہہ کہ قانونِ فطرت جس انتظام اور تدریج کے ساتھ اپنا عمل کر رہا ہے۔ اُس میں حُسن ہی حُسن ہے۔ پس اب ہمارا فرض ہے کہ اکتسابِ فضائل اور تہذیبِ اخلاق کی کوشش کے وقت ہم اُسی قانون کو مدّنظر رکھیں۔ دیکھئے پہلی شئے جس کی ضرورت بچہ کو پڑتی ہے وہ غذا ہے اور پہلی خواہش بچہ کی طبیعت میں یہی پیدا ہوتی ہے چنانچہ رحمِ مادر میں بذریعۂ ناف غذا حاصل کرتا ہے یہانتک کہ پیدا ہوتا ہے اور یہہ قوت بھی طاقت پکڑتی جاتی ہے۔ پس پہلی شئے جس کا ظہور بچہ کے لئے ہوتا ہے وہ قوتِ شہویّہ ہے۔ جب یہہ قوت اُس میں کامل ہو چکتی ہے

تو قوتِ غضبیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اُس میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے سے تکلیفات کو دور کرے۔ اگرچہ ماں باپ یا دوسروں کی مدد سے ہو۔ اس کے بعد قوّتِ ادراک و تمیز ظاہر ہوتی ہے۔ نمو کرتی ہے یہانتک کہ وہ تعلیم و تعلّم کے قابل ہوتا ہے۔ اُسوقت قوّتِ صنّاعی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اب اگر اِس قوّت کو آدمی درجۂ کمال تک نہ پہنچائے تو انسان کمال حقیقی کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ تمام انسان صاحبِ نفسِ مقدسہ نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ ہاں استعداد ہر انسان کی مختلف ہوتی ہے۔ اب تہذیبِ اخلاق کے لئے ضروری ہے کہ اسی ترتیب کے موافق اُس میں کوشش کیجائے یعنے اوّل قوّتِ شہویہ کی تہذیب میں کوشش کرے۔ اور صفتِ عفّت کو حاصل کرے۔ جو قوّتِ شہویہ کے فضائل میں سے ہے۔ بعد قوّتِ غضبیہ کو درست کرے۔ اور ملکۂ شجاعت کو جو اِس قوّۃ کا کمال ہے حاصل کرے۔ پھر قوّۃ عاقلہ کی تکمیل میں اجتہاد کرے۔ فضیلتِ حکمت کو اختیار میں لے۔ اس ترتیب سے آدمی اگر اخلاقِ نیک کے حصول میں کوشش کریگا تو سہولت و آسانی سے مراد پر پہنچیگا۔ کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں قوّۃ شہویہ پر قابو پانا سہل ہے۔ اور اس سے قوّتِ عاقلہ کو بھی مدد ملجاتی ہے۔ اور قوّتِ غضبیہ کا سبب بھی کسیقدر کم ہوجاتا ہے۔ اور اِن دونوں قوّتوں پر قابو پانے کے بعد حکمت کا ملکہ حاصل کرنا جو اِن دونوں سے زیادہ مشکل ہے۔ آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔ جو شخص اس ترتیب کو ہاتھ سے کھوتا ہے تو اُسے اپنی تکمیل اور تہذیبِ اخلاق میں نہایت مشکل پیش آتی ہے پس طالبِ سعادت کو چاہئے کہ کسی حالت میں طلب سے ہاتھ نہ اٹھائے۔ رحمتِ خداوندِ متعال سے مایوس نہو۔ دامن ہمّت نہ چھوڑے۔ توفیق و تائید پروردگار کا امیدوار رہو۔

واضح ہو کہ جو کوئی صفات کمال نہیں رکھتا تو اُسے لازم ہے کہ اُسکے حاصل کرنے اور اُس کے اضداد کو دفع کرنے میں کوشش کرے۔ اگر کوئی صفاتِ کمالیہ رکھتا ہے تو اُن کے بقا و ثبات میں کوشش سے کام لے۔ مثلاً اگر کسیکو کوئی مرض ہو تو اُس کے دفع کرنے میں اور صحت کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہئیے۔ اگر صحیح و تندرست ہو تو حفاظت صحت و تندرستی کی رعایت ضرور ہے۔ اسی وجہ سے فنِ طب کو دو قسموں پر ایک حفاظتِ صحت دوسرے مرض کے دور کرنے پر تقسیم کیا گیا ہے چونکہ علمِ اخلاق بھی مانند علمِ طب کے ہے بلکہ طبِ حقیقی یہی ہے اس لئے علم اخلاق کی بھی دو قسم پر تقسیم ہوتی ہے ایک فضائل میں۔ اور دوسرا دفعِ رذائل میں اور بوجہ مشابہت اس علم کو طبِ روحانی کہتے ہیں۔ اور طبِ معروف کو طبِ جسمانی یہی وجہ تھی کہ جالینوس طبیب نے جو نامہ خدمتِ حضرت مسیح علیٰ نبینا و علیہ السلام میں بھیجا اُس میں لکھا تھا کہ (مِنْ طَبِیْبِ الْاَبْدَانِ اِلیٰ طَبِیْبِ النُّفُوْسِ) یعنی یہ نامہ طبیبِ بدن کی جانب سے طبیبِ ارواح کی طرف ہے۔

فصل (۲)

وہ امور جو تہذیبِ اخلاق کے طالب کو جنکی رعایت لازم ہے

واضح ہو کہ اوصافِ رذیلہ سے نفس پاک کرنیوالے کو اور صفاتِ جمیلہ سے آرائش کرنے والے کو چند امور لازم ہیں

پہلا یہ کہ بُری صحبت سے اجتناب کرے۔ بُروں سے دور رہنا واجب جانے اُن کے قصہ و حکایت سننے سے پرہیز کرے۔ نیکوں کی صحبت میں بیٹھے۔ اُن کی معاشرت اختیار کرے۔ دل کو بزرگانِ دین و مذہب کی راہِ نیک سے آشنا کرے ہمیشہ اُن کی کیفیت کو سُنا کرے۔ کیونکہ ہر کسیکی صحبت بڑی دخل رکھتی ہے

مثنوی مولانا روم

صحبتِ صالح ترا صالح کند ۔ صحبت طالح ترا طالح کند

انسان کی طبیعت چور ہے جو کچھ دوسرے کی طبیعت سے مکرّر دیکھتا ہے اخذ کرتا ہے
کیونکہ انسان کے نفس میں چند قوتیں ہیں کہ بعض خیر و فضائل پر مائل بعض شر و فساد
کے مقتضی ہیں ہمیشہ یہ قویٰ ایک دوسرے سے مخالفت کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے
ایک کو تھوڑی سی قوت حاصل ہوئی اور کچھ اعانت پہنچی تو وہ دوسرے پر اسیقدر
غلبہ حاصل کرتا ہے نفس کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ کسی صاحب
صفت کی صحبت رکھنا۔ اس کی حکایت کا سننا۔ اس کے افعال کا دیکھنا اس میں اثر کرتا ہے
جو لوگ ہمیشہ ایک جگہہ ایک صحبت رکھتے ہیں۔ ان کے اخلاق و اوصاف قریب قریب یکدیگر
کے ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی انسانی قویٰ اخلاقِ رذیلہ کے طالب ہوتے ہیں تو آدمی
بہت جلد شر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس کی خواہش صفاتِ بد کی طرف بہ نسبت صفات
نیک کے زیادہ آسان ہے اسیوجہ سے کہا گیا ہے کہ حصولِ صفاتِ نیک بمنزلہ اسکے ہے
کہ پستی سے بلندی پر جائیں۔ خواہش صفاتِ بد کی ایسی ہے کہ بلندی سے نیچے آئیں
جیسا کہ حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ (حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ
النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ) یعنے جنّت مکروہات سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ
شہوات و خواہشات سے ۱۲

دوسرا یہ کہ ہمیشہ ایک ہی عملِ نیک جاری رکھنے سے اُس صفتِ حسنہ
کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ نفس کو ایک ہی فعل کی عادت ہوتی ہے۔ اس کے طلب کرنیوالے
یا اُسکے بقا و حفاظت کے درپے ہونے والے کا مقتضی یہی ہے مثلاً کوئی شخص سخاوت
وجود کی محافظت کا ملکہ یا اُنکو حاصل کرنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ ہمیشہ اپنے مال کو

موافق طریقۂ عقل و شرع مستحقین کو بخشش کرے۔ جس وقت اپنی خواہش بخل کی طرف مائل دیکھے تو اپنے نفس پر عتاب کرے۔ جو شخص صفتِ شجاعت کی حفاظت یا شجاع ہونیکا عادی ہونا چاہتا ہے۔ تو چاہئے کہ ہمیشہ اُن امورِ ہولناک اور خطرناک میں جنکو عقل و شرع نے منع نکیا ہو قدم رکھے۔ جب اپنے میں آثارِ جبن پائے تو قہر و جنگ میں ڈالے۔ یہہ بمقابلۂ ریاضت بدن ہے۔ جو دفعِ مرضِ بدن یا حفاظت کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

تیسرا۔ یہہ کہ ہمیشہ اپنی حالت پر غور کرے۔ اپنے اعمال و افعال پر متوجہ رہے جو عمل کرنا چاہتا ہے اُسکے شروع کرنیکے قبل تامل اور فکر کرے کہ خلافِ مقتضائے خلقِ حسن اُس سے ظاہر نہو۔ اگر احیاناً اُس سے کوئی امر ظہور میں آیا جو موافقِ صفاتِ پسندیدہ نہیں ہے تو اپنے نفس کو تادیب کرے۔ اپنے کو سرزنش و ملامت کرے پھر اُن امور کو برداشت کرنیکی کوشش کرے جو اُس پر شاق گزرتے ہیں مثلاً بھوک کی برداشت نہیں کرسکتا تو اس کا علاج یہہ ہے کہ روزہ رکھنے کی عادت ڈالے۔ اسیطرح اگر اُس سے کوئی بیجا غضب سرزد ہو تو پھر دوسرا مقام جو اُس سے بھی زیادہ سخت ہے اختیار کرکے صبر سے کام لے اور اس طرح نفس کو تعذیر کرے۔ یا نفس کو ایسے مقامات اہانت میں قایم کرے جنھیں وہ مکروہ سمجھتا ہو۔ یا تصدق و نذورات سے اِس غضبِ بیجا کی تلافی کرے۔ غرض کسی حال میں ہرگز غافل نہو۔ حصولِ صفاتِ نیک یا حفاظتِ صفاتِ حسنہ میں برابر کوشش کرتا رہے اگرچہ مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ غفلت کے سبب سے سستی پیدا ہوتی ہے اور سستی کی وجہ سے فیوضِ عالمِ قدس قطع ہوتے ہیں۔ فیض کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ اور کوشش سے روز بروز نفس

میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور لحظہ بہ لحظہ کمالات میں ترقی ہوتی ہے جب اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو دیدۂ بصیرت سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ جا رہے اسرارِ ملک و ملکوت بلکہ خلوتِ جبروت کا محرم ہوتا ہے۔ ایسا شخص دنیا کے امور و تعلقات میں ضرورت سے زیادہ سعی نہیں کرتا۔ حدِّ لازم سے زیادہ ملتفت نہیں ہوتا۔ علائقِ دنیویہ سے الگ ہوتا ہے اور اپنے کو ہمیشہ کی خرابی میں گرفتار نہیں کرتا کسقدر بدبخت ہے وہ شخص جو ٹھیکریوں کے بدلے عالمِ قدس کے جواہر بے بہا کو اس ظلمت کدۂ دنیا میں برباد کر ڈالے۔

چوتھا۔ یہ کہ جن اسباب سے قوۂ شہویہ یا غضبیہ کی تحریک ہوتی ہے اُن سے پرہیز کرے۔ جن امور سے غفلت یا شہوت کی زیادتی ہوتی ہے اُنکو نہ دیکھے نہ سُنے۔ اور اُن کا تصوّر و خیال دل میں نہ لائے کیونکہ تصوّر و خیال سے آتشِ شوق و شعلۂ غضب تیز ہوتا ہے ہاں صرف دیکھنا اور سُننا بغیر رغبتِ دل کے زیادہ اثر نہیں کرتا۔ جو شخص کہ ان دو قوّتوں کی حفاظت نکرے مثل اسکے ہے کہ شیرِ درندہ یا دیوانے کتّے یا سرکش گھوڑے کو چھوڑ دے اُس کے بعد اپنے کو اُس سے بچانا چاہے

پانچواں۔ یہ کہ اپنے نفس کا فریب نہ کھائے۔ اپنے اعمال و افعال کو صحیح نہ سمجھے۔ اپنے عیبوں کے دریافت کرنے میں جدّ و جہد کرے۔ اور جب انمیں سے کوئی عیب معلوم ہو تو اُسکے زائل کرنے میں کوشاں ہو۔ ہر وقت اپنے صفات و احوال کا نگراں ہو کیونکہ بغیر تامّل و غور کے اپنے عیوب معلوم نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اکثر آدمی اپنے عیوب سے غافل ہیں۔ پس طالبِ سعادت و سالکِ راہِ نجات کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں کو اپنے عیوب کے ڈھونڈنے کے واسطے مقرر کرے۔ اور اُن پر لازم ہے کہ عیوب سے مطلع کریں

بہتر یہہ ہے کہ کسی دوستِ مہربان سے عہد کرے کہ اُسکے احوال کا دیکھنے والا ہو اور اُسکے عیبوں سے خبردار کرے۔ جب اُس کو عیب سے ہشیار کرے۔ تو وہ خوش اور احسانمند ہو۔ اور اُس عیب کو دفع کرنیکی کوشش کرے۔ اور اُس دوست کو یقین دلادے کہ میری نظر میں بہترین ہدیہ یہی ہے کہ میرے عیب سے خبردار کرتے رہو۔ اگر ایسا دوست ملجائے تو خوش قسمتی ہے۔ ورنہ اکثر دوست خوشامدی اور صاحب اغراض باطلہ ہی ملتے ہیں۔ نیز بہت سے عیوب ہیں جو دیکھنے والوں کی نظر میں ہنر نظر آتے ہیں۔ اور بعض ہنر اُن کے نزدیک عیب میں داخل ہیں۔ اس بارہ میں دوست سے زیادہ دشمن نفع پہنچاتا ہے۔ عیب کا اظہار کرنے والا دوست کم ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسکی نظر دوستی کی نظر ہے۔ اُسے کبھی عیوب نظر نہیں آتے پس عقلمند وہ ہے کہ جب دشمن کوئی عیب ظاہر کرے تو اُسکی شکرگزاری کرے۔ اور اُسکے علاج کی طرف متوجہ ہو اور بہتر یہہ ہے کہ دوسروں کے افعال پر نظر کرے۔ اور جو فعل اُن کا بُرا معلوم ہو اُسے اپنے نفس سے دور کرنے میں سعی و کوشش کرتا رہے اور جو بات اچھی نظر آئے اُسکے حصول میں کوشاں ہو پھر راتدن اپنے افعال پر غور و فکر کرے۔ اگر کوئی بدی اُس سے ظاہر نہو تو خداوند عالم کا شکر بجالاوے۔ اگر مرتکب بُرے کام کا ہو تو اپنے نفس پر عتاب و ملامت کرے۔ توبہ و انابت سے کام لے۔

فصل (۲۳)

اخلاقِ رذیلہ کے معالجہ کا قاعدۂ کلیہ

علم اخلاق ایک طب روحانی ہے۔ اور امراض خواہ جسمانی ہوں یا روحانی اُن کے علاج کا قاعدۂ کلیہ یہہ ہے کہ ابتدا میں مرض تشخیص کیا جاتا ہے۔ پھر مرض کے پیدا ہونیکا سبب تلاش کرتے ہیں۔ اور اُس مرضِ معین کے علاج کے درپے ہوتے ہیں اور معالجۂ کلیہ اُسکو کہتے ہیں جو کسی خاص مرض سے مخصوص

نہیں ہوتا بلکہ تمام امراض پر شامل ہوتا ہے۔ اور معالجہ جزئیہ وہ ہے جو کسی خاص مرض سے متعلق ہو لہٰذا حکیم ارواح اور معالج النفس کو لازم ہے کہ قانون کلی پر اسکی نظر قائم ہو اور تشخیص امراض نفسانیہ کے وقت اُسے ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اخلاق کا حدِ اعتدال سے منحرف ہوجانا ہی مرض کہلاتا ہے۔ اور یہہ بھی معلوم ہو کہ قوائے انسانیہ جن سے اخلاق وصفات متعلق ہیں تین قسم پر ہیں (۱) قوۂ تمیز وادراک (۲) قوۂ غضب کہ اُسکو قوۂ دفع بھی کہتے ہیں (۳) قوۂ شہویہ کہ اُسکو قوۂ جذب بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے مرض کی حالت یہہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا تو اپنی اصلی مقدار سے تجاوز کر جاے۔ یا یہہ کہ اصل کیفیت ہی جاتی رہے اور نابود ہوجاے۔ مقدار سے تجاوز کر جانیکی دو حالتیں ہیں (۱) یا تو حد سے بڑھ جائے (۲) یا نقطۂ اعتدال سے تفریط یعنے کمی کی طرف مائل ہو۔

اُن کی مثالیں امراض جسمانیہ میں موجود ہیں جیسا کہ آدمی کا مزاج حالتِ صحت میں غذا کی خواہش رکھتا ہے۔ مگر بعض وقت زیادتی میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ یہہ بھوک کی بیماری ہے۔ یعنے اعتدال سے زیادہ غذا کی خواہش کرے۔ بلکہ وہ جسقدر رکھلائے سیر نہو اور کبھی کمی کی طرف تجاوز کرتا ہے یعنے اُس کی بھوک بند ہوجاتی ہے طبیعت غذا کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ یہہ دو مثالیں مقدار کی ہیں۔ اب دوسری حالت دیکھو کہ اُسکی بھوک تو حدِ اعتدال پر ہے۔ لیکن طبیعت اُن چیزوں کی طرف میل رکھتی ہے جنکو صحیح مزاج والے پسند نہیں کرتے مثلاً کوئیلا مٹی۔ خاک۔ جلا ہوا گوشت وغیرہ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قوائے نفسانیۂ مذکورہ کے امراض تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) افراط یعنے زیادتی (۲) تفریط یعنے کمی (۳) اصل کیفیت کا ردی ہوجانا۔ اب قوۂ ادراک کی حدِ افراط ملاحظہ ہو (۱) حدِ اعتدال سے زائد فکر ونظر کرنا۔ ہر مسئلہ میں بسبب شبہاتِ واہیہ توقف کرنا

اُن اموریں فکر کرنا جس کے سمجھنے کی اُس میں طاقت نہیں۔ صرف وہم و تصور سے مجرّدات (یعنے ارواح و ملائک) پر حکم لگانا۔ (۲) کمیِ کیفیتِ ادراک یعنے مثلاً امورِ دنیوی میں اور امورِ ضروری کے سمجھنے میں کم عقل و نادان رہنا۔ احکام کا مجرّدات پر جاری کرنا (۳) خرابیِ کیفیت ادراک یعنے اُن علوم کو جن سے نفس کو کوئی کمال حاصل نہیں ہوتا۔ اُن کا جاننا۔ مثلاً علمِ خبرِ غیب و فال و شعبدہ وغیرہ یا اسیطرح طریقہ لڑائی اور مناظرہ کا ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا۔ اب قوۃ غضبیہ کی زیادتی ملاحظہ ہو (۱) اسقدر غصہ کرنا کہ درندوں کی شباہت پیدا ہو جاے اور بدلا لینے میں حد سے تجاوز کرنا (۲) کمی قوۃ غضبیہ کی مثلاً ہرگز غیرت و حمیت نہو ہر شخص سے ذلت و حقارت کو برداشت کرے۔ اور اپنے کو اعمال و افعال میں لڑکوں اور عورتوں کا شبیہہ بنائے (۳) خرابی قوۃ غضبیہ کی۔ مثلاً جمادات اور حیوانات پر غصہ کرنا۔ یا اپنے برتن اور اشیاء کو توڑ ڈالنا یا اپنے کو مار لینا یا اپنے کپڑے پھاڑ لینا (۱) اسیطرح قوۃ شہویہ کی زیادتی مثلاً ضرورت سے زیادہ مباشرت کرنا باوجود گمانِ مرض جماع سے پرہیز نکرنا بغیر رغبت کے طعام کھانا (۲) کمی قوۃ شہویہ کی۔ مثلاً قوتِ ضروری کے حاصل کرنے میں کوتاہی کرنا اور اہل و عیال کو خراب چھوڑ دینا یا ازدواج کو ترک کر کے اپنی نسل کو منقطع کرنا۔

(۳) خرابی قوۃ شہویہ کی۔ مثلاً لڑکوں سے مقاربت کی خواہش رکھنا۔ روزیِ حرام و شبہہ ناک سے پرہیز نکرنا۔

واضح ہو کہ امراضِ نفسانیہ کے اسباب اور اُنکا حدِ اعتدال سے .... انحراف کرنا تین قسم پر ہے۔ یا نفسانی یا خارجی یا جسمانی۔ اسبابِ نفسانیہ وہ ہیں جو آدمی کو شروعِ پیدائش میں حاصل ہوتے ہیں مثلاً اُسکی قوۃ ادراک ضعیف ہو یا اُس میں

قوۃ شہوت کچھ بھی نہو۔ اور اسباب خارجیہ وہ ہیں کہ بسبب عارضۂ خارجیہ کے حاصل
ہوے پس مثلاً صحبت بدمیں بیٹھا ہو یا اُنکی حکایتیں سنی ہوں۔ اور اُنکی خواہش
و شوق کی پیروی و متابعت کر کے اعمالِ ناشایستہ کا مرتکب ہوا ہو۔ یہانتک کہ
اُس کا ملکہ حاصل ہو جاے۔ اور اسبابِ جسمانیہ وہ ہیں کہ بسبب ناخوشی و مرض جسم
کے صفتِ بد حاصل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض امراض کے سبب سے آدمی کج خلق ہو جاتا ہے
یا قوۃ شہویہ میں ضعف و فتور پیدا ہوتا ہے۔ پس معالجۂ امراض نفسانیہ کا طریقہ کلیہ
یہہ ہے کہ جب اُس کا سببِ مرض جسمانی ہو تو معالجۂ بدن میں کوشش کی جاے۔
اُس مرض کو بدن سے دفع کریں۔ اور جب سبب نفسی یا خارجی ہو تو طریقۂ معالجہ کلیہ
مثل امراضِ جسمانیہ کے علاج کرنا چاہئے۔ طریقۂ کلیۂ علاج امراضِ جسمانیہ کا یہہ ہے
کہ ابتداءً خلافِ طبع مرض غذاؤں سے علاج کرتے ہیں۔ یعنے امراض گرم میں غذاے
سرد دیجاتی ہے۔ اور مرض سردی سے ہو تو غذاے گرم استعمال کرتے ہیں۔
اب اگر مرض خفیف ہوا تو اُس سے دفع ہو جاتا ہے اور اگر مرض سخت ہوا تو غذا سے
دفع نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں دوا و شربت ناگوار پلاتے ہیں۔ اگر دوا بھی فائدہ نہ دے
تو زہر سے علاج کرتے ہیں۔ بعض مرض ایسا ہوتا ہے کہ زہر سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا
اُس کا علاج یہ ہے کہ داغ دیتے ہیں۔ جلاتے ہیں اور کبھی کسی عضو کو کاٹنا بھی پڑتا ہے
پس معالجۂ مرض نفسانیہ اور دفع صفاتِ رذیلہ میں بھی یہی قاعدۂ کلیہ مقرر ہے۔ یعنے جب
آدمی حدّ اعتدال سے انحراف کرے اور صفاتِ بد اُس میں پائی جائیں تو چاہئے کہ اُن
صفاتِ نیک کو بجا لاوے جو اُن صفاتِ بد کے مخالف ہیں۔ یہہ طریقہ بطور غذاے خلافِ
مرض ہے۔ یعنے جیسا کہ غذاے سرد سے حرارتِ مزاج دفع ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر صفت نیک

صفتِ بد کو زائل کرتی ہے جو اس کے مخالف ہے۔ اگر اس عمل نے فائدہ نہ دیا تو اپنے
نفس پر دل و زبان سے سرزنش و ملامت کرے۔ اُس صفت کی خرابی کا دل میں تصوّر
کرے۔ اپنے پر عتاب اور اس طرح خطاب کرے کہ اے نفسِ امّارہ تو نے مجھکو اور اپنے
کو ہلاک کیا۔ غضبِ پروردگار میں ڈالا اور بادشاہی لازوال سے اپنے کو محروم رکھا۔
ایک حقیر زوں میں جب وقت مرنے کا آئیگا تو مجھکو آگ میں جہنّم کی ڈالیں گے۔ انواع
و اقسام کے عذاب تجہیز ہونگے۔ یہہ سرزنش بجائے دوا و معجون و شربت کے ہے۔ جب یہہ بھی فائدہ
نہ کرے اور پھر اُس صفتِ رذیلہ کا مرتکب ہو جو ضد اُس رذیلہ کی ہے مثلاً اپنے میں صفت بخل کی
پائے اور کسیطرح اُس کا علاج نہو تو اپنے مال کو خواہ مخواہ اندازہ سے زیادہ صرف کرے۔ اور
مسرف بننے کی کوشش کرے۔ اگر صفتِ جُبن (بُزدلی) کو مشاہدہ کرے تو اپنے کو جا بجا
ہولناک میں ڈالے۔ مقامِ خوف و خطر سے پرہیز نکرے۔ اُس کے ساتھہ ہی جب صفت بخل و
جُبن نزدیک بہ زوال ہو تو فوراً اپنے آپ کو روک لے۔ تاکہ اسراف یا تہوّر کی صفت کہیں
پیدا نہو جائے۔ یہہ علاج بمنزلہ زہر ہے جو بیمار کو دیتے ہیں کبھی اُن اعمالِ نیک کا مرتکب
ہونا پڑتا ہے جنکو صاحبانِ اخلاق پسند نہیں کرتے لیکن جبکہ علاجِ بدن میں زہر مباح
ہوتا ہے تو یہہ عمل بھی معالجہ نفس میں جائز ہو جاتا ہے مثلاً دفعِ تکبّر کے لئے ایسے امور بجا لانا
جو اُسکی شان کے لائق نہو مثلاً پانی باولی سے کھینچنا اور طعام بازار سے خرید کر کے گھر میں لانا
یا اپنے کو نادان بنانا۔ اور رفعِ رذیلہ عجب و غرور کے لئے جہل پر اقرار کرنا وغیرہ۔ اگر اس
معالجہ سے بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا تو اُسوقت اپنے نفس کو تکلیفِ ناگوار و ریاضتِ
سخت و مشکل سے عذاب دے پس قوۃ شہویہ کے اصلاح کے لئے آب و غذا و آرام
و خواب ترک کرے الا یہ کہ جسقدر بقاے حیات کے لئے ضروری ہو اسیطرح غضبیہ میں

عمل کرے۔ یہ بطور تنقیط و اضح کرتے ہے۔
واضح ہو کہ جب صفات رذیلہ مستحکم ہو جائیں۔ اور انکا دفعیہ انھیں اعمال پر موقوف ہو تو
پھر ایسے شخص کو یہ اعمال بجالائے بغیر چارہ نہیں ہوتا ہے۔ اُسے بلا خوف لومتہ لائم ان
اعمال کو بجالانا چاہئے بشرطیکہ دائرۂ شریعت کے باہر نہو جو عمل کہ شرع میں صراحتاً
منع کیا گیا ہے اُس کا مرتکب نہو اور وہ کام نکرے جس کا فساد اُس صفت رذیلہ سے بھی
بڑھکر ہے۔ اسی لئے سالک راہ سعادت کے لئے ایک ایسے اُستاد حاذق کی ضرورت
ہے جو ہر مرض کے علاج سے واقف اور اُسکے انداز سے باخبر ہو اُن لوگوں پہ
افسوس ہے جنکا نفس جانوروں اور درندوں کے اوصاف اور شیاطین کی خصلتیں بھری
ہوئی ہیں۔ وہ رات دن مثل عورتوں کے بدن کی آراستگی میں اور مثل چارپایوں کے
کھانے اور پینے کی فکر میں ہیں مسلمان اُنکی ایذا و اذیت سے نالاں اور بندگانِ خدا اُن کے
ظلم سے پریشاں ہیں۔ نہ حرام جانتے ہیں نہ حلال نہ اُن کے باداش نتیجہ سے ڈرتے ہیں
اور ایسے لوگوں کو جو اپنے نفس کے معالجہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُن پر زبان ملامت
دراز کرتے ہیں۔ اُنھیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود بیوقوف ہیں۔
یہ معالجۂ کلیہ کا بیان تھا اب ہر مرض کا تفصیلی علاج باب آیندہ میں حوالۂ قلم کیا جاتا ہے

چوتھا باب

(اقسام اخلاق کی تفصیل۔ ہر ایک کے حصول کی کیفیت۔ رذائل فاسدہ کی شرح اور ہر ایک کا علاج مخصوص)

قبل اسکے معلوم ہو چکا کہ قوائے انسانیہ صفات و اخلاق میں جو داخل ہیں وہ چار ہیں۔
(۱) عاقلہ (۲) عاملہ (۳) غضبیہ (۴) شہویہ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قوت عاملہ اعمال
حسنہ بجالانے کے لئے تمام قوتوں پر حکمرانی کرے اور پھر قوت عاقلہ کی مطیع ہو جائے

تو اسکو عدالت کہتے ہیں پس تمام قوتیں جب کامل ہونگی تو عدالت حاصل ہوگی اور جسقدر اُنمیں نقص ہوگا اُسیقدر عدالت ناقص رہیگی۔ اِسی لئے عدالت ایک ایسی صفت ہے جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے۔ اور اسی واسطے اکتسابِ عدالت کے لئے مخصوص کیفیت نہیں اور نہ اس کی ضد (جور) کے لئے کوئی علاج مخصوص ہے لیکن اسی طرح بھی عدالت چونکہ ایک ایسی صفت ہے جو جامعِ جمیع کمال ہے۔ اِس لئے اُس کا ذکر علیحدہ مقام پر اور باقی امور کا بیان چار مقامات میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

پہلا مقام قوتِ عاملہ کے متعلقات جنھیں عدالت کہتے ہیں

فصل (۱)

شرافتِ عدالت جس کے عام معنی تمام امور میں میانہ روی کے ہیں

واضح ہو کہ عدالت جامعِ کمالات بلکہ عینِ کمالات ہے۔ اسیطرح اس کی ضد (جور) جامعِ رذائل بلکہ عینِ رذائل یہی ایک ایسی کیفیت ہے جس سے انسان تمام افعال و صفات کی درستی پر قادر ہوتا ہے۔ اور مخالفت و نزاعِ قوائے مختلفۂ انسانیہ کو دور کر کے وسط میں قائم رہتا ہے۔ اور اخلاقِ فاضلہ و صفاتِ کاملہ عدالت ہی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے افلاطونِ الٰہی نے کہا ہے کہ صفتِ عدالت کے سبب سے تمام اجزائے نفس روشن و نورانی ہوتے ہیں۔ ایک جزو دوسرے جزو سے اکتسابِ ضیا کرتا ہے دیدۂ نفس کھل جاتا ہے۔ افعالِ نیک کے بجالانے پر متوجہ ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم کے قرب کا لائق ہوتا ہے۔ عدالت کی صفت خاص یہہ ہے کہ اس کے سبب سے امورِ مختلفہ میں نزاع نہیں ہونے پاتا۔ تمام چیزیں افراط و تفریط سے الگ رہکر حدِ وسط پر قایم رہتی ہیں اور یہہ حدِ وسط ایک ہی ہے۔ گویا وحدت کا پرتو لئے ہوے ہے۔ برخلاف اس کے نقطہائے مخالف بکثرت اور بے انتہا ہیں۔ یہہ ایک بدیہی امر ہے کہ وحدت کا مرتبہ

کثرت سے بہت بلند ہے۔ مختلف آوازیں تناسب ہوکر جبتک ایک خاص اتحاد پیدا نکریں
کوئی نغمہ موزوں اور دلربا نہیں ہوسکتا۔ اعضائے مختلفہ میں تناسب کے ساتھ جبتک
جوہرِ اتحادی پیدا نہو اُسوقت تک دلکشا صورت کا ظہور نہیں ہوتا۔ پس یہہ وحدت
جسقدر مرتبۂ کمال میں ہوگی اُسیقدر شرافت کا پایہ بلند ہوگا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اشرفِ
موجودات واحدِ حقیقی ہے جس کا دامنِ جلال گردِ کثرت اور غبارِ ترکیب سے پاک ہے۔
اُسی نے موجودات کو نورِ وحدت بقدرِ قابلیت عطا فرمایا ہے۔ ہر صاحبِ وجود پر
اُسی وحدت کا پرتو ہے۔ عالمِ امکان کی ہر ذات اُسکی وحدانیت کا سایہ ہے۔ اور امورِ
مختلفہ میں ہر اتحاد اُسکی یکتائی کے باعث حاصل ہے۔

اے ہر دو جہاں محوِ خود آرائی تو ॥ کس را نبود ملک بہ زیبائی تو
یکتائی تو باعثِ جمعیتِ ما ॥ جمعیتِ ما شاہدِ یکتائی تو

ہمارے اعتدال پر پرتو حق تعالی کا نہوتا تو ہم وجود میں نہ آتے۔ اگر طریقۂ اتحاد عناصر اربعہ
میں نہوتا تو موالیدِ ثلاثہ (یعنے نباتات وجمادات وحیوانات) اُنسے پیدا نہوتے۔ اگر اعتدالِ
مزاجی آدمی کے جسم کو حاصل نہوتا تو روحِ ربانی ونفس پاک اُس کے ساتھ تعلق نرکھتا۔ اسی وجہ سے
جس کا مزاج اعتدال سے باہر ہو تو اُس کا نفس قطعِ تعلق کرتا ہے۔ اور نظرِ تحقیق دیکھتی ہے
کہ ہر ایک حسن اعتدال اور وحدت کے ہی ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور بلحاظِ اختلافِ
مقام اسکے نام مختلف ہوتے ہیں۔ عناصر میں اُسکو اعتدالِ مزاجی کہتے ہیں۔ اعضائے انسانیہ
میں حُسن وجمال۔ حرکات میں ناز وغمزہ۔ نگاہ میں عشوۂ روح افزا۔ آواز میں نغمۂ دلربا۔ گفتار میں
فصاحت۔ اور ملکاتِ نفسانیہ میں عدالت۔ غرض ہر جا اُس کا جلوہ اور ہر جگہ اُس کا
ایک علیحدہ نام جس مظہر میں ظاہر ہو مطلوب ہے۔ اور جس صورت میں جلوہ گر ہو محبوب

جس لباس میں اپنے کو آراستہ کرے نفس اُس کا عاشقِ زار ہے اور جس جگہ سے برآمد ہو روح اُس کی گرفتار۔ یہ وحدت اگرچہ بالعرض ہو (جیسی کہ ممکنات میں) لیکن پھر بھی یہ ایک ہوا ہے کہ دوست کے پیراہن کی بولاتی ہے۔ یہ ایک خاک ہے جس میں محبوب کے قدم کا نشان موجود ہے ؎ مجلس گفتم گر دم زاں بیاں ؛ ورنہ ہم اینہا بسوزد ہم زباں ؛ الغرض امورِ مختلفہ میں مساوات پیدا کرنا اور افراط و تفریط سے بچکر حدِ وسط اور میانہ روی پر باقی رہنا عدالت ہے۔ اس سے واجب ہوا کہ اخلاق و افعال و تقسیمِ اموال و عطا و بخشش و حکمرانی و سیاست میں عدالت کا لحاظ رکھا جاوے۔ اور عادل وہ ہے جو افراط یا تفریط کی طرف میل جائز نہ رکھے افراط و تفریط نکرے۔ بلکہ مساوات میں سعی کر کے ہر ایک کام کو حدِ وسط میں قرار دے۔ کوئی شک نہیں کہ تمام اموریں حدِ وسط اور افراط و تفریط کا جاننا لازم ہے۔ مگر نہایت مشکل۔ یہہ کام ہر کسی کا نہیں ہے بلکہ ایک ترازوے عدل کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے زیادتی و نقصان معلوم کیا جاوے پس ہر امر کے حدِ وسط کو جاننے کے لئے ترازوے عدل شریعتِ حقۂ الٰہیہ و طریقۂ سنّتِ نبویہ ہے۔ وہ ایک میزانِ عدل ہے جو تمام مراتبِ حکمتِ عملیہ کی متکفل ہے۔ لہذا عادلِ واقعی کو واجب ہے کہ حکیم ہو اور قواعد شریعتِ الٰہیہ کا عالم ہو۔

واضح ہو کہ علماے اخلاق نے عادل کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) عادلِ اکبر کہ وہ شریعتِ الٰہیہ ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے صادر فرمائی ہے جو بندوں کے درمیان مساوات کی محافظت کرتی ہے۔ (۲) عادلِ اوسط۔ وہ بادشاہِ عادل ہے جو شریعتِ مصطفوی کا تابع ہو وہ خلیفۂ مذہب و جانشینِ شریعت ہے (۳) عادلِ اصغر کہ وہ سونا اور چاندی ہے کہ معاملات میں مساوات کی حفاظت کرتی ہے۔ کتابِ الٰہی میں ان تینوں عادل کی طرف اشارہ

ہوا ہے اور فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ یعنے ہم نے اُن کے ساتھہ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ عدالت پر قایم ہو جائیں اور ہمنے لوہا نازل کیا جس میں سخت خوف ہے اور لوگوں کے لئے نفع بھی ہے۔ پس قرآن سے شریعت پروردگار مراد ہے میزان سے درہم و دینار کی طرف اشارہ ہے اور لوہے سے شمشیر سلطانِ عادل مراد ہے جو آدمیوں کو سیدھے راستہ پر رکھتی ہے تیغہ دشمنی سے تمام امور میں حفاظت کرتی ہے۔ عادل کی ضد جابر ہے۔ اسکی بھی تین قسمیں ہیں

(۱) جابرِ اعظم وہ ہے جو شریعت کے حکم سے باہر ہو۔ شرع کی متابعت نکرے اُسکو کافر کہتے ہیں

(۲) جابرِ اوسط وہ ہے کہ اطاعتِ احکامِ پادشاہِ عادل کا منحرف ہو اُسکو باغی و طاغی کہتے ہیں

(۳) جابرِ اصغر وہ ہے جو دینار و درہم کے معاملہ میں مساوات کی رعایت نکرے۔ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرے اور دوسروں کو اُس کے حق سے کم دے اُس کو دزد و خائن کہتے ہیں۔

فصل (۲)

اقسامِ عدالت وحقوقِ برادرانِ دینی

واضح ہو کہ عدالت تین قسم پر ہے پہلی عدالت وہ ہے جو خالق اور بندوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اُس کا بیان یہہ ہے کہ بقدرِ امکان عملِ مساوات کا نام عدالت ہے۔ اب دیکھو کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مخلوق کو حیات بخشی۔ اور وہ تمام کمالات عطا کئے جن کی ہر ایک جاندار کو ضرورت ہے اپنے خوانِ نعمت سے ہر ایک کی روزی مقرر کی ہے جو کچھہ نعمتیں ہر ایک ساعت میں پہنچ رہی ہیں اُنکی تعداد سے زبان عاجز ہے۔ ہر لحظہ جو کچھہ عطا ہو رہا ہے اُس کا حصر نہیں ہو سکتا۔ وہ درجاتِ اعلیٰ و سرور و بہجت و عیش و راحت جو عالمِ آخرت میں مہیا کئے گئے ہیں اپنے

کہ اُن کا مثل و نظیر نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں گزرا۔ پس البتہ ایک
حق خداوندِ عالم کا بندوں پر واجب و ثابت ہے اور ضرور ہے کہ انسان اس معاملے میں عدالت سے
کام لے کیونکہ اگر کسی سے کوئی فیض یا نعمت دوسرے کو حاصل ہو اور وہ اُس کے عوض میں کوئی عمل
بجا نہ لائے تو البتہ ظالم و جابر ٹھہریگا۔ یہہ عوض بھی مختلف ہوا کرتے ہیں چنانچہ احسانِ پادشاہی کا
عوض دعاے بقاے دولت و شکرِ نعمت و کمربستگیِ اطاعت و خدمت ہے لیکن درگاہِ
کبریائی حضرتِ آفریدگار کو ہماری اعانت و سعی کی احتیاج نہیں ہے۔ اُس کا عزِ صمدیہ
جلال ہمارے اعمال و افعال کی ضرورت سے پاک ہے۔ پس بندوں پر اُس کی معرفت
کی تحصیل اُس کے پیغمبروں کی اطاعت میں کوشش کرنا اور احکامِ شریعت و آدابِ دین
و مذہب کی فرماں برداری کرنا واجب ہے۔ ہرچند کہ یہہ توفیق بھی اُسی کی نعمت ہے
لیکن چونکہ بندہ کو گناہ سے باز رہنے اور اطاعت پر عمل پیرا ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔
اس لئے جب وہ اختیار کو مناسب موقع پر خرچ کرتا ہے تو جبرِ مطلق سے خارج ہو جاتا ہے
اگرچہ اصل قدرت و اختیار اُسی کا عطیہ ہے بلکہ وجود و حیات اُسی کا فیض ہے۔

دوسری وہ عدالت کہ انسانوں کو آپسمیں ایک دوسرے کے مقابل میں بجا لانا واجب ہے
مثلاً حقوق کا ادا کرنا۔ امانت کا واپس کرنا معاملات و تعظیم و احترامِ بزرگان۔
فریاد رسی و دستگیری کرنا۔ اس عدالت کا مقتضا یہہ ہے کہ آدمی اپنے حق پر راضی ہو
اور اپنے پر ایک حد تک ظلم روا نہ رکھے۔ جسقدر استطاعت و امکان ہو اپنے برادرِ دینی کے
حقوق بجا لائے۔ ہر ایک کو اپنا بھائی جانے۔ اور جو مرتبہ کہ اُسکے لائق ہے اُسے بلا تکلف و بدے
اور خدا کی طرف سے جو حق ہر ایک کو عطا ہوا ہے اُس کو ادا کرے۔ حدیثِ نبوی میں وارد ہے
کہ برادرانِ مومن کے حقوق جو ایک دوسرے پر ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں (۱) اگر کسی کے حق میں

کسی برادر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو یا کوئی تقصیر صادر ہو تو معاف کرے (۲) اگر غریب ہو تو اُسکی دلداری اور اُس کے ساتھ مہربانی کرے (۳) جب دوسرے کے عیب پر واقف ہو تو اسکو پوشیدہ کرے (۴) اگر کوئی لغزش ظاہر ہو تو اُس سے چشم پوشی کرے (۵) اگر کوئی عذر کرے تو اُس کا عذر قبول کرے (۶) اگر برادر مومن کی کوئی غیبت کرے تو اسکو منع کرے (۷) جو بات اُس کے حق میں بہتر سمجھے اُسے ظاہر کردے اور پند و نصیحت سے اغماض نکرے (۸) اُس کی دوستی قایم رکھے اور دوستی کے شرائط بجالائے (۹) اُسکے حقوق کو منظور کرے (۱۰) اگر مریض ہو تو اُسکی عیادت کرے (۱۱) اُس کے جنازہ میں حاضر ہو (۱۲) جس وقت وہ بلائے اُس کے یہاں جائے (۱۳) اگر ہدیہ بھیجے تو قبول کرے (۱۴) اگر وہ کوئی نیکی کرے تو نیکی سے اُس کا عوض کرے (۱۵) اگر اُس کے ذریعہ سے کوئی نعمت حاصل ہو تو اُس کا شکریہ بجالائے (۱۶) اُسکی مددگاری کرے (۱۷) اُس کے اہل و عیال کی حفاظت کرے (۱۸) اُس کی حاجت کو پورا کرے (۱۹) وہ جو سوال کرے اُسکو رد نکرے (۲۰) وہ عطسہ کرے تو تسمیہ کرے (۲۱) بھولے ہوئے کو راستہ بتلائے (۲۲) اُسکے سلام کا جواب دے (۲۳) اُس کے ساتھ گفتگوے نیک سے تکلم کرے (۲۴) جو نعمت اُس سے ملے اُسکو نیک سمجھے (۲۵) اُس کے بخششوں کی تصدیق کرے (۲۶) اُسکے ساتھ دوستی کرے اور اُس کے دشمنوں سے پرہیز کرے (۲۷) جب وہ مظلوم ہو تو اُسکی مددگاری کرے اور ظالم ہو تو ظلم سے باز رکھے (۲۸) جو چیز اپنے لئے پسند نکرتا ہو وہ دوسروں کیلئے پسند نکرے

تیسری وہ عدالت ہے جو زندوں اور مردوں کے درمیان ہوتی ہے مثلاً مرے ہوؤں کا قرض ادا کرے اور اُنکی وصیتوں کو بجالائے اور اُنکو نیکی و دعا سے یاد کرے۔

فصل (۳)

بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو عدالت میانہ روی

ہر شخص کو عدالت و میانہ روی سے متصف ہو جانا چاہئے۔

کی صفت سے آراستہ ہونا لازم ہے یہی کمال و سعادت ہے۔ اور دنیا و آخرت میں سوائے وسط پر قائم رہنے کے نجات حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا سعادت کے طلب میں کوشش کیجئے تا کہ آپ کو تمام کمالات حاصل ہوں۔ اور تمام امورِ مختلفہ میں وسط اور میانہ روی کو اپنا شعار قرار دیجئے اور پہلے علم و عمل میں متوسط رہنے کی کوشش کیجئے بقدر استطاعت و امکان ان ہر دو کو جمع کیجئے کسی ایک پر اکتفا نہ کیجئے جو شخص ایک پر اکتفا کرتا ہے وہ پیغمبروں کی پشت توڑنیوالا ہے جیسا کہ سابق کی حدیث میں گذرا۔ واضح ہو کہ علم بغیر عمل کے بے فائدہ اور خرابی کا سبب ہے جاہل کی ستر لغزشوں سے چشم پوشی کیجائیگی قبل اسکے کہ عالم کی ایک لغزش سے درگذر کیا جائے اسیطرح بے علم کا عمل بھی تکلیفِ بے فائدہ ہے کیونکہ عمل وہ ہے کہ علم و معرفت سے صادر ہو اور ظاہر و باطن میں عمل کے متوسط رہنا چاہئے نہ یہ کہ اپنے کو ظاہرا پاکیزہ بنائے عبادت وطاعت سے آراستہ کرے اور طرح طرح کی خباثت سے باطن بھرا ہوا ہو اُس بوڑھی عورت کے مانند نہ بنے جو باوجود بدصورتی و بدنمائی اپنے کو خواہ مخواہ لباسِ عروسانِ حور وش سے زینت دیتی ہے اور طرح طرح کے لباس سے آراستہ ہوتی ہے۔ اور نہ یہی رنگ ہو کہ باطن کو نیک کرنے میں کوشش کرے اور ایکدم ظاہر سے غافل ہو جائے ذرا بھی کثافاتِ ظاہریہ سے اپنے کو نہ بچائے اور اُس دُرِ شہوار کے مانند ہو جائے جو طرح طرح کی نجاستوں میں آلودہ ہو۔ بلکہ ظاہر باطن کا آئینہ ہونا چاہئے اور باطن تمام خباثت و کثافت سے پاک۔ غرض تمام صفاتِ باطنیہ و افعالِ ظاہریہ متوسط درجہ پر یعنے افراط و تفریط کے درمیان ہونی چاہئیں۔ علومِ باطنیۂ عقلیہ اور علومِ ظاہریہ شرعیہ میں حدِ وسط کا لحاظ رکھے۔ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو ظاہرِ آیات و اخبار پر اقتصار کرتے ہیں۔ ترجمہ احادیث

و آثار پر قایم رہتے ہیں۔ اور حقیقت قرآن و سنت سے بیخبر ہیں۔ وہ محض تقلید کے بندے ہیں۔ مذمت علما میں اُنکی زبان دراز ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ طعن و لعن میں ہم آواز۔ کبھی اُنکو الحاد و کفر سے نامزد کرتے ہیں کبھی اُنکو زندیق و تارک شریعت کہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اُنکے کلام پر غور کریں۔ اُن کے مطلب کو سمجھیں۔ اُن کے طرز سے آگاہ ہوں۔ اور اُن کے عقائد کی تفتیش کریں۔ ہاں اُن لوگوں میں سے بھی نہ بچائیے جو اپنی عمر علوم عقلیہ میں فضول صرف کر کے یونانیوں کو راضی رکھتے ہیں۔ اپنی عقل کوتاہ کو ہر چیز میں دلیل و رہبر جانتے ہیں جو کچھ اُنکی عقل ناقص میں نہ آئے اُسے پس پشت پھینکتے ہیں۔ تاویلات بیجا سے کام لیتے ہیں۔ آیات و اخبار کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں احکام شریعت نبویہ کو چھوڑتے ہیں۔ آیات و اخبار کی پیروی سے دور ہیں۔ علماے شریعت کی مذمت و بدگوئی کرتے ہیں۔ اُنکو بیفہمی و نادانی سے نسبت دیتے ہیں انبیا کے ورثا کو جاہل و نادان گنتے ہیں اور بایں نادانی اپنے کو عقلمند شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے غافل ہیں کہ عقل بغیر رہنمائی شرع کے کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتی پس اگر آپ جامع عقلیات و نقلیات ہونا چاہتے ہیں تو ہر دو کے وسطا و رمیانہ روی کو اختیار کیجئے۔ عقلیات میں صرف تعصب و تقلید سے کسی ایک طریقہ کی پیروی نہ کیجاے۔ نہ متکلم محض بننا چاہیئے کہ وہ بغیر بحث و جدال کے اور کسی چیز کو نہیں پہچانتا۔ نہ مشائی محض ہونا چاہیئے کہ دین اور شریعت اُس کے نزدیک بیکار ہے۔ نہ صوفی بننا زیبا ہے کشف و مشاہدہ کے دعوی بے ثبوت کی بنا پر تمام علوم سے ہاتھ اُٹھا لیا جاے۔ بلکہ چاہیئے کہ تمام مراتب کو جمع کر کے سب کی حدّ وسط کو اختیار کرے لہذا طالب علم پر لازم ہے کہ ابتدا میں صاحب شرع و دین کو اپنا رہبر بنائے۔ اور اپنی عقل کو اُسکے نقش قدم پر لگائے۔ استدلال کے عصا کو ہاتھ سے

نفس کو عبادت وطاعت ومجاہدہ وریاضت سے تصفیہ کر کے قابلِ قبولِ صورِ علمیہ بنائے اب یہہ استدلالِ واقعیہ جس طرف لیجائیں وہی طریقہ اختیار کرے۔ خواہ موافقِ طریقہ حکما و متکلمین کے ہو خواہ مطابقِ قاعدۂ مشائین یا اشراقین۔ خواہ اقوالِ عرفا کے موافق ہو خواہ متصوفین کے مطابق۔ اسیطرح علومِ شریعت میں محض تقلید کی بنا پر کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے نہ اُن اخباریین میں سے ہو جو قواعدِ اصولیۂ عقلیہ ونقلیہ واجماعِ قطعیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور نہ اُن اصولیین میں سے ہو کہ احکامِ شریعت کے اخذ کرنے میں قواعدِ اہلِ خلاف کو کام میں لاتے ہیں۔ اپنی رائے وگمان کو حجتِ قاطع سمجھتے ہیں۔ ترجیحِ احکام میں گمان پر اعتبار کرتے ہیں۔ قیاساتِ عامّہ سے متمسّک ہوتے ہیں۔ بلکہ تمام طریقوں کو جمع کرے۔ اور عقلِ صریح ونقلِ صحیح جسطرف کھینچے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ دنیا وآخرت کا کام پورا ہو اور سعادتِ ابدیہ حاصل ہو۔

فصل (۴)

جو شخص عادل ومیانہ رو نہو وہ دوسروں کی اصلاح کی قابلیت نہیں رکھتا۔

جاننا چاہئے کہ حقیقتِ عدالت اور اُس کا لازمہ یہی ہے کہ عقل جو خلیفۂ خدا ہے تمام قوتوں پر غالب ہو تاکہ ہر قوت کا فعل حالتِ اعتدال میں رہے۔ اور مملکتِ انسانی کا انتظام خراب نہو پس ہر انسان پر واجب ہے کہ کوشش اور مجاہدہ کرے کہ عقل جو خدا کی طرف سے حاکمِ عادل وخلیفہ ہے تمام قوتوں پر حاوی ہو۔ اُن کے اختلاف کو دور کرے۔ خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دے اور سب کو راہِ راست پر سیدھا رکھے جب کسی نے اپنی قویٰ وصفات کو درست نکیا اور اپنی مملکتِ بدن میں عدالت کو قائم نکیا تو دوسروں کی اصلاح کی اور دوسروں پر اجرای حکمِ عدالت کی نیز اپنی منزل کی درستی کی قابلیت نہیں رکھتا نہ وہ لایقِ سیاست وشہریاری ہے نہ سروریِ مملکت آرائی کا سزاوار ہے۔ جو شخص اپنے

نفس کی اصلاح سے عاجز ہو کیونکر دوسروں کی اصلاح کرسکتا ہے جو چراغ اپنے قریب کو روشن نکرے
اُسکی روشنی دور تک کیونکر جا سکتی ہے۔ اسی سبب سے عمدہ ترین اقسام عدالت و افضل ترین
انواعِ سیاست بادشاہ کی عدالت ہے۔ بلکہ ہر عدالت اُسی کی عدالت سے نسبت رکھتی ہے
خیر و نیکی اُسکی خیریت سے وابستہ ہے۔ اگر بادشاہ کی عدالت نہو تو کوئی شخص بھی احکام عدالت
کا اجرا نہیں کرسکتا اسلئے کہ تحصیل معارف و کسب علوم و تہذیب اخلاق و تدبیر خانہ داری
و تربیت عیال و فراغتی اولاد و اطمینانِ خاطر و انتظام احوال اسی پر موقوف ہے۔ بادشاہ کے
ظلم و جور سے رعیّت پریشان او رغمگین و نالاں رہتی ہے۔ ہر طرف فتنہ برپا ہوتا ہے۔
ہر جگہہ تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ دل مردہ و افسردہ ہوتے ہیں۔ ہر گوشہ سے موانع پیدا
ہوتے ہیں۔ طالب کمال و سعادت صحرا و بیابان میں حیران و سرگرداں اور صاحبانِ علوم
و دانش گمنام و پنہاں رہتے ہیں۔ تحصیلِ سعادت میں خاطر جمعی اور انتظام معاش جو انسان
کی زندگی کے لئے ضروری ہے بہم نہیں ہوسکتا۔ تمام مقاصدِ تحصیل کمالات و وصولِ مراتب
سعادات و کسب معارف و علوم و کلمہ دین کا اجرا احکام شریعت سید المرسلین کی ترویج
یہہ تمام امور بادشاہ کی عدالت سے وابستہ ہیں۔ اسی وجہ سے اخبار میں وارد ہے کہ ہر ایک
عبادت کے ثواب میں جو رعیّت سے صادر ہو بادشاہِ عادل شریک ہے۔ اور اسیطرح ہر ایک
گناہ میں جو رعایا سے سرزد ہو بادشاہِ ظالم حصہ دار ہے۔ سید انبیا سے مروی ہے کہ قیامت
میں خدا کے نزدیک مقرب ترین مردم بادشاہِ عادل ہے اور خدا کی رحمت سے بادشاہ
ظالم بہت دور ہے۔ پھر اُسی بزرگوار سے مروی ہے کہ (عَدْلُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ
مِنْ عِبَادَۃِ سَبْعِیْنَ سَنَۃٍ) یعنے "ستر سال کی عبادت سے ایک ساعت کی
عدالت بہتر ہے" اس کا مطلب یہہ ہے کہ ایک ساعت کی عدل کا اثر تمام مملکت پر ہوتا ہے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر میری دعا مستجاب ہوتی تو پادشاہ کے نیک ہونے کی دعا
کرتا تا کہ دعا کا نفع عام ہو اُس کا فائدہ تمام اشخاص کو ملے۔ یہہ بھی آیا ہے کہ پادشاہ
عادل کا بدن قبر میں خراب نہیں ہوتا۔ یہہ بیان عدالت کے عام معنی کا لحاظ کرتے ہوے
کیا گیا۔ لیکن عدالت بمعنی خاص جو ظلم کی ضد ہے اور سلاطین و حکّام کے ذکر میں
وہی عدالت ملحوظ ہوتی ہے۔ اُس کا بیان مقام چہارم میں ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

(دوسرا مقام۔ اُن اخلاقِ ذمیمہ کے معالجہ میں جو قوّۃ عاقلہ سے متعلّق ہیں)

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جتنے رذائل ہیں وہ افراط و تفریط سے تعلّق رکھتے ہیں اور اِن
دونوں پہلوؤں کے ماتحت بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن ہم اوّلاً انھیں دونوں پہلوؤں کو
مع اُن کی ضد (حد وسط) کے بیان کرینگے پھر اُن کے اقسام کا ذکر ہوگا۔ اس مقام پر
دو مطلب ہیں۔

پہلا مطلب

جربزہ و جہلِ بسیط کا معالجہ اور اُن کے ضد کی تحصیل

رذائل قوّۃ عاقلہ میں سے وہ جنس جس کا تعلّق حدّ افراط سے
ہے اُس کا پہلا نام جربزہ ہے۔ یعنے حدّ اعتدال سے زیادہ
فکر کرنا۔ یہہ صفتِ بد ذہن کو ایک حالت پر قائم رہنے
نہیں دیتی۔ بلکہ ذہن ہمیشہ شبہات میں گرفتار رہتا ہے۔ امورِ دقیقہ کے استخراج میں
غیر مطابقِ واقعہ عمل کرتا ہے۔ حد سے زیادہ متجاوز ہوتا ہے۔ حق پر برقرار نہیں رہتا
اور بسا اوقات مسائلِ عقلیّہ و علومِ الٰہیّہ میں دینِ حق سے برگشتہ ہو کر کفر و فسادِ عقیدہ
کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بلکہ سوفسطائیوں کی طرح تمام اشیاء کے انکار کی جرأت کرتا ہے
اور علومِ شرعیّہ اور مسائلِ عملیّہ میں وسواس کا نشانہ بنتا ہے۔ اس کا علاج یہہ ہے کہ اوّلاً
انسان معلوم کرے کہ یہ صفتِ بد انسان کو مراتبِ علم و عمل اور بعض معارف سے محروم رکھتی ہے

اور انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اس کے بعد اُن علما کے استدلالات کی طرف متوجہ ہو جو
استقامتِ سلیقہ اور رسائی ذہن میں مشہور و معروف تھے۔ اُنھیں کے دلائل کی پابندی
لازم کرلے۔ اور سمجھ لے کہ اِن عقلاے زمانہ کے خلاف شکوک پیدا کرنا اپنے ہی ذہن
کی کجی ہے۔ پس اپنے نفس کو جبراً اُن کے طریقہ پر رکھے یہانتک کہ قیام واطمینان کی عادت ہو
دوسرا جہل بسیط۔ یہ صفت قوّتِ عاقلہ کی تفریط (کمی) سے تعلق رکھتی ہے۔
جہلِ بسیط کے معنی یہ ہیں کہ نفس انسان علم سے خالی اور جہل سے متصف ہو۔ مگر شرط یہ ہے
کہ باوجود نادانی وجہالت علم کا مدعی نہو۔ ورنہ جہلِ مرکب ہو جائیگا۔ یعنے اپنی نادانی پر
مطلع ہو۔ شروع میں یہ صفت مذموم نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ کیونکہ آدمی جبتک اپنے جہل کو
معلوم نہ کرے تحصیلِ علم نہیں کرسکتا۔ لیکن اُس مقام پر باقی اور جہل پر قایم وثابت
رہنا رذائلِ عقلیہ سے ہے۔ جس کا رفع کرنا لازم اور باقی رکھنا ہلاکت ہے۔
اُس صفت کے زائل کرنے میں کوشش اور خرابیِ جہل پر بحکمِ عقل غور کرنا چاہیئے کہ فی الحقیقۃ جاہل
انسان انسان ہی نہیں۔ وہ صرف انسانوں سے مشابہتِ ظاہری رکھتا ہے کیونکہ انسان
جسم۔ غضب۔ شہوت۔ بصر سمع صورت میں حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ صرف علم
ودانش سے اُسے حیوانات پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اگر یہی چیز اُسکے پاس نہو تو اُسے سیدھے
قامت کا حیوان کہینگے اور بس۔ جہل ونادانی کی مذمت میں بکثرت احادیث وارد ہیں چنانچہ
بعض احادیث میں فرمایا ہے کہ جاہل ونادان جہنم میں داخل ہوگا۔ حضرت رسول صلعم سے مروی ہے
کہ چھ گروہ بسبب چھ چیز کے بیحساب داخلِ جہنم ہونگے۔ منجملہ اُن کے وہ لوگ جو جنگل میں بسے ہیں
اور اُن قریوں میں رہتے ہیں جہاں اہلِ علم نہیں ہیں۔ یہ بسبب جہل ونادانی کے دوزخ میں جائینگے

وصل (۱)
شرافتِ علم و علما

ہر دو جنس مذکور الصدر یعنی جربزہ و جہلِ بسیط کی ضد یعنی حدِّ اعتدالِ قوّتِ عاقلہ کا نام حکمت ہے۔ اور علمِ حقائقِ اشیا کو حکمت کہتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ صفتِ علم افضل اوصافِ کمال و اشرفِ نعمتِ جمالِ نفسِ انسانی ہے بلکہ صفاتِ ربوبیّت سے بالاتر ہے۔ علم کے ذریعہ سے انسان کو قربِ خداوندِ عالم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے ملائکۂ مقرّبین میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے انسان کی حیاتِ ابدی و سعادتِ سرمدی وابستہ ہے بغیر معرفت و علم کے محرمِ حرمِ اُنسِ پروردگارِ عالم نہیں ہو سکتا بساطِ قربِ حضرتِ آفریدگار پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ حکمتِ حقّہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ علم و تجرّد ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں نفس میں صفتِ علم جسقدر زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر تجرّد بھی بڑھتا ہے۔ مرتبۂ تجرّد بہت بلند مرتبہ ہے جو انسان کے لئے تصوّر کیا گیا ہے کیونکہ تجرّد کے ذریعہ سے انسان اہلِ عالمِ ملکوت و سکّانِ قدسِ جبروت سے موافقت کرتا ہے۔ منجملۂ علوم معرفتِ خداوندِ عالم ہے اور یہی معرفت سببِ ایجادِ عالمِ علوی و سفلی ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے (كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ اُعْرَفَ) ”میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس مخلوقات کو خلق کیا تا کہ مجھکو پہچانیں“ علاوہ اس کے خود علم فی نفسہ لذیذ و محبوب ہے جو لذّت اہلِ علم کو حاصل ہے ہرگز جاہل کو میسّر نہیں۔ مسائلِ علمیّہ میں سے کسی مسئلہ کے سمجھنے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز لذّتِ جسمانیہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ دنیا میں علم کے فائدے ظاہر ہیں۔ اہلِ علم اخیار و اشرار کے نزدیک قابلِ عزت و اعتبار ہیں۔ سلاطین کی گردنیں علما کے سامنے خم ہیں۔ حکیمِ مطلق جلّ شانہٗ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے خاص و عام کی طبیعت کو اہلِ علم کی تعظیم و اطاعت و فرماں برداری پر پیدا کیا ہے بلکہ تمام حیوانات اور درندے ان

انسانوں کے مطیع و مسخر ہیں۔ جو قوۂ ادراک و تمیز سے مخصوص کئے گئے ہیں۔ اگر بنظر تحقیق غور
کرے تو معلوم ہوگا جو شخص دوسرے پر بزرگی و زیادتی جاہ و منصب و مال و دولت میں تفوق
رکھتا ہے وہ زیادتی ادراک و تمیز کی ہی وجہ سے ہے۔ اگرچہ مکر و حیلہ و شیطنت سے ہو۔
علم کی شرافت و فضیلت میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔ بمناسب مقام اُن میں سے
اسیقدر مذکور ہوتے ہیں۔ پروردگار جل شانہٗ فرماتا ہے۔ (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ
عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ) یعنی تمام بندگان خدا میں سے علما ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔
پھر دوسری جگہ فرماتا ہے (ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ)
یعنے جو کوئی عالم ہے اور جو عالم نہیں ہے یہ دونوں مرتبہ میں مساوی نہیں ہو سکتے۔ پھر
فرماتا ہے (وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا
الْعَالِمُوْنَ) یعنے یہ مثالیں ہم تو کل آدمیوں کے لئے بیان کرتے ہیں اُنکو سوائے عالموں
اور کوئی نہیں سمجھتا۔ پھر ارشاد ہوا (وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا)
یعنے جسکو حکمت دیگئی اُسے بہت کچھ خیر و برکت عطا کی گئی۔ حضرت رسول اللہ صلعم
فرماتے ہیں کہ علما ورثۂ انبیا ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ خداوندا میرے خلفا پر
رحمت کر۔ بعض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے خلفا کون ہیں۔ فرمایا وہ لوگ ہیں
جو بعد میرے آئیں میری حدیث و آداب کو روایت کریں اور دوسروں کو پہنچائیں۔ نیز
حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا اباذر ایک ساعت اُس مجلس میں بیٹھنا جس میں
گفتگوئے علم ہوتی ہو۔ خدا کے نزدیک بیداری ہزار شب سے جس میں ہر رات ہزار رکعت نماز
پڑھی گئی ہو۔ نیز راہِ خدا میں ہزار وقت جہاد کرنے سے اور بارہ ہزار ختم قرآن سے اور اُس
عبادتِ یکسالہ سے کہ جس میں ہر روز روزہ رکھا گیا ہو اور ہر رات کو شب بیداری کیگئی ہو

بہتر و محبوب تر ہے ۔ جو کوئی کسی مسئلہ کے دریافت میں گھر سے باہر نکلے تو ہر قدم پر خداوند عالم ثواب پیغمبر اور ثواب ہزار شہید کا شہدائے جنگ میں سے لکھتا ہے ۔ جو ایک حرف عالم سے سُنے یا لکھے ایک شہر بہشت میں اُسکو عطا فرماتا ہے طالب علم کو خدا دوست رکھتا ہے اُسکو ملائکہ و پیغمبران دوست رکھتے ہیں ۔ علم اہل سعادت کا محبوب ہے ۔ طالبان علم کسقدر خوش نصیب ہیں ۔ عالم کے چہرہ پر نظر کرنا ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے ۔ جو کوئی عالم کو دوست رکھتا ہے بہشت اُس پر واجب ہے ۔ اُس کی زندگی خوشنودی خدا میں گذرتی ہے وہ دنیا سے نہیں جاتا جبتک کہ شراب کوثر کو نہ چکھے ۔ اُس کے بدن کو قبر میں کیڑے نہیں کھاتے ۔ وہ بہشت میں خضر کا رفیق ہوتا ہے ۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرمایا ۔ اگر مومن مرجاے اور اُس سے کوئی ورق جسمیں مسئلہ علمیہ لکھا ہو باقی رہے تو وہ ورق اُسکے اور آتش جہنم کے درمیان حجاب ہوگا ۔ ہر حرف کے عوض میں جو اُس پر لکھا ہو ۔ خداوند عالم ایک شہر عطا کریگا کہ وہ دنیا سے ساتھ حصّہ بڑا ہوگا ۔ حضرت سید الساجدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر تمام آدمی طلب علم کے فوائد سے واقف ہوتے تو ہر آینہ طلب علم کرتے اگرچہ اُن کے خون اور بدن ضائع ہوتے ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا ۔ اگر آدمی فضیلت معرفت خدا کو جانتا تو متاع و نعمت دنیا پر ہرگز نظر نکرتا ۔ تمام دنیا اس کے آگے حقیر ہوتی ۔ وہ معرفت الٰہی میں وہی لطف حاصل کرتا گویا کہ وہ اولیاء اللہ کے ساتھ بہشت میں جاگزین ہے ۔ حقیقتاً معرفت خدا ہر وحشت میں انیس ہے ۔ ہر تنہائی کی رفیق ہے ہر اندھیرے کا نور ہے ۔ ہر ضعیف کی قوّت اور ہر دوا کی شفا ہے ۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے ۔ وہ حضرت اپنے پدر بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا واجب ہے ۔ پس علم کو طلب کرو اُس جگہ سے جہاں شبہہ حاصل کرنیکا ہو حقیقتاً

عند اللہ علم کا حاصل کرنا نیک ہے۔ اُس کا طلب کرنا عبادت ہے۔ مذاکرۂ علمیہ تسبیح
پروردگار ہے۔ اُس پر عمل کرنا راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ جو کوئی نہ جانتا ہو اُسکو یاد دلانا
تصدیق ہے۔ علم کا اہلِ علم تک پہنچانا تقربِ خدا ہے۔ کیونکہ علم سے ہی مسائلِ حلال وحرام
پہچانے جاتے ہیں۔ اُس سے بہشت کا راستہ ظاہر و روشن ہوتا ہے۔ علم ہر حالت میں
رہنما ہے۔ ہر دشمن کے مقابلہ میں سلاح ہے۔ دوستوں کے نزدیک زینت ہے۔
بوجہ علم کے خدا مرتبۂ قوم کو بلند کرتا ہے۔ اُنکو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ تمام آدمی
اُنکی متابعت کریں۔ اُن کے افعال واعمال کی پیروی کریں۔ ملائکہ اُن کی دوستی و محبت
میں رغبت کرتے ہیں۔ اُن پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں۔ حقیقتاً علم سے دل زندہ ہوتا ہے۔
دیدۂ بصیرت روشن اور بدنِ ضعیف قوی ہوتا ہے۔ علم منزلِ اخیار و مجالس ابرار میں
درجات بلند پر پہنچاتا ہے۔ دنیا و آخرت میں ذکرِ علم کا ثواب روزہ کے برابر ہے۔ اور سبق
پڑھانا رات کی عبادت کے برابر ہے۔ علم سے اطاعت وعبادتِ پروردگار حاصل ہوتی ہے
انسان علم سے ہی صلۂ رحم بجا لا سکتا ہے علم سے ہی حلال وحرام پہچانے جاتے ہیں۔ علم پیشرو
وامام ہے۔ عمل۔ علم کا تابع ہے۔ خداوندِ عالم اہلِ سعادت کو علم کا الہام کرتا ہے اہلِ شقاوت
کو اس سے محروم رکھتا ہے۔ خوشا حال اُس کا جسکو خدا نے حظِ علم سے محروم نہیں کیا۔ واضح ہو
کہ اس مقام پر دو فائدے ہیں جنکا بیان کرنا ضرور ہے۔

پہلا فائدہ
تعلّم وتعلیم کے آداب وشرائط

جاننا چاہیے کہ تعلیم وتعلّم کے لئے کئی شرائط وآداب ہیں اور آدابِ تعلّم
میں چند چیزیں ضروری ہیں۔

پہلا یہ کہ طالب علم پیرویِ شہوتِ نفسانیہ وخواہشِ جسمانیہ وموافقتِ اہلِ دنیا و
مصاحبتِ صاحبانِ ہوا وہوس سے پرہیز کرے جیسا کہ چشمِ ظاہر جبوقت نابینا ہو روشنی

خورشید سے محروم رہتی ہے۔ ویسا ہی دیدۂ باطن جبکہ متابعتِ ہوس وہوا ومصاحبتِ
اہلِ دنیا میں مبتلا ہو انوارِ قدسیہ سے بےنصیب رہتا ہے۔
دوسرا یہہ کہ تعلّم کی غرض صرف یہہ ہو کہ انسان تقرّبِ خداوندی حاصل کرے۔ اور
مرتبۂ بہائم سے ترقی کرکے عالمِ انسانیت میں داخل ہوجاے۔ اُس کا مقصود خودنمائی
وجدال یا حصولِ منصب ومال وافتخار نہو۔ حضرتِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے
مروی ہے کہ طالبِ علموں کی تین قسمیں ہیں (۱) قسم کے لوگ دوسروں کو خفیف واستہزا
وجدال کے واسطے طلبِ علم کرتے ہیں۔ یہہ طریقۂ جہالت ہے۔ (۲) قسم یہہ ہے کہ فخر ومکر
کرنے کے لئے علم طلب کرتے ہیں۔ (۳) قسم وہ ہے کہ دین میں بصیرت حاصل کرنے اور
تکمیلِ عقل وتحصیلِ یقین کے واسطے علم کے طالب ہوتے ہیں۔ پہلی قسم والوں کی علامت
یہہ ہے کہ وہ اپنے برابر والوں سے جھگڑتے ہیں۔ اُن کی ایذا وغلبہ کے درپے ہوتے ہیں
سرِمجلس تعرّض کرتے ہیں تاکہ اپنی بزرگی ظاہر ہو۔ اور مجلسوں میں ذکرِ علم وصفتِ حلم اور
خضوع وخشوع کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی سر جھکائے ہوئے آہِ سرد کھینچی جارہی ہے۔ سر اور ہاتھ
سے عجیب عجیب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ چلتے وقت کمر جھکائی جاتی ہے۔ اُنکا دل پرہیزگاری
سے اور اُنکا باطن تقوے سے خالی ہے۔ خداوندِ عالم اُنکو ذلیل وخوار کرتا ہے۔ خاک پر
اُنکی ناک رگڑواتا ہے۔ اُنکو ضائع وہلاک کرتا ہے۔ دوسری قسم والوں کی علامت یہہ ہے
کہ وہ صاحبِ مکر وحیلہ ہوتے ہیں۔ اپنے برابر والوں سے تکبّر کرتے ہیں۔ توانگرانِ پست مرتبہ
سے تواضع وفروتنی کے ساتھہ پیش آتے ہیں۔ اُن کے لقمۂ تر کھا کھاکر اُن کے اور اپنے دین کو
ضائع کرتے ہیں۔ خدا اُن کے نام کو دفترِ علما سے مٹاتا ہے۔ تیسری قسم والوں کی علامت
یہہ ہے کہ وہ ہمیشہ محزون وغمگین رہتے ہیں۔ اور شب بیداری کو اپنا شعار بناکر جامۂ عبادت

بینکر اندھیری راتوں میں عنداللہ پروردگار کی پوشیدہ عبادت کرتے ہیں اپنی تقصیر سے
خائف وترساں اور ہمیشہ اپنے اعمال سے مضطرب ولرزاں رہتے ہیں۔ وہ خدا کو پکارتے ہیں
اور ڈرتے ہیں کہ اُنکی شنوائی ہوتی ہے یا نہیں۔ اور ہمیشہ اپنے نفس کی اصلاح میں متوجہ
رہتے ہیں۔ خداوند عالم اُن کے اعضا و جوارح کو عمل کے لئے مضبوط کرتا ہے۔ اُنکو امان و
آسایش روز قیامت عطا کرتا ہے۔

تیسرا یہ کہ جو کچھ سمجھا اور معلوم کیا اُس پر عمل کرے۔ جو شخص اپنے علم پر عمل نکرے تو وہ
جو کچھ جانتا ہے بھول جاتا ہے۔ اور جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اُس علم سے جسکو وہ نہیں
جانتا ہے خدا اُسکو کرامت فرماتا ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی
ہے کہ جس علم کے ساتھ عمل نہوا اُس سے سوائے کفر و دوریِ خدا و پیغمبر کے اور کچھ حاصل
نہیں ہوتا۔ حضرت پیغمبر نے فرمایا ہے کہ "جس عالم نے اپنے علم پر عمل نہ کیا ہو اُسکی بو سے
اہل دوزخ ایذا پاتے ہیں" نیز فرمایا ہے کہ "سب سے زیادہ حسرت و پشیمانی اُس شخص کی بڑی
ہوئی ہے جس نے دوسرے کو خدا کی طرف دعوت دی اُس نے اُس دعوت کو قبول کیا اور داخل
بہشت ہوگیا مگر خود اسی داعی نے اپنے علم پر عمل نکیا اور مستوجب دوزخ ہوا۔"

چوتھا یہ کہ اپنے اُستاد کے حقوق کو پہچانے۔ اُس کا ادب کرے۔ فروتنی و تواضع سے
پیش آئے۔ اُس کی کوئی بات رد نکرے۔ اُسکو دل سے دوست رکھے۔ اگر اُسکی بدی
مذکور ہو تو رد کرے۔ اگر رد نہیں کرسکتا تو وہاں سے اُٹھ جائے۔ اُس کے حقوق کو فراموش
نکرے۔ کیونکہ وہ اُس کا پدرِ معنوی و روحانی ہے۔ اُس کے حقوق اصل باپ سے زیادہ ہیں۔
ایسا ہی دوسرے علما کا ادب و احترام کرے۔ خصوصاً جن سے فائدہ اُٹھایا ہے یا اُن کا علم
جس ذریعہ سے پہنچا ہے وہ بھی پدرِ واسطہ ہیں۔ جب کوئی مطلب فوراً فہم ناقص میں نہ آئے

تو اُن پر زبان اعتراض وطعن نہ کھولے۔ اُن کو غلطی سے نسبت نہ دے۔ اگر بعد کوشش کے بھی اُس کا کوئی مطلب اُسکی نظر میں صحیح نہ معلوم ہو اور اعتراض کرنا چاہتا ہو تو طریقۂ نیک و نرمی سے دریافت کرے۔

پانچواں یہہ کہ اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ و اوصاف ذمیمہ سے پاک کرے کیونکہ جبتک کہ لوحِ نفس نقوشِ باطلہ سے پاک نہو نورِ علوم اُسپر نہیں چمکتا جبتک کہ آئینۂ دل صفاتِ رذیلہ کے زنگ سے صاف نہو صورتِ علم اُس میں ظاہر نہیں ہوتی۔ اسیطرح آدابِ تعلیم میں بھی چند امور ہیں۔

پہلا یہہ ہے کہ اُستاد تعلیم میں خوشنودیِ خدا کا قصد رکھتا ہو اُس کی غرض درس دینے میں حصولِ مرتبۂ بزرگی و شہرت و خودنمائی نہو۔ یا وظیفہ سلطان یا دوسروں کے مال کی طمع نرکھتا ہو بلکہ سواے نظرِ ثواب کے کوئی دوسری چیز اُس کو منظور نہو۔ کوئی شک نہیں کہ جو کوئی کسیکو تعلیم دے وہ ثواب میں اُس کے شریک ہوگا جسکو اُس نے تعلیم دی ہے ایسا ہی ہوجیہ ایک تعلیم کے ثواب بے انتہا حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا یہہ کہ شاگرد پر اُستاد مہربان ہو اُس کو نصیحت مثل دوستوں کے کرے سبق دینے میں بقدر اُسکی سمجھ کے اکتفا کرے۔ نرمی و کشادہ روئی سے بات کرے سختی سے پیش نہ آئے۔

تیسرا یہہ کہ جب کسیکو علم کے لائق جانے تو اُس سے مضائقہ نکرے۔ سبق دینے میں بدگمانی و بخل سے کام نہ لے اور جب کسی کو کسی مطلب کا قابل نجانے تو اُس سے وہ مطلب بیان نکرے

چوتھا یہہ کہ خلافِ واقعہ مطلب طالبِ علم سے بیان نہ کرے بلکہ جس مطلب کو نہیں جانتا یا خود کسی مسئلہ میں شبہہ رکھتا ہے تو ایسے مقام پر سکوت کرے اور ٹھہر جانے

یہاںتک کہ جواب صحیح حاصل ہو۔ یہہ جوابِ صحیح طالبِ علم کے سامنے بیان کرے تعلیم میں
یہی شرط اہم ہے کیونکہ اگر شاگرد کے ذہن میں خلاف واقعہ امور نقش کر دئیے جائیں تو پھر اسے
عادت پڑ جاتی ہے۔ اُسکی طبیعت کجی اختیار کرتی ہے۔ وہ ترقیاتِ علمیہ سے محروم رہ جاتا ہے
یہہ چند شرائطِ تعلیم و تعلّم بطورِ کلّیہ بیان ہوے۔ باقی دوسرے آداب جزی احادیث و
علمِ اخلاق میں تلاش کرنے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن افسوس اس زمانہ میں آدابِ تعلیم و تعلّم
دوسرے اوصاف کمالیہ کے مانند نابود ہیں۔ استاد و شاگرد دونوں شرائط سے واقف
نہیں ہیں۔ اسی نا اہلی سے زمانہ خراب ہو رہا ہے۔ ہدایت کی کساد بازاری ہے۔
نہ اُستاد کی نیّت خالص ہے نہ شاگرد کی یہی وجہ ہے کہ ہزار میں سے ایک کو بھی
مرتبہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ عمر کا زیادہ حصّہ درس و تدریس میں بسر ہوتا ہے
اُس پر بھی جہالت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتا۔

دوسرا فائدہ
علوم کے اقسام جو ممدوح و مذموم
ہیں اور جن کا بقدرِ عقاید و
ضرورت حاصل کرنا لازم ہے

واضح ہو کہ تمام علوم سے اگرچہ روح کو کمال اور نفس کو جمال حاصل
ہوتا ہے لیکن بلحاظِ شرافت و وجوبِ تحصیل اُن میں فرقِ
مراتب موجود ہے کیونکہ علوم دو طرح کے ہیں۔

پہلا۔ علمِ دنیا یعنے وہ علوم جن میں دنیا کا فائدہ ہے
مثلاً علمِ طب و ہندسہ و نجوم و عروض و موسیقی و ہیئت و حساب۔ ان علوم سے
کوئی خوشی و سعادتِ عقبیٰ حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کا حاصل کرنا واجب
نہیں ہے۔ ہاں بعض مسائل کی تحصیل میں بعض علوم واجبِ کفائی ہیں۔

دوسرا۔ علمِ آخرت کہ اُس کا نتیجۂ اصلی حصولِ سعادتِ اُخرویہ ہے۔ یہہ
تین علم ہیں جنکو علمِ دین کہتے ہیں (۱) علمِ الٰہی جس سے اصولِ دین یعنے معرفتِ مبدء و معاد

کا اتفاق ہے یہہ تمام علوم سے اشرف و افضل ہے (۲) علمِ اخلاق جس سے تحصیلِ راہ سعادت ہوتی ہے۔ اور مہلکاتِ نفسیہ پہچانے جاتے ہیں۔ علمِ الٰہی کے بعد اس علم سے کوئی علم افضل و اشرف نہیں ہے (۳) علمِ فقہ جس سے عبادت و معاملہ و حلال و حرام و آداب و کیفیتِ احکام سمجھہ میں آتی ہے۔ ان تینوں علموں کا حاصل کرنا واجب و لازم ہے۔ ایسا ہی وہ علوم جن سے تحصیلِ علومِ مذکورہ کی استعداد ہوتی ہے مثلاً علمِ لغتِ عرب و تفسیر وغیرہ۔ لیکن ان علوم (لغت وغیرہ) کا وجوب من باب المقدمہ ہے اب رہا علمِ الٰہی یعنے علمِ اصولِ عقائد اس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے۔ اور عذرِ جہالت اس مقام پر مسموع نہیں۔ لیکن اس سے یہہ مطلب نہیں ہے کہ اس علم کے تمام مسائلِ حکمیہ کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہے۔ بلکہ اُسکی مقدارِ واجب جس پر کرامتِ مرحومہ کا اجماع ہے یہ ہے کہ انسان اس امر کا یقین کر لے کہ عالم کا پیدا کرنیوالا موجود واجب الوجود ہے۔ الوہیت میں اُس کا کوئی شریک نہیں وہ اجزا و ترکیب و جسمیت و عوارض سے پاک ہے۔ اُس کا وجود عینِ ذات اور اُسکی ذات عینِ صفات ہے زمان و زمانیات مکان و مکانیات پر مقدّم اور اُن سے بالاتر ہے۔ نہ کسی زمانہ نے اُس پر احاطہ کیا ہے نہ کوئی مکان اُس کے لئے ہے۔ دستِ تصرّف زمان و زمانیات اُس کے دامنِ کبریائی سے کوتاہ ہے۔ وہ زندہ و قدیم و ازلی ہے۔ اُس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔ ہر چیز پر وہ قادر اور ہر امر پر توانا ہے۔ جو کچھہ کرتا ہے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جو کام چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر کام اُس کے ارادے و مشیّت سے عدم سے وجود میں آتا ہے۔ قبل اس کے کہ ایجاد کرے تمام اشیاء پر اُس کے علم نے احاطہ کیا ہے۔ اُس کا

حکم عادل اور اُس کا وعدہ سچا ہے۔ اُس کا مثل و مانند کوئی نہیں ہے۔ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ قرآن اُس کا کلام ہے۔ جو کچھ پیغمبر لائے ہیں مثلاً تعینِ ائمہ معصومین و احکام شریعت و دین و کیفیت نشائی آخرت مثلاً بہشت و دوزخ و ثواب و عقاب و حساب و صراط و میزان و نامۂ اعمال و شفاعت تمام حق و ثابت ہیں۔ حصولِ نجات و سعادت کے لئے اسیقدر جاننا کافی ہے اب رہی اُس کے صفات کی کیفیت کہ قدیم ہے یا حادث یا دیگر کیفیاتِ آخرت اُن سے بحث کرنا لازم نہیں بلکہ بعض حدیث میں اُن کی بحث سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسیقدر اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ واجب تعالیٰ شانہٗ تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف اور تمام صفاتِ نقائص سے پاک ہے گو اُس کی وجہ کو نہ سمجھیں۔ اُس کی حقیقت کو نہ جانیں نیز اعتقاد رکھے کہ جو پیغمبر نے فرمایا ہے سچ اور مطابقِ واقعہ ہے گو اُس ارشاد کی تفصیل و حقیقت سمجھ میں نہ آتی ہو۔ ہر مکلف پر واجب ہے کہ وہ امورِ مذکور القدر پر اعتقاد مضبوط اور اطمینانِ کامل رکھتا ہو۔ صرف زبانی تصدیق بغیر اطمینانِ قلب کے آخرت میں نجات اور وصولِ مراتبِ سعادتِ حقیقہ کے لئے کفایت نہیں کرتی۔ ہاں حفاظت قتل و مال و حکمِ طہارت میں اور انکے مثل احکامِ دنیویہ میں کافی ہے۔ اور نجاتِ اخروی اطمینانِ قلب پر منحصر ہے۔ اگرچہ اُس کا اعتقاد و اطمینان دلائل حکمیہ و براہین کلامیہ سے نہو۔ کیونکہ اعتقاداتِ مذکورہ کی تصدیق سے زیادہ تکلیف شرعاً ثابت نہیں۔ پس اگر کسی شخص کو صرف اس بات سے اطمینان حاصل ہو جائے کہ تمام انبیاء و حکما و علما امر خلافِ واقعہ پر جمع نہیں ہو سکتے تو اُسکے لئے کافی ہے۔ اسیطرح یہ اطمینان بعض شخصوں کو ایسے امور کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس پر وارد ہوتے ہیں مثلاً قبولیت دعا و نجات از خطرات وغیرہ

اور بعض اشخاص ایسے بھی ہیں کہ اُنکو امورِ مذکورۂ بالا میں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اُس کے دلائل سے آگاہ نہیں۔ یہ اُنکی فطرت ہے جو خدا نے عطا کی ہے۔ اور وہ اُسپر قائم ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ انسان کو جہالت کی طرفداری اور باپ ماں کی پیروی فطرت سے علیحدہ نہیں کرتی۔ اُسکی فطرت وجود صانع پر حاکم ہے۔ اگرچہ اُس کو کوئی دلیل منظور نہو۔ کیونکہ ہر مخلوق کے لئے خالق کی اور ہر حادث کے لئے موجد کی احتیاج ایک فطری امر ہے۔ ہر شخص اُس سے واقف ہے۔ اگرچہ وہ ابھی صاحب تمیز و ادراک نہو۔ مثلاً اگر سیب طفلِ خردسال کے پاس رکھا ہوا اور اُسکو کوئی اُٹھالے تو وہ سوال کرتا ہے کہ سیب کس نے اُٹھایا۔ گویا اُسکی فطرت نے حکم لگا دیا کہ سیب خود بخود غائب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے لئے ایک اُٹھانے والے کی ضرورت ہے۔ انسان تو انسان حیوانات کی جبلت اسی مطلب پر حاکم ہے۔ مثلاً اگر مکان میں جہاں حیوان ہو کوئی آواز کرے۔ یا کوئی پتھر پھینکے تو وہ حیوان التفات کرتا ہے۔ ہر طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ آواز کرنے والے اور پتھر پھینکنے والے کو دیکھے کیونکہ اُسکی جبلت حکم کرتی ہے کہ ہر آواز کیلئے ایک آواز کرنیوالا اور پتھر کے لئے ایک پتھر پھینکنے والا ضروری ہے۔ پس صانع کے اثبات میں ہر شخص کی فطرت کفایت کرتی ہے۔ اور جسوقت انسان ہر فطرت کے ساتھ بعض مقدمات عقلیۂ بدیہیہ کو ملا کر گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اور طاعات و عبادات کی حتی الامکان تحصیل کرتا ہے تو لشکرِ شیاطین کا ہجوم قلب پر سے ہٹ جاتا ہے تو تمام امورِ شرعیہ میں اُسکے اطمینان کی حالت میسر آجاتی ہے۔ طاعت و عبادات کے قبل اگر اُسکو صرف مظنہ حاصل تھا تو یہ مظنہ اب یقین سے بدل جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اُس یقین کے متعلق طریقہ استدلال سے واقف نہو یہی وجہ تھی کہ حضرت رسول اللہ صلعم صرف اظہارِ اسلام کو کافی سمجھتے تھے۔ اگرچہ جانتے تھے کہ

خوف وبیم یا طمع وامید سے اسلام قبول کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت کو علم تھا کہ گناہوں کے پرہیز سے طاعت کی عادت سے رفتہ رفتہ اُن کی فطرت جو ظلمتِ کفر سے سیاہ ہو چکی ہے حالتِ اصلی پر عود کریگی۔ اُنہیں نور طاعت کا تاثیر کریگا۔ انکو مرتبۂ تصدیقِ قلبی و اعتقادِ قطعی پر پہنچا ئیگا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر نفس پاک نہو اور عبادات اور طاعات کی عادت نہو تو صرف دلائل و براہان سے ہرگز اطمینانِ قلب وسکونِ نفس حاصل نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات یہہ دلائل و براہان زیادتیِ شبہہ و شک کا سبب ہوجاتے ہیں محققِ طوسی خواجہ نصیر الدین نے اپنے بعض فوائد میں بیان فرمایا ہے ”وکہ ہر مکلف پر اس قدر واجب ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تصدیق کرے“ جب تصدیقِ رسول کو ادا کیا تو اُس کے بعد صفاتِ خدا واحوالِ روزِ جزا و تعینِ ائمۂ ہدیٰ سے جو کچھ خبر دیگئی ہے اُن کی اسیطرح تصدیق کرے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اُس میں کچھہ زیادتی کرے۔ یا کسی دوسری دلیل کا محتاج ہو۔ خداوند عالم کے صفات میں اعتقاد رکھے کہ خدا حی۔ قادر۔ عالم۔ مرید۔ متکلم ہے۔ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے۔ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اسیطرح احوالِ آخرت مثلاً بہشت و دوزخ وصراط و میزان وحساب وشفاعت پر ایمان لائے حقیقتِ صفاتِ خدا پر بحث کرنا واجب نہیں۔ بلکہ اُس کا تصوّر بھی نکرے۔ اور دلمیں بھی نہ لائے اور اسی حال میں مرجائے تو با ایمان مرا ہے۔ اگر کسیوقت کوئی شبہ و شک اسکو عارض ہو تو ایسے کلام سے اُسے دفع کرے جو اُس کی فہم سے قریب ہو۔ اگرچہ کلامِ صاحبانِ جدل و مناظرہ و متکلمین کے نزدیک ناکافی ہو۔

واضح ہو کہ دلائلِ اجمالیہ یا برہانیہ یا شواہدِ عقلیہ و قرائنِ خارجیہ سے اگرچہ یقین کے بعض مراتب

حاصل ہوجاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص نورانیتِ یقین و معلوماتِ عقائد کا طالب ہو کر نورِ معارف ربانیہ و روشنیِ علومِ حقیقیہ سے اپنا دل روشن کرنا اور یقینِ کامل کے مرتبہ کو پہنچنا چاہتا ہے تو یہ مرتبہ ہرگز دلیل و برہان و جدال و کلام سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہر گاہ نفس کو ہوا و ہوس سے باز رکھے صفاتِ ذمیمہ سے بچائے۔ درگاہِ الٰہی میں تضرع و زاری کرے۔ اسی سے امداد کا طالب ہو تاکہ نورِ الٰہی دل میں روشن ہو۔ آنکھوں کے آگے سے حجاب اٹھا دیا جائے۔

(وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) وہ جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کرینگے ہم ضرور بالضرور انکو اپنا راستہ دکھلائینگے‘‘ (لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ التَّعَلُّمِ اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يَّشَاءُ) علم زیادہ سبق پڑھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نور ہے کہ خداوند عالم جسکے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے‘‘

واضح ہو کہ بعض مراتبِ یقین کا حاصل کرنا جیسا کہ گزرا دلیل و برہان سے ممکن ہے۔ اور وصولِ مرتبۂ انکشاف و ظہورِ تام مجاہدہ و ریاضت و تصفیۂ نفس پر موقوف ہے۔ لیکن یقین کے کچھ اور بھی مراتب ہیں جو مرتبۂ اوّل سے بالاتر ہیں۔ اُن سے بھی دل کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے اور اضطرابِ قلبی و تزلزل سے شبہات پیدا نہیں ہوتے۔ یہ مرتبہ بھی دلائلِ کلامیہ و عقلیہ سے میسر نہیں ہوتا۔ اگرچہ ریاضت و مجاہدۂ کثیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم یا دلائل سے عقائد معلوم کرنیکے بعد انسان طاعت و عبادت میں مشغول ہو گناہوں سے پرہیز کرے۔ ذکرِ حدیث و آیات کا عادی ہو۔ صاحبانِ مذہبِ فاسدہ و اربابِ ہوا و ہوس کی صحبت سے دور رہے۔ بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ کیفیتِ تصدیق

د ایمان میں آدمی مختلف ہیں بعض بحکم [illegible] شئی خورشید کی مانند ہیں
کہ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو اُن سے [illegible] کوئی [illegible] بعض ان سے کم درجہ پر ہیں
لیکن انکو اطمینان و سکون حاصل [illegible] اور کوئی اضطراب [illegible] انکے دل میں کوئی شبہ نہیں پیدا
ہوتا۔ بعض دوسرے اس گروہ سے [illegible] پست ہیں لیکن اگر اُن کے دل میں کوئی شبہ د
سبب اضطراب پیدا ہوتا ہے تو اسکو دلیل و برہان سے دفع کر دیتے ہیں۔ یا اُس پر کچھ
التفات نہیں کرتے۔ بعض صرف تصدیقِ ظنّی یا تقلیدی پر اکتفا کرتے ہیں اور ہر ایک
شبہ سے متزلزل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس اختلاف
کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایمان کے چند حالات و درجات و طبقات و منازل ہیں
بعض اُن میں کامل جو انتہائے کمال کو پہنچے ہیں۔ بعض ناقص ہیں کہ اُن کا نقصان واضح
ہے۔ بعض راجح ہیں کہ اُن کا رجحان ظاہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یقین کا حاصل کرنا
واجب ہے۔ صرف تصدیقِ ظنّی کہ مرتبہ آخر ہے کافی نہیں ہے۔ معلوم ہو کہ ابتدائے
تمیز و ادراک میں طفل کو عقائدِ مذکورہ کی تعلیم دینا ضرور ہے کہ انکو حفظ کرے اور صفحۂ
دل پر نقش کر لے۔ تھوڑا تھوڑا اُن کے معنی کی تعلیم دے۔ اور سمجھائے۔ نشو و نما کے سبب سے
اُس کے دل میں اثر پیدا ہو کر اعتقاد حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کوئی دلیل و برہان اُس کے
پاس نہو۔ یہ خداوند عالم کی مہربانی ہے کہ آدمی کے دل کو ابتدائے ترقی میں بغیر دلیل و
برہان کے ایمان کی منزل بنا دیتا ہے۔ لیکن یہ اعتقاد ابتدا میں ضعف و سستی سے خالی
نہیں۔ ممکن ہے کہ شبہات سے زائل ہو جائے۔ پس بچوں اور عوام کے دل میں اسطرح
اِن عقائد کو مضبوط کرنا چاہئے کہ پھر اُن میں کوئی خلل واقع نہو اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے
کہ جدل و مناظرہ سے اُسکو تعلیم دیجائے یا تعلیم و مطالعۂ کتبِ کلامیہ و حکمیہ میں مشغول کریں

بلکہ تاویلاتِ قرآن وتفسیر واحادیث کے پڑھنے اور اُس کے معانی کے سمجھنے میں توجہ دلائیں۔ عبادتِ پنجگانہ واطاعت کی عادت کرائیں۔ اُس کی وجہ سے روز بروز اُس کا اعتقاد زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ دلائلِ قرآنیہ وحجتہاے معصومیہ کو سنتا ہے تو اُس کے ذریعہ سے نیز عبادت سے اُس کے دل پر رفتہ رفتہ ایک نور چمکتا ہے۔ صاحبانِ مذہبِ فاسد وصاحب رایے باطلہ ومناظرہ وجدال وصاحبانِ شک وشبہ وہوا وہوس واہلِ دنیا کی صحبت سے پرہیز لازم ہے۔ صالحین وصاحبِ تقوی ویقین کی صحبت میں بٹھائیں۔ تاکہ طفل اُن کے طریقہ ورفتار کو دیکھے۔

واضح ہو کہ ابتدا میں عقاید کی تعلیم وبنا زمینِ سینہ میں مثل تخم بونے کے ہے اور باقی امور مثل پانی دینے اور پرورش کرنے کے ہیں تاکہ اُسے نشو ونما ہو اور قوت پکڑے اور ایسا درخت بنجائے جس کا میوہ قربِ پروردگارِ احد وسعادتِ ابد ہے۔ جدل وکلام وشبہاتِ باطلہ متکلمین کے سننے سے حفاظت کرنا چاہیئے کیونکہ مجادلہ ومناظرہ کا فساد اصلاح سے بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عوام الناس میں سے جو صاحبانِ تقوی وصلاح ہیں اُن کے اعتقاد پہاڑ کے مانند ہیں جنھیں ہرگز جنبش نہیں ہوتی۔ وہ اہلِ جدل کے شبہ وشک کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ نہ اُن کے سننے سے کوئی اضطراب انھیں لاحق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اُن کا اعتقاد جو اپنی عمر کو علمِ کلام وحکمت میں صرف کر کے راتدن مجادلہ ومباحثۂ کلامیہ میں بسر کرتے ہیں۔ اُس رسی کے مانند ہے جو ہوا میں لٹکی ہوئی ہو اور شب وروز متحرک ہے۔ وہ معمولی امور میں متامل اور مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کا اعتقاد قوی بھی ہے تو اُسی تعلیم کی وجہ سے ہے جو عالمِ طفولیت میں حاصل کر چکے ہیں جب اِن عقاید پر طفل کی نشو ونما ہو اور وہ جوان ہو کر دنیا میں منہمک اور تحصیلِ کمال سعادت سے

باز رہ جاے تو اُس نے اگرچہ کوئی ترقی حاصل نہیں کی لیکن اگر وہ اُن اعتقادات پر مرجاے تو مومن مرا ہے۔ اگر توفیقِ خداوندِ عالم شاملِ حال ہو۔ عبادت و تقوٰی میں مشغول رہے۔ نفس کی ہوا و ہوس سے حفاظت کرے۔ مجاہدہ و ریاضت کا متحمل ہو اور قلب کو کدورت سے پاک کرے تو اُس پر ہدایت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اُن عقاید کی حقیقت اُسکو معلوم ہوتی ہے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہہ فضلِ خدا ہے جسکو چاہے عطا فرمائے) واضح ہو کہ علمِ اخلاق جس سے کمالات و آفاتِ نفس معلوم ہوتے ہیں۔ اُسکی تحصیل بھی ہر شخص پر بقدرِ استعداد واجبِ عینی ہے۔ کیونکہ اُس کے ترک میں انسان کی ہلاکت ہے۔ اور اُس کی تہذیب میں نجاتِ آخرت۔ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا) بلکہ غرضِ کلی بعثتِ نبی کی اس علم کے سیکھنے پر مبنی ہے چنانچہ فرمایا ہے (اِنِّی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ) میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کو انجام تک پہنچاؤں ۔۔ پس ہر کسی پر لازم ہے کہ تھوڑا یا بہت وقت عیوب و کمالاتِ نفس کے پہچاننے اور اُن کے طریقۂ معالجہ میں صرف کرے۔ کتبِ اخلاق و حدیث کو دیکھے۔ یا اُسکے صاحبِ فن سے سُنے اور طریقۂ معالجہ جو کچھ اخبار و آثار و طریقۂ علماء سے معلوم ہوا ہو اُس کا پابند ہو۔ اُن طریقوں سے دور رہے جنھیں صاحبانِ بدعت و ہوا و ہوس نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح علمِ فقہ بھی ہر شخص کو عبادات و معاملات کے لئے بقدرِ حاجت و ضرورت حاصل کرنا واجبِ عینی ہے۔ اور اس سے زیادہ حاصل کرنا واجبِ کفائی ہے۔ تا دوسروں کی احتیاج رفع ہو سکے۔ یہہ علمِ فقہ یا تو ماخذ شرعیہ سے استنباط و اجتہاد کی بناپر حاصل ہوتا ہے۔ یا مجتہدِ حی کی تقلید سے۔ اور اگرچہ ان دونو طریقوں سے مسائل کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اُس پر عمل کرنے والا مطیع و ممتثل

شمار ہوتا ہے لیکن جو نورانیت و تاثیر طریقۂ اجتہاد میں ہے وہ تقلید میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی۔ علم مجتہد سے جو تکمیل حاصل ہوتی ہے وہ کسی طرح مقلّد کو حاصل نہیں ہوتی۔ اب جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے مسائل کو سمجھے تو اُسکو اوّلاً اپنی صحتِ نفس کا علم حاصل کرنا چاہیئے۔ شیطان کا فریب نہ کھائے۔ صرف چند مسائل کے معلوم ہونے پر اپنے کو مجتہد نہ سمجھے۔ اور جو کوئی تقلید سے معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُسے مجتہد کو سمجھنا چاہیئے اُسکی صفت و عدالت کو جو علمِ اصول میں ہے معلوم کرے ؎ اے بسا ابلیسِ آدم روی ہست ٭ پس بہر دستی نشاید داد دست ٭ جاننا چاہیئے کہ علمِ فقہ اور اُسکے مقدمات مثل لغت و صرف و نحو وغیرہ مقصود لذاتہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے غرض عبادت و بندگی ہے پس اُنمیں مشغول و منہمک ہوکر اصل مقصد کو فوت کرنا زیبا نہیں۔ بلکہ بقدرِ ضرورت اکتفا کرنا چاہیئے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مسائل صرف و نحو و معانی و بیان میں اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں۔ اور مسائلِ شرعیّہ سے بیخبر رہتے ہیں۔ حالانکہ کسی قوم کے طرزِ کلام۔ ترکیبِ الفاظ اور محسناتِ عبارات کو سمجھنے سے نہ دنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔ اسی طرح وہ لوگ ہیں کہ اپنی اوقات احتمالاتِ عبارت کے سمجھنے میں صرف کرتے ہیں۔ عمل و عبادت بلکہ استنباطِ مسائل سے باز رہتے ہیں۔ اور اُنھیں وجوہات و احتمالات کے متعلق صفحے کے صفحے سیاہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس عبارت کا صحتِ مسئلہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات قواعدِ فاسدہ علمائے عامّہ مثل قیاسی و استحسان کے متعلق عبارات کی توجیہات میں وقت برباد ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسئلہ کا ماخذ واضح ہے۔ دلیل اُسکی روشن ہے۔ ترجیح اُسکی ظاہر ہے لیکن ایک دلیلِ ضعیف یا کوئی حدیثِ عامی سامنے آگئی۔ بس اُس کے پیچھے ہو لئے۔ اور عمر کا ایک حصّہ

اُسی کی توجیہات میں برباد ہو گیا۔ یا ایسے مسائل کے استخراج میں عمر صرف کردی جنکی عدمِ احتیاج کا یقین یا ظن قوی ہے۔ پس طالبِ کمال و سعادت کو چاہئے کہ وہ اِن جُہلات سے دور رہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ بالکل اُس طرف متوجہ نہو کیونکہ حصولِ ملکۂ اجتہاد و فہم آیات و احادیث و کلماتِ علمائے ابرار جودتِ ذہن پر موقوف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُن امور میں بقدرِ ضرورت متوجہ ہو۔ اور بعدِ حصولِ ملکۂ اجتہاد و حصول مرتبۂ فہمِ ادلہ و استنباط اُن امور میں چنداں منہمک نہو اور فہمِ احکامِ واجبہ و ادائے عبادات سے باز نرہے۔ اسلئے کہ اگر صرف تشحیذِ ذہن اور تقویتِ قوّتِ نظری مقصود ہے تو اسکی تو کوئی حد نہیں۔ پھر کیا آدمی تمام عمر اُسی میں صرف کرتا رہیگا۔

دوسرا مطلب اُن تمام رذائل کا معالجہ جو قوّتِ عاقلہ کی دونوں جنسوں یعنی جہلِ مرکب وجہلِ بسیط سے متعلّق ہے۔ اور اُن میں پانچ صفتیں ہیں۔

پہلی صفت جہلِ مرکب اور اس کا معالجہ

تعریف جہلِ مرکب واضح ہو کہ جہلِ مرکب کی تعریف یہہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جانے یا خلافِ واقعہ جانے مگر اُس پر دعوی کرے کہ میں جانتا ہوں۔ یہہ بدترین رذائل سے ہے اس کا دور کرنا نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ طالب علموں کا حال دیکھا جاتا ہے۔ جسطرح طبیبِ بدن معالجۂ امراضِ مزمنہ سے عاجز ہے اسیطرح اطبائے روحانی اس مرض روحی کے دور کرنے سے عاجز ہیں۔ اسی لئے حضرتِ عیسٰی علی نبیّنا وعلیہ السّلام نے فرمایا کہ میں معالجۂ کورِ مادر زاد و برص سے عاجز نہیں ہوں مگر معالجہ سے احمق کے عاجز ہوں۔ اسکی وجہ یہہ ہے کہ آدمی اپنے کو جاہل و ناقص نہیں سمجھتا۔ اسلئے تحصیلِ علم کے درپے ہی نہیں ہوتا۔ اور ضلالت و گمراہی میں رہتا ہے۔ اس ہلاک کرنے والی صفت کی علامت اور اُسکی

شناخت یہہ ہے کہ آدمی اپنے مطالب اور استدلالات کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے جو مستقیم الذہن اور تعصب و تقلید سے بری ہوں۔ اگر یہہ لوگ اس مطلب کو صائب سمجھیں اور غلطی نہ بتلائیں تو یہ آدمی جہلِ مرکّب سے بری اور دور ہے۔ اور اگر وہ غلطی بتلائیں اور یہ خود اُس غلطی کا یقین نہ کرے تو جان لیجئے کہ مرض میں مبتلا ہے۔ ہاں یہ بھی معلوم رہے کہ صرف ایک آدہ استدلال سے یہ مرض شناخت نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ اس مرض کا سبب طبیعت اور ذہن کی کجی ہوا کرتی ہے۔ اور اس کا معالجہ بہترین یہ ہے کہ وہ علوم ریاضی ہندسہ و حساب پڑہے۔ کیونکہ اُن سے ذہن قائم ہوتا ہے یا اگر وہ استدلال میں خطا کرتا ہو تو اسوقت اُسے آمادہ کریں کہ استدلالِ اہلِ تحقیق علما و معروفین پر اپنے استدلال کو موازنہ کرے اور قواعدِ منطقیہ سے اپنے استدلال کو جانچے اور اگر محض تعصب و تقلید سے وہ مطلبِ حق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو اُس کا علاج یہ ہے کہ اُس سبب کا ازالہ کیا جاے جس کا ذکر ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

دوسری صفت۔ شک و حیرت اور اُسکا معالجہ

تعریفِ شک و حیرت واضح ہو کہ تحقیقِ حق و ردِ مطالبِ باطل میں عاجز رہنے کو شک و حیرت کہتے ہیں۔ اسکی علامت ظاہر ہے۔ اور غالباً منشاء اس کا تعارضِ ادلہ ہوا کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مطالبِ ایمان میں شک و حیرت کرنا نفس کی ہلاکت و فساد کا باعث ہے۔ بلکہ اخبار سے پایا جاتا ہے کہ دنیا سے بحالتِ شک سفر کرنا کفر ہے۔ اس کے زائل کرنیکی کوشش کرنا واجب ہے اس کا علاج یہہ ہے کہ اوّل غور کرے کہ ان دونو مطلبوں میں سے لامحالہ ایک صحیح ہے۔ ایک باطل۔ یہہ ناممکن ہے کہ دونو صحیح یا دونو باطل ہوں۔ اُسکے بعد دلائلِ مناسب کے ساتھہ سعی و اجتہاد میں مشغول ہو۔ حتّیٰ کہ ایک طرف کی حقیقت کا یقین حاصل ہو جاے۔ اور اگر

کسی دلیل کے سمجھنے یا اُن کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو تو طاعت و عبادت و قرأتِ قرآن کی ہمیشہ عادت کرے۔ تتبع حدیث اور اُسکی سماعت میں اوقات صرف کرے۔ صاحب تقویٰ و یقین کا ہمنشین ہو۔ درگاہِ باری میں گریہ و زاری کرے جسکی وجہ سے ظلمتِ شک برطرف ہو مرتبۂ یقین حاصل ہو۔ اگر شک اُن دو مطالب میں ہو جو ایمان سے متعلق نہیں ہیں تو اگرچہ یہ شک سببِ کفر اور اُس کا دور کرنا واجب نہیں لیکن ہر ایک چیز میں کمالِ نفس یقین کے متعلق ہے لہذا اُس کے زائل کرنے میں بھی حتی الامکان اگر کوئی مشکل درپیش نہ ہو کوشش کرنا بہتر ہے۔

فصل (۱)

تعریف یقین اور اُسکی شرافت و علامات و مدارج۔

ان دو صفات رذائل جہلِ مرکّب و حیرت کے مقابلہ میں یقین ہے اور اقلِ مراتبِ یقین وہ اعتقادِ جازم ہے جو مطابق واقع ہو اگر کوئی اعتقاد مطابق واقع نہ رکھتا ہو تو وہ یقین نہیں کہلاتا اگرچہ وہ خود اُس اعتقاد کو مطابقِ واقع سمجھے بلکہ جہلِ مرکّب کہلائیگا۔

معلوم ہوا کہ یقین حیرت و شک کی ضد ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس میں جزم و اعتقاد شرط ہے اور حیرت و شک میں یہی اعتقاد مفقود ہوتا ہے۔ اور اس جزم و اعتقاد کے ساتھ جب مطابق واقع کی شرط بڑھا دیجائے تو یقین جہلِ مرکّب کی ضد ہو جاتا ہے۔ اب اس یقین کی دو حالتیں ہیں۔ یعنے یا تو اُس کا تعلق اجزاءِ ایمانیہ سے ہوگا مانند وجودِ واجب و مباحثِ نبوت و امامت و معاد وغیرہ۔ یا اُس کا تعلق اُن امور سے ہوگا جن کو ایمان و عدمِ ایمان سے کوئی تعلق نہیں مثلاً حقائقِ امور۔ اِن دونو حالتوں میں علم و یقین نفسِ انسانی کا زیور ہے ہاں مباحثِ الٰہیہ اور مطالبِ دینیہ میں یقین رکھنا تکمیلِ نفوسِ انسانیہ اور تحصیلِ سعادتِ اخرویہ کے لئے نہایت ضروری اور واجب و لازم ہے۔ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں

اور جو شخص اِن امور میں یقین نہیں رکھتا اُسے ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ زمرۂ کفار میں داخل ہے۔ الغرض یقین اشرف فضائل اور افضل کمالات میں سے ہے۔ یہ کیمیائے سعادت ہے۔ معراجِ کرامت ہے۔ وہ ایک خلعت ہے کہ جس کے جسم پر آراستہ ہو وہ محرمِ خلوتِ اُنس ہوتا ہے۔ ایک تاج ہے کہ جس بندے کے سر پر رکھا گیا وہ حرمِ قدس میں قدم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے سیدِ رسل فرماتے ہیں "وہ کہ جس کے نصیب میں یقین و صبر عطا کیا گیا ہے اُسکو دن کے روزوں اور رات کی عبادت کے فوت ہونے کا غم نہیں" پھر فرمایا ہے (اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ) "یعنے یقین تمامی ایمان ہے" نیز اُنھیں حضرت سے مروی ہے کہ کوئی آدمی نہیں جس سے بے حد گناہ سرزد نہوں لیکن جسکی عقل کامل ہے اور یقین محکم و استوار۔ تو اُسے گناہوں کی کثرت نقصان نہیں پہنچاتی کیونکہ جسوقت وہ گناہ کرتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے۔ اور استغفار کرتا ہے۔ پس اُس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اُسکی فضیلت باقی رہتی ہے اور وہ داخلِ بہشت ہوتا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "وہ کہ تھوڑا سا عمل جس میں دوام یقین ہو وہ خدا کے نزدیک اُس عملِ کثیر سے بہتر ہے جس میں یقین نہو" واضح ہو کہ اکثر اوقات شیطان انسان کو فریب دیتا ہے اور اُسے باور کراتا ہے کہ وہ صاحبِ یقین ہے اور یہ مرتبہ عظیم اُسے حاصل ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ پس صاحبِ یقین کی چند علامتیں ہیں جس سے مرتبہ یقین کی شناخت ہوتی ہے

پہلی علامت یہ ہے کہ اپنے امور میں بغیر پروردگار کے کسی دوسرے کی طرف ملتفت نہو دوسرے سے مطلب و مقصد نہ رکھے بجز حول و قوۃ خداوندِ عالم کے ہر حول و قوۃ سے بیزار رہے۔ بجز قدرتِ آفریدگار کے صاحبِ یقین کی نظر میں ہر قدرت بے اعتبار و خوار ہے۔ وہ نہ کوئی کام اپنے سے دیکھتا ہے نہ اپنے یا دوسرے کو کسی امر کا منشا جانتا ہے۔ بلکہ اپنے تمام

اُمور اُسی ذاتِ مقدس سے مستند اور اپنا احوال اُسی کے وجودِ اقدس سے منسوب سمجھتا ہے
نیز وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اُسکے لئے مقدّر کیا گیا ہے اُسکو ضرور ملیگا۔ فقر۔ ثروت۔ مرض
صحت۔ عزّت۔ ذلّت۔ مدح۔ ذم۔ برتری۔ پستی۔ دولت۔ تہیدستی۔ اِن چیزوں میں
اُسکی نظر کوئی تفاوت نہیں دیکھتی۔ ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست ۔ وہ تمام ذرائع
سے آنکھ پوشیدہ کرکے اپنے تمام احوال کو اُسی سرچشمۂ فیض و حکیمِ مطلق کے سپرد کر دیتا ہے
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ کہ جس کا یقین سُست اور اعتقاد ضعیف
ہو وہی دوسرے اسباب اور وسیلوں سے متوسّل ہوتا ہے۔ رسوم و عادات کی پیروی
کرتا ہے۔ اس عاریت سرا میں آرایش و زر کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گو زبان سے
اقرار کرتا ہے کہ ہر عطا خدا کی ہی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے۔ وہی دینے والا ہے اور وہی
روکنے والا لیکن اُس کا فعل اُس کے قول کے خلاف ہے۔ زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل
سے انکار ۔" نیز انھیں حضرت سے مروی ہے کہ کوئی چیز نہیں جس کے لئے کوئی حد نہو۔
بعض نے عرض کیا کہ توکّل کی حد کیا ہے؟ فرمایا کہ "یقین" پھر عرض کیا گیا کہ حدّ یقین کیا ہے؟
تو ارشاد ہوا کہ "سوائے خدا کے کسی چیز سے نہ ڈرے"

دوسری علامت یہہ ہے کہ نہایت ذلّت و انکساری سے رات دن اُس کی
اطاعت میں مشغول رہے۔ ظاہر و پوشیدہ از روے شریعت اُسکی بندگی و اطاعت
کرے۔ اُس کے تمام نواہی سے پرہیز کرے۔ دل میں غیر کی یاد نہ آنے دے۔ دل کو
اُس کی محبت کا خزانہ بنائے۔ کیونکہ صاحبِ یقین اپنے کو حضرتِ حق کے سامنے ہمیشہ
حاضر اور اُسکو تمام افعال و اعمال پر مطّلع اور ناظر جانتا ہے۔ ہمیشہ عرقِ خجالت و
شرمندگی میں غرق رہتا ہے۔ سوائے اُسکے جس میں رضاے خدا ہو اور کوئی کام نہیں کرتا۔

اپنے تمام اعمال وافعال پر خداوند عالم کا آگاہ ہونا یقین کرتا ہے۔ اپنے کو ہمیشہ مقامِ طاعت
وفرماں برداری میں رکھتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ظاہریہ و باطنیہ عطا فرمائی
ہیں اُنکا یقین کرتا ہے۔ ہمیشہ اُس سے شرمسار اور شکرگزار رہتا ہے۔ جو نعمتیں آیندہ مرنے
کے بعد عطا فرمائیگا اُن پر یقین رکھکر ہمیشہ مقامِ طمع وامیدواری میں رہتا ہے اور یقین
کرتا ہے کہ ہر امر کا اختیار اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اُس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے
موافقِ عنایت ومطابق حکمت کے ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیوی میں حوادثِ زمانہ اُس کے حالات
کو متغیر نہیں کر سکتے۔ اور مرنے کے بعد جو رحمت وعذاب ہے اُسکے خیال سے ہمیشہ ملول
وغمگین رہیگا۔ دنیاے فانی ومتاعِ دنیوی اُس کی نظر میں خوار وبے اعتبار ہوگی۔ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرتِ خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو جس خزانہ کی خبر دی
وہ ایک تختی تھی اُسمیں لکھا ہوا تھا کہ میں تعجب کرتا ہوں اُس شخص سے جو موت کا یقین رکھتا ہے
اور فرحناک ہوتا ہے؟ میں تعجب کرتا ہوں اُس شخص سے جو قضا وقدرِ الٰہی پر یقین رکھتا ہے
اور پھر غمناک ہوتا ہے؟ میں تعجب کرتا ہوں اُس شخص سے جو بیوفائی دنیا کا یقین رکھتا ہے
اور پھر اُسکو محبوب بناتا ہے اور اُسکی طرف سے مطمئن ہوتا ہے؟" صاحبِ یقین عظمت و
قدرتِ خداوندی سے ہمیشہ دہشت واضطراب کنندہ وخائف ہوگا۔ اسی لئے سیدِ کائنات
علیہ افضل التحیات کا خشوع وخوف اسدرجہ تھا کہ جو کوئی حضرت کو رستہ چلتے دیکھتا تو
یہ گمان کرتا کہ منہہ کے بھل گرتے ہیں۔ صاحبانِ یقین اور انبیاے مرسلین واولیاے کاملین
کی حکایاتِ خوف وشوق اور جو تغیر وتزلزل واضطراب وپریشانی وخوشی حالتِ نماز میں
یا دوسری حالتوں میں اُن پر طاری ہوتی تھی کتبِ تواریخ میں درج ہیں۔ سیدِ اولیا کا وقت
مناجات بیہوش ہونا اور نماز کے وقت بیخود ہوجانا تمام اسلام پر ظاہر ہے۔ واقعی جو شخص

خداوندِ متعال اور اُسکی عظمت و جلال پر یقین رکھتا ہے۔ اُسکو اپنے احوال و اعمال
پوشیدہ سے اطلاع اور آگاہ جانتا ہے وہ کیونکر اُس کا گناہ کر سکتا ہے۔ اور کیونکر اُسکے
عبادت کے وقت اُسکے سامنے کھڑے رہنے میں دہشت و خوف و شرمندگی نہیں ہوتی
حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی ایسے صاحبِ دولت کے سامنے جو تھوڑی سی شوکت
دنیوی رکھتا ہو کھڑا رہے تو اسطرح کی دہشت ہوتی ہے کہ اپنے سے غافل ہو جاتا ہے
اور تمام حواس اُسکی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ وہ مستجاب الدّعوات بلکہ صاحبِ کرامات ہوگا
کیونکہ جس کا یقین جسقدر زیادہ ہو اُسیقدر اُس کا حصّہ تجرّد غالب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے
اُسے تمام کائنات میں قوّتِ تصرّف جو شانِ تجرّدات ہے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بندے کو یقین مرتبۂ بلند و مقامِ ارجمند
پر پہنچاتا ہے جیسا کہ رسولِ خدا نے شانِ یقین سے خبر دی ہے کہ جسوقت حضرت کی خدمت
میں ذکر کیا گیا کہ عیسیٰ بن مریم پانی پر چلتے تھے آپ نے فرمایا کہ اُن کا یقین اگر اس سے
زیادہ ہوتا تو ہوا پر بھی چل سکتے تھے اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جس کا یقین زیادہ ہو
اُسکی قدرت کرامات پر زیادہ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یقین جامعِ تمام فضائل اور حاوی
تمام خصائلِ نیک کا ہے معلوم ہو کہ اس کے تین درجہ ہیں۔

پہلا درجہ علم الیقین ہے۔ یہ پہلا درجہ یقین کا ہے۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ مطابق
واقعہ یقین حاصل ہو۔ یہ یقین ترتیبِ مقدمات و استدلال سے حاصل ہو جاتا ہے
مثلاً کسی جگہ پر دھواں دیکھکر آگ کے وجود کا یقین کریں۔

دوسرا درجہ عین الیقین ہے وہ یہ کہ چشمِ بصیرت و دیدۂ باطن سے مطلوب کا نظارہ

کیا جاے۔ یہ دیدۂ باطن چشم ظاہر سے بہت زیادہ روشن ہے۔ جو کچھ اس سے مشاہدہ کیا جاے تو پوری طرح دکھائی دیتا ہے۔ سید اولیا سے دعلب یمانی نے پوچھا کہ (هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ) کیا آپ نے اپنے پرور دگار کو دیکھا؟ فرمایا کہ (لَمْ أَعْبُدْ رَبًّا لَمْ أَرَهُ) یعنے میں اس خدا کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے نہیں دیکھا۔ اس ارشاد سے حضرت کی مراد رویت قلبی ہے۔ تصفیۂ نفس کی ریاضت سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہے یہانتک کہ پورا تجرد حاصل ہو اسکی مثال یہ ہے کہ انسان آگ کو دیکھکر آگ کے وجود کا یقین کرے۔

تیسرا درجہ حق الیقین ہے۔ اس سے مراد یہ لی گئی ہے کہ درمیانِ عاقل و معقول وحدت معنویہ اور ربطِ حقیقی حاصل ہو۔ اسطرح کہ عاقل اپنی ذات کو سحابِ فیضِ معقول کا ایک رشحہ سمجھتا ہو۔ ہر گھڑی اسکی روشنیِ انوار کو اپنے میں مشاہدہ کرے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ میں داخل ہوکر وجودِ آتش کا یقین کرے۔ اس درجہ کا حاصل ہونا مجاہدات۔ ریاضات سخت۔ ترکِ رسوم و عادت۔ قطعِ شہوت۔ اوہامِ نفسانیہ و افکارِ ردّیہ شیطانیہ کو دل سے۔ اور کثافتِ عالم کو اپنی طبیعت سے پاک کرنے۔ اور علائق و آزارِ دنیاے غدار کی دوری پر موقوف ہے۔ ؎ در رہِ منزلِ لیلی کہ خطرہاست بسی ٭ شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی ٭ بلکہ یقینِ حقیقیِ نورانی جو ظلمتِ وہم و آمیزش شک سے پاک ہو اگرچہ وہ مرتبۂ اوّل میں ہو۔ صرف فکر و استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ کدورتِ اخلاقِ ذمیمہ و ریاضت و مجاہدہ سے تصفیۂ نفس کرنا ضرور ہے۔ جبتک آئینۂ دل کو زنگ عالم و عادت و غبارِ طبیعت سے سیقل نہ کیا جاے حقائقِ اشیا کی صورتوں کو قبول نہیں کرسکتا۔ اور قلب جبتک عقلِ فعال کے مقابل نہ آجاے۔ اور حجاب و موانع درمیان سے نہ اٹھ جائیں تو ان صورتوں کا عکس چمک نہیں سکتا جو عقلِ فعال میں موجود ہیں۔ اگر زنگِ کدورتِ گناہ

اور اخلاقِ ذمیمہ سے آئینۂ نفس سیاہ نہوتا۔ موانع وعلائق وعادات اُسکے اور عالمِ انوار کے بیچ میں حائل نہوتے تو ہر ایک نفس موافقِ فطرت قابلِ معرفتِ حقایقِ ملک وملکوت ہوتا۔ اسیوجہ سے خداوندِ عالم نے اُسکو تمام مخلوقات سے پسند کیا ہے۔ اُسکو ایسی امانت کا محل قرار دیا ہے جسکے برداشت کرنے سے زمین وآسمان نے انکار کیا ؎ آسمان بارِ امانت نتوانست کشید ؛ قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند ؛ چنانچہ سید رسل نے اخلاقِ ذمیمہ کی طرف اسطرح اشارہ فرمایا ہے (لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ آدَمَ لَنَظَرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ) یعنی اگر بنی آدم کے قلوب کو لشکرِ شیطان احاطہ نکرتا تو وہ ضرور حقایقِ ملکوتِ آسمان وزمین کو مشاہدہ کرتے اور موانع وعلایق وعادات کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں (كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ) یعنی ہر شخص فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اُسکی فطرت کو متغیر کرتے ہیں۔ اور وہ اُنکی پیروی سے غیر مستقیم طریقوں پر چل دیتا ہے۔ واضح ہو کہ جسقدر نفس کو تزکیہ وصفا ہو اُسیقدر علمِ حقایق واسرار ودرکِ عظمتِ حضرتِ آفریدگار ومعرفتِ صفاتِ جلال وجمالِ پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ اور اُسیقدر اُسکو آخرت میں سعادت وبہجت۔ لذت اور نعمت ملتی ہے۔ جسقدر اُسکی معرفت ہوگی اُسیقدر وسعت کا اُسکو بہشت عطا کیا جائیگا۔

تیسری صفت شرک اور اُسکے اقسام جنمیں تین فصلیں ہیں۔

تعریفِ شرک اور اُس کے اقسام شرک وہ یہ کہ سوائے خدا کے دوسرے کو بھی مصدرِ امر ومنشاءِ اثر جانے۔ یعنے علاوہ پروردگار کے اور بھی کوئی کام نکالتا ہے۔ اسی کو شرک کہتے ہیں اور اس عقیدے کے ساتھہ اگر غیر کی بندگی وعبادت کرے تو اُسکو شرکِ عبادت کہتے ہیں۔ اور اگر

اُسکی عبادت نکرے لیکن اُس کی اطاعت اُس چیز میں کرے جس میں خدا کی خوشنودی نہو تو اسکو شرکِ اطاعت کہتے ہیں۔ پہلی صورت کا نام شرکِ جلی ہے۔ اور دوسری حالت کا نام شرکِ خفی۔ اسی شرکِ خفی کی طرف خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ) یعنے انہیں سے بیشتر حصہ ایسا ہوتا ہے جنکا ایمان شرک آلودہ ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت شرک اعظم اسبابِ ہلاک و دخولِ عذابِ دردناک و زمرۂ کفار ہے۔

فصل (۱) اقسامِ توحید اور اُن کے فوائد

صفتِ شرک کی ضد توحید ہے۔ اُس کے کئی اقسام ہیں۔ **اوّل** توحیدِ ذاتی یعنے ذاتِ خدا کو ترکیبِ خارجی و عقلی سے پاک اور اُس کی صفات کو عینِ ذات جاننا **دوم** توحیدِ وجودی یعنے خدا کو واجب الوجود جاننا۔ اور صفتِ وجوبِ وجود میں کسی دوسرے کو اُس کا شریک نکرنا۔ واضح ہو کہ علمِ اخلاق میں توحید کی ان دو قسموں سے بحث نہیں ہوتی **سوم** توحید تاثیر و ایجاد یعنے سوائے پروردگار کے اور کوئی مؤثرِ فی الوجود اور فاعل نہیں ہے۔ توحید کی اسی قسم سے اس مقام پر بحث کی جاتی ہے۔ اس توحید کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ قشر قشر ہے وہ یہ کہ آدمی کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کرتا ہے۔ لیکن اُسکی معنی کو نہیں جانتا بلکہ اُسکی معنی کا منکر ہے مثلاً توحیدِ منافقین اُس سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا مگر یہ کہ دنیا میں ایسا شخص شمشیرِ شریعت سے محفوظ رہتا ہے۔

دوسرا درجہ قشر ہے وہ یہ ہے کہ کلمۂ توحید کے معنی پر بھی اعتقادِ قلبی رکھتا ہو۔ اور اُس کلمہ کی تکذیب نکرے جیسا کہ اکثر عام مسلمانوں کی زبان پر ہے۔ ایسی توحید اگرچہ صفائیِ قلب و کشادگیِ سینہ کا باعث نہیں ہوتی لیکن وہ آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے

ضعف اعتقاد کے سبب گنہ گار نہیں ہوتا۔

تیسرا درجہ لُب ہے وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو نور اُس پر تجلی ہوتا ہے اُس نور کے ذریعہ سے معنیِ توحید اُس پر منکشف ہوجاتے ہیں۔ ایسا شخص اگرچہ عالم میں بہت سے اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن سب کو ایک ہی مصدر سے صادر اور ذات حق سے مستند پاتا ہے۔ یہہ مرتبہ مقامِ مقربین ہے۔

چوتھا درجہ لُبِ لُب ہے وہ یہ ہے کہ بغیر ایک کے اور کسیکو موجود نہ دیکھے۔ اور وجود میں کسی کو اُس کا شریک قرار ندے۔ حتیٰ کہ اپنے وجود کی قطعاً نفی کرجائے۔ اس درجہ کو اہلِ معرفت فنا فی اللہ و فنا فی التوحید کہتے ہیں کیونکہ ایسا شخص اپنے کو فانی جانتا ہے۔ یہہ درجہ انتہاے مراتبِ توحید ہے۔ یہہ خیال نہ کرنا چاہئیے کہ اس درجہ کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اور با وجود ملاحظۂ آسمان و زمین و تمام مخلوقاتِ متکثرہ صرف ایک ہی کو دیکھنا عقل میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ جب دل دریاے عظمت و جلالِ واحدِ حق میں مستغرق ہو۔ انوارِ جمال و کمالِ وجودِ مطلق غالب ہوں شعاعِ روشنیِ نورِ واجب الوجود اُسے احاطہ کرے محبت و اُنس کی آگ دل میں روشن ہو تو اُس کی نظر سے تمام موجودات غائب ہوتے ہیں۔ سوا اُس کے دوسرے کے وجود سے غافل ہوجاتا ہے۔

اشعار

نگویم دراں کس بجز یار نے ॥ ولی غیر او کس پدیدار نے

دراں پرتو افگن یکی نور بود ॥ کہ از غیر آں دیدہ ہا کور بود

چنانچہ جب کوئی کسی پادشاہ سے کلام کرتا ہے تو اُسکی سطوت کو دیکھکر محو اور اکثر غیر کے مشاہدے سے غافل ہوجاتا ہے۔ اور عاشق جو محوِ جمالِ معشوق ہو وہ سواے اُس کے

کسی کو نہیں دیکھتا۔ ایسا ہی ستارے دن میں موجود ہیں اُن کا نور نورِ خورشید کے مقابلے کم اور مدہم ہے۔ اس لئے نظر نہیں آتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص سوائے ایک وجود کے کثرت کا مشاہدہ کرے تو وہ درجۂ توحید میں ناقص ہے اور نورِ وجود صرف اُس کے قلب پر تابندہ نہیں ہوا۔

فصل (۲)

علامات ترقی مراتبِ توحید

واضح ہو کہ پہلے اور دوسرے مرتبۂ توحید سے تیسرے مرتبہ پر پہنچنے کی علامات یہ ہیں کہ آدمی اپنے تمام امور میں خدا پر توکل کرے۔ اپنے کاموں کو اُس پر چھوڑ دے۔ تمام وسیلوں سے آنکھ بند کر لے کیونکہ جب اُس پر روشن ہو گیا کہ بغیر خدا کے اور کوئی منشاء امور نہیں۔ وہی ہر وجود کا مبدء ہے خلق۔ رزق۔ عطا۔ منع۔ غنا۔ فقر۔ مرض۔ صحت۔ ذلّت۔ عزّت۔ حیات۔ موت سب اُسی کی طرف سے ہیں۔ ان تمام امور میں وہی جلوہ گر ہے۔ اور اُس کا کوئی شریک کسی چیز میں نہیں ہے۔ اُس کے بغیر کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اب ایسے شخص کو خوف اگر ہوگا تو صرف خدا کا ہوگا اور اُس کا وثوق و اعتماد اُسی سے وابستہ رہیگا۔ جسکو یہہ مرتبہ میسر نہیں ہوا اُسکا دل شرک سے خالی نہیں ہے۔ بوجہ وسوسۂ شیطانیہ کے وسیلۂ ظاہریہ پر ملتفت ہوتا ہے چنانچہ بارش کے ہونے کی اعتماد پر زراعت کرتا ہے۔ ہوائے موافق پر سلامتی کشتی کا دار و مدار رکھتا ہے۔ کواکب کی نحوست و سعادت سے اُس کے دل میں امید و بیم پیدا ہوتی ہے بعض مخلوقات کے قہر و لطف کو دیکھکر اُن کے قہر سے خوف کرتا ہے اور اُن کے لطف سے امید رکھی جاتی ہے۔ لیکن جس پر معرفت کا دروازہ کُھل گیا۔ عالم کے تمام کام اُس پر کما حقہٗ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آسمان۔ خورشید۔ ستارے۔ ابر۔ باد۔ باران حیوان انسان تمام مخلوقات اُسی بادشاہِ لاشریک کی اطاعت میں ہیں۔ اُسی کے قبضۂ قدرت میں

مسخر و اسیر ہیں۔ اگر زراعت خراب ہوجانیوالی ہے تو بارش کیا نفع پہنچائیگی؟ اگر کشتی کا دریا میں غرق ہونا اُسے پسند ہے تو ہوائے موافق کیا کریگی وہ جس سر کو خاک پر گرائے کون اُسکو اُٹھا سکتا ہے۔ اگر وہ تجھکو سلامتی سے کنارہ پر پہنچانا چاہتا ہے تو ہوائے مخالف بھی مخالفت نکریگی بلکہ اگر وہ تیرا خرمن آباد کرنا چاہتا ہے تو بغیر بارش کے بھی غلّہ پیدا ہوگا ؂ آنکہ اواز آسمان باران دہد ہم تو اند کوز رحمت نان دہد۔ آدمی کا بعض وسیلوں سے اپنی نجات و عزّت و غنا کے لئے ملتفت و متوسّل ہونا اس کے مانند ہے جیسے کوئی بادشاہ پہلے مار ڈالنے کا حکم صادر کرے من بعد اسکے قصور کو معاف کر کے برات نامہ لکھ بھیجے تو وہ مجرم رہا ہونے کے بعد مدح و ثنا میں کاغذ یا قلم یا منشی کے زبان کھولے اور کہے کہ اگر یہ نہوتے تو مجکو نجات میسّر نہوتی مگر جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کاغذ پر جو کچھ لکھا گیا قلم سے تھا۔ قلم ہاتھ میں منشی کے تھا اور منشی کو بغیر بادشاہ کے حکم کے برات نامہ لکھ بھیجنے کا اختیار نہیں ہے تو وہ سوائے بادشاہ کے کسی کا شکر نکریگا بغیر اُسکی ثنا کے دوسرے کی ثنا نکریگا۔ دوسرے کا احسانمند نہوگا۔ اسی طرح تمام مخلوقات ماہ۔ خورشید۔ آسمان۔ ستارے۔ باد۔ باراں۔ نبات۔ حیوان یہ سب مثل قلم کے ہیں۔ جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ اور لکھنے والا بادشاہ کا مسخر و مطیع یہ ایک مثال ہے جو بیان کیگئی لیکن اگر غور سے دیکھئے تو کہاں کا قلم کیسا کاتب ہے؟ (وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی) چشم حق بیں اور قلب حق شناس کہاں ہے؟ اگر کوئی چیونٹی اُس کاغذ پر گزرے جو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ لکھ رہا ہے تو یہ غریب اپنی ضعف بصارت کے سبب سے اُن حروف کو جو نوک قلم سے نکلکر کاغذ پر جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ یہی خیال کریگی کہ وہ یہ تمام نقوش قلم کی ہی صنعت ہیں۔ اُسکی نگاہ ضعیف کاتب کے ہاتھ تک نہ پہنچے گی لیکن اُس کا یہ خیال کاتب کو معطّل نہیں کرسکتا۔ بلکہ اُسی کی۔

کوتاہ نظری پر دلالت کرتا ہے۔ واضح ہو کہ جس نے مرتبۂ توحید سے ترقی کی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمام آثار و افعال خداوندِ متعال کی طرف سے ہیں۔ کوئی دوسرا ان افعال و آثار کا مبدء نہیں ہو سکتا یہ امور جنکی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔ حرکات و افعالِ انسانی سے قطعاً الگ ہیں۔

جبر و اختیار واضح ہو کہ خداوندِ عالم نے انسان کو بھی فی الجملہ اختیار عطا فرمایا ہے۔ جو ایک بدیہی امر ہے۔ اور آیات و اخبار و اجماع اس پر شاہد ہیں۔ اور اس اختیار کا تعلق امورِ تکلیفیہ و اعمالِ خیر و شر سے ہے۔ اس عطائے اختیار میں بہت سے مصالح ہیں اور عطا کرنے والا اُن مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور انھیں اختیارات کے ساتھ خداوندِ عالم نے انسان کو اس عالمِ ابتلا میں بھیجا ہے۔ واضح ہو کہ انسان کے اختیارات کامل نہیں ہیں بلکہ اُسکے ساتھ مجبوریاں بھی ملی ہوئی ہیں۔ امورِ تکلیفیہ میں اور اکتسابِ خیر و شر میں اُسکو اختیار حاصل ہے لیکن موت۔ حیات۔ ذلت۔ عزت۔ بیماری صحت۔ فقر غنا یہ ایسے امور ہیں جنمیں انسان مجبور ہے۔ ممکن ہے اس حدیثِ مشہور (لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيضَ بَلْ اَلْاَمْرُ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ) کے یہی معنی ہوں۔ یعنے "نہ جبرِ محض ہے نہ تفویضِ مطلق۔ بلکہ ایک ایسی حالت ہے جو دونوں حالتوں کے درمیان ہے" دوسری معنی اس حدیث کی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان کا وجود حالتِ امکانی سے تعلق رکھتا ہے یعنے نہ وجودِ محض ہے نہ عدمِ محض۔ پس اب وہ حالتیں جو ماتحتِ وجود ہیں اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہونگی۔ انسان کو اختیارات ضرور دیئے گئے نہ کہ وہ اختیارات جو واجب الوجود کی عینِ ذات ہیں۔ اور اُسی ذاتِ مقدس سے مختص ہیں۔ جب یہ اختیارات انسان کے لئے پائے گئے تو بے اختیاریِ محض تو قطعاً اُٹھ گئی لہذا اب انسان کی حالت یہ ہوئی کہ نہ مختارِ مطلق ہے اور نہ مجبورِ مطلق۔ تیسری معنی۔ یا یوں کہئے؟ کہ اختیاراتِ انسان ایک دوسری قدرت سے وابستہ ہیں یعنے انسان اگرچہ مختار ہے لیکن

یہ اختیار دوسرے کا عطیہ ہے اور وہ جس وقت چاہے سلب کر سکتا ہے۔ یہ حالت اگر اختیار مطلق سے پست ہے لیکن بے اختیاریِ محض سے بالاتر ہے۔ غرض ہر طرح سے انسان کیلئے حالت متوسط ثابت ہوگی۔

واضح ہو کہ انسان کے لئے ان اختیارات کے ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے اختیارات کی گرفت سے نکل گیا ہو نہیں نہیں اختیاراتِ خداوندی ہر حالت میں باقی و ثابت ہیں (یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ) یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر انسان تمام افعال واحوال میں اسباب و وسائل سے چشم پوشی کر کے صاحبِ اختیار مطلق کی طرف رجوع کر جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور اُس کے یہ معنی نہیں کہ انسان قطعاً مجبور ہے۔ لیکن چونکہ اختیارِ خداوندی بیشتر اور اُسکی قدرت کامل تر ہے۔ اس لئے اُسکی طرف رجوع کر رہا ہے۔ پس ہر شخص پر لازم ہے کہ اُن امور میں جنکا اختیار اُسے دیا گیا ہے بحکمِ شریعتِ مقدسہ فی الجملہ اپنے اختیار سے کام لیکر اُن کے اتمام کی توفیق کا خدا سے طالب ہو۔ اور جو امور اُس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ اُنمیں لطف و کرمِ پروردگار پر بھروسہ رکھے۔

فصل (۳) ذرّاتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا کی تسبیح میں مشغول ہے۔

بعض عرفا کا قول ہے کہ خداوندِ عالم نے ہر ایک ذرّہ کو خواہ وہ زمین میں ہے یا آسمان میں۔ اربابِ قلوب واصحابِ مشاہدہ کے حق میں گویا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ذراتِ عالم کی تسبیح و تقدیس سنتے ہیں۔ جو زبان واقعی وملکوتی سے بلند ہوتی ہے۔ یہ زبان نہ عربی ہے نہ فارسی نہ آواز ہے نہ الفاظ و حروف سے اُسے تعلق ہے۔ اس تسبیح کو صرف گوشِ ہوش اور سمع ملکوتی سے سن سکتے ہیں۔ اس مکالمہ کا نام مناجاتِ سِر ہے۔ اور اُسکی کوئی انتہا نہیں۔

کیونکہ اس کا منبع دریائے محیطِ کلامِ حق ہے جسکی تھاہ نہیں ہے۔ اور چونکہ انکی گفتگو اسرارِ ملک و ملکوت سے ہے لہذا ہر شخص اُس کی محرمیت کا قابل نہیں۔ بلکہ اہلِ قلب کے سینے ہی قبورِ اسرار ہوا کرتے ہیں۔ یہ ذرات ہر شخص سے بات نہیں کرتے۔ بلکہ خاصانِ درگاہ و محرمانِ بارگاہ سے اُن کی گفتگو رہتی ہے۔ اور یہ خاصانِ بارگاہ جو کچھ سماعت کرتے ہیں۔ دوسروں سے بیان نہیں کرتے۔ اس لئے کہ جو کوئی کسی بادشاہ کا محرمِ اسرار ہو وہ کوچہ و بازار میں اس اسرار کو بیان نہیں کرتا۔ اگر اُس کا ظاہر کرنا جائز ہوتا تو محرمِ اسرارِ آفریدگار یعنے رسول مختار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قضا و قدر کے بھید کو ظاہر کرنے سے منع نفرماتے۔ حیدر کرار کو بعض اسرار سے مخصوص نفرماتے اور نہ کہتے (لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا) یعنے " جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اُسے جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے " اس کے علاوہ ان اسرار کے کئی معنی ہیں۔ الفاظِ ناسوتیہ و حروفِ صوتیہ اُسکے برداشت کی طاقت نہیں رکھتے ہیں نہ وہ ان حروف کے قالب میں سما سکتے ہیں۔ یہ اسرار اُسی شخص سے بیان ہو سکتے ہیں جو زبانِ ملکوتی سے آشنا ہو۔

چوتھی فصل اوہامِ نفسانیہ و وسوسۂ شیطانیہ کی تفصیل اور اُس کا علاج اور اُس کی ضد جس میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل (۱)

آدمی کا دل ہر وقت کسی نہ کسی فکر و خیال میں رہتا ہے۔

واضح ہو کہ آدمی کا دل خیال و فکر سے ہرگز خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس پر اندیشہ و خیالات و افکار ہمیشہ وارد ہوتے رہتے ہیں اور جو کچھ دل میں گزرتا ہے بعض اوقات انسان اُسکی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں دل اُس نشانہ کے مانند ہے جس پر اطراف و جوانب سے

تیر برستے ہوں۔ یا ایک حوض ہے کہ بہت سی نہروں سے اُس میں پانی جاری ہو۔ یا ایک گھر ہے جو بہت سے دروازے رکھتا ہو اور اُس میں مختلف اشخاص داخل ہوں۔ یا ایک آئینہ ہے جو کسی مکان میں نصب ہو اور بہت سی صورتیں اُس کے سامنے گزریں۔ پس دل لطائفِ الٰہیہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اُس میں خیالات و افکار ہمیشہ نمودار ہوتے ہیں اُسوقت تک کہ بدن سے نفس کا تعلق قطع ہو۔ اور ہر فکر و خیال کا ایک سبب و منشا ہے خیال و فکرِ باطلہ کا منشا شیطان اور خاطر و فکرِ نیک کا باعث فرشتہ ہوتا ہے اسلئے سیدِ رسل نے اشارہ فرمایا ہے (فِی الْقَلْبِ لَمَّتَانِ لَمَّۃٌ مِنَ الْمَلَکِ اِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ وَلَمَّۃٌ مِنَ الشَّیْطَانِ اِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ) یعنے آدمی کے دل میں افکار و خواطر دو قسم کے وارد ہوتے ہیں۔ ایک قسم ملک کی طرف سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان امورِ خیر کا ارادہ رکھتا ہو امورِ حق کی تصدیق کرتا ہو۔ دوسری قسم شیطان کی طرف سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ دل میں وہ ارادے پیدا ہوں جن سے امورِ شر ظاہر ہوں۔ اور امورِ حقہ کی تکذیب پر کمر باندھ جائے

اقسامِ افکار و خیالات

واضح ہو کہ آدمی کے دل میں جو کچھ گزرتا ہے اور جو فکر اُس کے دل کو مشغول کرتی ہے اُس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ افکار ہیں جو آدمی کو عمل کی تحریک کرتے ہیں اور انسان اُن کے سبب سے کسی عمل پر راغب ہوتا ہے اُس کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ فعل جس کے لئے فکرِ انسان محرک ہوتی ہے یا وہ فعل نیک ہوگا یا بد۔

(۲) وہ فکر ہے جو کسی فعل کی محرک اور کسی عمل کا مبدء نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف خیال اور تصور ہی دل میں گزرتا ہے۔ اگرچہ اُن کے ذریعہ سے بھی نفس کو صفائی یا کدورت حاصل ہوتی ہے اور اُس کے سبب سے بھی بعض افعالِ نیک یا بد واقع ہو جاتے ہیں اس کی بھی دو حالتیں ہیں

پہلی حالت۔ خیالاتِ نیک و افکارِ نافعہ سے متعلق ہے جنکی تفصیل بیان کیجائیگی۔ دوسری حالت۔ فکرِ فاسد و امیدِ کاذب ہے۔ اور اُس کے کئی اقسام ہیں مثلاً اُن چیزوں کی آرزو کرنا جن کا وجود نہیں ہے۔ اور انھیں تصوّر میں لانا مثلاً خیال کرنا کہ افسوس وہ کام نکیا ہوتا یا وہ کام کیا ہوتا؟ کاش میرا بچہ وہ زندہ ہوتا جو اسوقت بڑا ہوکر میرا معین و یاور ہوتا۔ کاش اس غلام کو خرید یا فروخت کرتا۔ نیز اُن حالتوں کا ذکر کرنا جو اُسکو حاصل ہیں اور اُن پر خوش یا غمگین ہونا۔ مثلاً اُس لذّت کا خیال جو اُسکو حاصل ہوئی۔ یا فی الحال جو عزت اُسکو حاصل ہے یا کوئی غم جو اُس کو کسی روز پہنچا تھا۔ یا بیماری جو موجود ہے۔ یا جو خرابی اُس کی معاش میں ہے اسی صورت سے اموالِ نفیسہ کا تصوّر کرنا جو موجود ہیں مثلاً مکانات و سواری و جواہر وغیرہ اور اُن کے تصوّر سے لذّت اُٹھانا۔ یا ذکر کرنا اُن چیزوں کا جو حاصل نہیں ہیں اور اُس پر غمگین ہونا۔ یا مثلاً حساب و کتاب و خرید و فروخت کا تصوّر۔ یا دشمنوں کے جواب دینے اور انھیں بہ عذاب ہائے گوناگوں برطرف کر دینے کے خیالات۔ حالانکہ ان خیالات پر کوئی فائدہ یا نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ کبھی انسان ایسے امور کا تصوّر کرتا ہے جو متحقق ہونا ہرگز اُسکی نگاہ میں نہیں ہوتا۔ اور خوب جانتا ہے کہ یہ امور ہرگز واقع نہیں ہو سکتے لیکن محض عالمِ خیالات میں محو ہوکر اُس سے لذّت اُٹھاتا ہے۔ مثلاً نبوت و پیغمبری کا خیال کرتا ہے۔ ذہن میں قواعد و احکام اختراع کرتا ہے۔ وصی و خلیفہ کا تعین کرتا ہے۔ یا مثلاً ایک گدائے ہشتاد سالہ پادشاہی کا تصوّر کرتا ہے۔ عالمِ خیال میں ربعِ مسکون کو اپنا مسخر قرار دیتا ہے۔ اُمرا و حکام مقرر کرتا ہے وغیرہ۔

انھیں خیالات کی قسم غالِ بد ہے جسے تطیّر بھی کہتے ہیں یعنے امورِ اتفاقیہ سے خوفزدہ ہوکر انھیں نئے نئے رنج و آلام کی علامت سمجھنا۔ بعض اوقات یہہ حالت اس حد پر پہنچتی ہے کہ آدمی اپنے لئے بعض امور کو دلیلِ وقوعِ کم مصائب قرار دیتا ہے۔ اور اُن کے صادر ہونے کے خیال سے

نہایت درجہ مضطر و پریشان ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ امور آدمیوں کی زبان پر کچھ بھی مشہور نہوں اور لیسا اوقات کہ قوۂ واہمہ میں خباثت و رذالت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر اوقات اپنے پر مکروہات اور نئے نئے رنج و الم کا واقع ہونا تصور کرتا ہے۔ مثلاً اولاد و عیال کا مرنا مال کا تلف ہونا۔ ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہونا۔ ذلت و خواری میں گرفتار ہونا۔ دشمنوں کا غالب ہونا۔ دوسروں سے اسکو تکلیف پہنچنا۔ ایسے شخص کا ذہن کبھی فرح و مسرت کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔ کبھی ہوتا ہے کہ بغیر سبب اُن امور کے واقع ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور غم و اندوہ بھی اسکو پہنچتا ہے۔ یہ سب خللِ دماغ کے نتائج ہیں۔ اسی سبب سے عقائد میں بھی وسوسہ ہوتا ہے۔ اور یہ وسوسہ اگر شک و شبہ تک پہنچ جائے تو انسان کو ایمان سے خارج کر دیگا۔

فصل (۲)

تعریفِ الہام و وسوسہ اور اُس کے علامات و اسباب

بیانِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواطرِ نفسانیہ و خیالاتِ قلبیہ کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں دو قسمیں جو افکارِ محرکِ عملِ خیر و خیالاتِ نیک ہیں اُنکو الہام کہتے ہیں۔ اور دوسری دو قسمیں جو افکارِ محرکِ عملِ شر و فکرِ ردّیہ ہیں اُنکو وسوسہ کہتے ہیں۔ اور بعض الہام و وسوسہ کو افکارِ محرکہ کے ساتھ تخصیص دیتے ہیں۔ بہرطور وساوس کی دونوں قسمیں اثرِ شیطانی ہیں۔ اور الہام کی دونو قسمیں فیضِ ملائکہ کرام۔

واضح ہو کہ آدمی کا نفس ابتدا میں ہر دو اثر کی برابر قابلیت رکھتا ہے۔ کسی ایک طرف ذرا بھی مائل نہیں ہوتا۔ بلکہ امورِ خارجیہ اور ہوا و ہوس کی متابعت سے یا زہد و تقوی کی ہمیشگی سے کسی ایک طرف کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ پس جبکہ آدمی خواہشِ شہوت یا غضب میں مبتلا ہو تو شیطان کے لشکر خانۂ دل میں داخل ہوتے ہیں۔ اور وساوس و افکار ردّیہ قلب میں

پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جبکہ دل ذکرِ خدا کی طرف متوجہ اور نفس زہد و تقویٰ پر مائل ہو تو شیطان مملکتِ بدن سے باہر نکل جاتا ہے۔ لشکرِ ملائکہ اُس میں آتے ہیں۔ اُن کے فیوضاتِ الہامات و خیالاتِ نیک اُس میں پیدا ہوتے ہیں ہمیشہ یہ دونو لشکر آمد و شد و گیر و دار میں مصروف ہیں کبھی میدانِ دل جائے اثرِ فرشتگان اور کبھی محلِ جولان گاہِ شیطان رہتا ہے۔ یہانتک کہ امورِ خارجیہ کے امداد سے کسی ایک کو غلبہ و قوت حاصل ہو جائے۔ وہ مملکتِ نفس کو تسخیر کرے اور اُسکو اپنا وطن بنا کر مقیم ہو۔ اُسوقت دوسرے کی آمد و شد نہیں رہتی۔ اور اگر کبھی گزر بھی ہوا تو یوں ہی رہ و ار وی۔ قیام میسر نہیں ہوتا۔ اب اگر ہوا و ہوس اور شہوت و غضب کی امداد پہنچگئی تو لشکرِ شیطان غالب ہوتا ہے۔ اور قلب کی ایک ایک رگ اُسکی جولان گاہ بن جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی خیالات و خواہشاتِ بد کی پیدایش شروع ہو جاتی ہے۔ اور اگر قوۂ عاملہ امداد کرے۔ زہد و تقویٰ کی اعانت میسر آ جائے تو سپاہِ ملائکہ غالب ہو جاتی ہے شہرِ دلکو گھیر لیتی ہے۔ اپنا مسکن بناتی ہے۔ ہر لحظہ نورِ تازہ اور ہر گھڑی فیض بے اندازہ پہنچاتے لیکن جس دل کو لشکرِ شیطان نے مسخر کر لیا اور مالک ہو گیا تو پھر جسطرح چاہتا ہے اُس میں تصرف کرتا ہے۔ اُسکو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قوۂ واہمہ غضبیہ و شہویہ کی خلقت کا غالب مادّہ آگ ہے اور یہی قوتیں مملکتِ بدن کے سردار و حکام ہیں۔ اور چونکہ شیطان کی خلقت بھی آگ سے ہے اس لئے اِن تینوں سرکشانِ مملکت اور شیطانِ لعین میں مناسبت مستحکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قربتِ شیطان کی خواہشمند ہیں۔ اُس کی متابعت کے لئے بالکل راغب ہیں۔ بلحاظِ قرابت و نسبت لشکرِ شیطان کو ہر طرف سے راستہ دیتی ہیں اور اُسکی رہنمائی کرتی ہیں۔ اسی لئے حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ”شیطان آدمی کے بدن میں مثل خون کے جاری ہے۔ تمام راستوں سے داخل ہوتا ہے“ چونکہ شیطان آگ سے ہے

اور جس جائے آگ لگجائے تو اپنی جگہ جلد پیدا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر میں فوراً زیادہ ہوجاتی ہے۔ ہر طرف وہی آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ ایسا ہی جب لشکرِ شیطان کسی کے دل میں تھوڑا سا راستہ پاجائے تو اپنا مقام وسیع کرتا ہے۔ اور متواتر و پے در پے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اُسکی نسل بے انتہا ترقی کرتی ہے۔ جیسا کہ ثابت ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کا تصور کرے تو اُسی ایک گناہ سے سینکڑوں گناہ کی شاخیں نکل آتی ہیں۔

واضح ہو کہ اخلاقِ فاضلہ و ملکاتِ حسنہ ملائکہ کے داخل ہونے کے دروازے ہیں۔ اور اوصاف رذیلہ ابواب الشیاطین۔ نیز یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ اوصاف حسنہ حکمِ وسط رکھتے ہیں۔ اور وسط یعنے وہ نقطہ جو دو یا کئی چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ برخلاف اسکے اطراف و جوانب کے خطوط بے شمار ہوتے ہیں۔ اسی لئے شیطان کے آنے کی راہیں بے شمار ہیں۔ اور جس کے لئے اتنے راستے کھلے ہوئے ہوں۔ اُسی کا غلبہ نہایت آسان ہے برخلاف اسکے ملائکہ کے داخل ہونیکا صرف ایک راستہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے (اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ) یعنے یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسکی متابعت کرو اور بہت سے راستوں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمھیں راہِ حق سے جدا کردینگے یہی وجہ ہے کہ خداوند سبحانہٗ شیطان لعین کے قول کو بیان کرتا ہے کہ (لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ) "البتہ میں اُنکو تیری راہِ راست سے باز رکھونگا۔ اُن کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے حملہ کرونگا" اسی لئے حضرت نبی صلعم نے ایک روز اصحاب کے لئے ایک خط کھینچکر فرمایا کہ "یہ راستہ خدا کا ہے" اُس کے بعد بہت سے

خطوط دائیں بائیں جانب کھینچے اور فرمایا کہ اُن راستوں پر شیطان بیٹھا ہے اور اپنی طرف بلاتا ہے" پس اُس سیدھے راستہ کا سمجھنا مشکل اور محتاجِ رہنمائی ہے بخلاف راہِ باطل جو سب پر واضح و روشن ہے۔ نفس کی خواہش باطل کی طرف سہل و آسان ہے اور حق کی فرماں برداری مشکل۔ جو دروازہ فرشتوں کے داخل ہونے کا ہے وہ مسدود و بند ہے۔ راستے شیطان کے کھلے ہوئے ہیں۔ پس غریب فرزندِ آدم کو چاہئے کہ جو راستے کھلے ہوئے ہیں اُنکو بند کرے ایک دروازہ پوشیدہ جو بند ہے اُسکو کھولے۔ اسی بھروسہ پر شیطان نے کہا (فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ) یعنے تیری عزت کی قسم ہے کہ تمام فرزندانِ آدم کو سوائے بندگانِ خالص کے گمراہ کرونگا۔ اور بسا اوقات یہ ملعون بذریعۂ مکر حق کو باطل سے مشتبہ کرتا ہے۔ اور اپنے لشکر کو فرشتہ کا لباس پہنا کر آدمی کو ہلاکت میں ڈالتا ہے تاکہ اُن سے کوئی خبردار نہو۔

فصل (۳)

مذمت وساوس شیطانیہ و افکارِ باطلہ۔

واضح ہو کہ وسوسۂ شیطانیہ و افکارِ باطلہ کا ضرر نہایت ہی عظیم اور یہیہ حالت تمام مہلکاتِ عظیمہ و حالاتِ رذیلہ کے برابر ہے اس سے دل تیرہ ہوتا ہے۔ نفس کو ظلمت لاحق ہوتی ہے یہ چیزیں مانعِ حصولِ سعادت ہیں۔ اور عمرِ عزیز کی برباد کر دینے والی۔ حقیقت یہ ہے کہ بندوں کا واقعی سرمایۂ تحصیلِ نجاتِ عمر و سامانِ تجارت ہے۔ انسان کا ہر وقت یادِ خدا سے غفلت میں گزرتا ہے گویا وہ اپنے سرمایہ کو ضایع کرتا ہے۔ اور یہ افسوس تو اُس صورت میں ہے جبکہ امورِ جائز و مباح میں یہ وساوس پیدا ہوں۔ لیکن حالت تو یہ پہنچی ہے کہ مکر، حیلہ، فریب، شیطنت کے میدان میں فکریں جولانیاں کرتی ہیں۔ جن سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور دین و دنیا تباہ۔

واضح ہو کہ افکارِ ردیہ امورِ مباح میں یکساں طور پر دل کو تاریک کرنے والی ہیں۔ البتہ

بلحاظِ گناہ۔ اُن میں فرق ہے۔ پس امورِ مباح میں جو تفکر و وسوسہ پیدا ہوتا ہے اُس پر کوئی گناہ مترتب
نہیں ہوتا۔ اور امورِ غیر مشروعہ میں اگر بے اختیاری کے ساتھ کوئی خیال دل میں گزر جاوے تو وہ بھی
قابلِ مواخذہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر حیطۂ اقتدار سے خارج ہو اُس کی تکلیف دینا جائز نہیں ہے
ہاں اگر بالقصد ایسا کرے۔ اور دل میں اُس کے بجا لانے کا مصمم ارادہ کر لے۔ یا یہ کہ تاسف
کرے کہ فلاں معصیت جس پر مجھے قدرت حاصل تھی کیوں نہ بجا لایا تو ایسا شخص عاصی و
گنہگار و مستحقِ عذاب ہے۔ اگرچہ اُس فعل کو کسی اتفاقی ممانعت کے سبب سے بجا نہ لایا ہو۔
ہاں اگر خوفِ خدا سے ترک کر دے تو اُس سے مواخذہ نہ ہوگا بلکہ مستحقِ ثواب ہو جائیگا۔ اور اُس کے
لیے نیکی لکھی جائیگی۔ اور اگر کسی ایسے فعلِ غیر مشروع کا تصور کرے جس کے کرنے کا قطعاً ارادہ
نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض اوقات یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اُس کام کا مستحق نہ ہوگا مثلاً خیالِ سلطنت
و نہب و غارت وغیرہ۔ تو ظاہر یہ ہے کہ اسمیں بھی معصیت نہیں۔ یہ تفصیل اُن آیات و اخبار
مختلفہ کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی ہے جو خصوصاً قصدِ معصیت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔

فصل (۴)

معالجۂ وساوس و امراضِ نفسانیہ

جب اس صفتِ مہلکہ کی مضرت معلوم ہو چکی۔ اور جان لیا کہ یہ
اعظمِ مہلکات و سبب بدبختی و وبال و نکال ہے تو اب اس کا معالجہ
کرنا اور اس کے پنجہ سے رہا ہونا لازم ہے۔ اگر کسی گناہ کا وسوسہ اور اُس کا قصد ہو تو خاتمۂ
امور و عاقبتِ عصیان دنیا و آخرت میں غور کیجئے۔ حقوقِ پروردگار کو یاد کیجئے۔ نتیجۂ اعمال
کے ثواب و عقاب کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ وسوسۂ ابلیس سے اپنی رہائی اور صبر کرنا زیادہ
آسان ہے۔ بہ نسبت عذابِ الٰہی اور اُس کی آگ میں جلنے کے کہ اگر اسکی چنگاری زمین پر گرے
تو تمام دنیا کو ایسی جلائیگی کہ نباتات و جمادات کا کوئی نشان باقی نہیں رہیگا۔ جب ان امور
کو پیشِ نظر رکھے۔ اور نورِ معرفت و ایمان سے اُس کی حقیقت پر یقین کرے تو ممکن ہے کہ شیطان

ہاتھ اُٹھالے اور پھر وسوسہ نہو مگر صرف اسیطرح معالجہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ذکر وفکر و مجاہدہ ترک شہوات وہواے نفسانیہ سے اُس کا معالجہ کرنا چاہئے۔ اور اگر وہ خیالات باعث گناہ و قصد گناہ نہوں بلکہ فکر ردیہ و آمانی کاذبہ یعنے بغیر قصد فعل ہوں اور بے اختیاری سے دل میں گزرے ہوں تو اُس سے پوری طرح خلاصی نہایت مشکل ہے۔ بلکہ اطباے نفوس نے اقرار کیا ہے کہ یہ بیماری سخت ہے۔ اور اس کا دفعیہ بالکلیہ دشوار ہے۔ بلکہ بعض نے اسکو ممتنع قرار دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس کا بالکلیہ دفعیہ مشکل ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے جو شخص دو رکعت نماز پڑھے تو خواطر نفسانیہ اُس کے دل میں نہیں گزرتے اُس کے گناہان گزشتہ و آیندہ بخشے جائینگے۔ اس معالجہ کی صعوبت کا سبب یہ ہے کہ حسب ارشادات نبویہ ہر شخص کے لئے ایک شیطان ہے اور چونکہ شیطان صرف آگ سے خلق کیا گیا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ساکن نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ اُس کا شعلہ تیز اور متحرک رہتا ہے۔ اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قوۂ واہمہ وغضبیہ و شہویہ کا بھی غالب مادہ آگ ہے۔ اسلئے اُن میں اور شیطان میں قرابت پائی جاتی ہے۔ اسیوجہ سے شیطان کو اُن پر تسلط حاصل ہے۔ یہ تینوں قوی اُسکی متابعت و پیروی پر مائل ہیں۔ اور بوجہ آتش مزاجی کے یہ تینوں قوتیں بھی ہمیشہ ہیجان و حرکت میں رہتی ہیں۔ اگرچہ اُن کی حرکت اس سبب سے کہ بغیر آگ کے بھی خلق ہوئی ہیں شیطان سے کمتر ہے جیساکہ حرکت شہویہ غضبیہ سے اور غضبیہ واہمہ سے کمتر ہے پس شیطان بنی آدم کی رگون میں ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ اور اُن قوتوں کو وسوسہ سے حرکت میں لاتا ہے۔ اور وہ ان شرارتوں سے باز نہیں رہ سکتا جب تک کہ آدمی کا مطیع و فرماں بردار نہو۔ اور انسان کی اطاعت یہ ملعون کیونکر کریگا۔ دراں حالیکہ ابوالبشر کے سامنے سجدہ کرنے سے اُس نے انکار کیا۔ خدا کے سامنے کلمات تکبر وغرور زبان سے نکالے۔ اور قسم کھا کر کہا ''کہ میں ضرور بنی آدم کو گمراہ کرونگا'' ایسی حالت میں

یا اغوا سے کیونکر دست بردار ہو سکتا ہے۔ مگر ہاں وہ لوگ جو علائقِ دنیا کو قطع کر چکے ہیں انکا
دل نورِ الٰہی کا مسکن ہے۔ اُن پر اُس کا دستِ تصرف دراز نہیں ہو سکتا جس کا خود اُس ملعون نے
اقرار کیا ہے (اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ)۔ "میں تیرے خالص بندوں کے
سوا سب کو بہکاؤنگا"۔ پس ایسے دشمن کی طرف سے مطمئن نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ مانند خون انسان
کے بدن میں جاری و ساری ہے۔ وہ اُس طرح حاوی ہے جیسے پیالے پر ہوا اگر ہم پیالے
کو ہوا سے خالی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ جبتک کہ اُسکو دوسری چیز سے نہ بھر دیا جائے
بلکہ جسقدر پانی سے بہرا جائے اُسیقدر ہوا سے خالی ہوتا ہے۔ پس دل کا بھی پیالہ ایسا ہی ہے
اگر اُسکو خدا کی یاد میں مشغول کر دیں۔ اور امورِ دین کی کوئی فکر کریں تو ممکن ہے کہ شیطان
کی آمد و شد کم ہو۔ ورنہ جسوقت یادِ خدا سے دل غافل ہوتا ہے۔ اُسیوقت شیطان اپنے وسوسے
کے ساتھ اُس میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے کتاب کریم میں اُس کی تصریح
فرمائی ہے کہ (وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ
قَرِيْنٌ) یعنے جو کوئی خداوند رحمان کی یاد سے باز رہتا ہے تو ہم شیطان کو متوجہ کرتے ہیں
کہ اُس کا ہمنشین ہو"۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا (اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ
الشَّابَّ الْفَارِغَ) یعنے خدا دشمن رکھتا ہے۔ اُس جوان کو جو بیکار رہے"۔ کیونکہ
جو کوئی کسی شغلِ مباح میں مشغول نہو تو لامحالہ شیطان فرصت پا کر اُس کے خانۂ دل میں داخل
ہوتا ہے۔ اُس میں مسکن بناتا ہے۔ اپنی پیدایش و افزایش کرتا ہے۔ ایک نسل سے اتنی نسلیں
پیدا ہوتی ہیں جنکی انتہا نہیں ہے۔ پس دفعِ وسوسۂ شیطانیہ و خواطر نفسانیہ کا کوئی علاج
نہیں ہے مگر یہ کہ تمام علائقِ ظاہریہ و باطنیہ سے قطع تعلق کریں۔ جاہ و مال و اہل و عیال
ترک کریں۔ یار و رفیق و دوست سے بھاگیں۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھیں۔ آشنا و بیگانہ سے

دوری اختیار کریں۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ تا وقتیکہ آدمی کو بصیرت حاصل نہو۔ آثارِ عجائب رب العالمین میں تفکر نہ کرے۔ ملکوتِ آسمان وزمین کی سیرِ باطنی نہیں کرسکتا۔ اور جسکو یہ بصیرت و قوّت حاصل نہو تو اُسکو چاہیئے کہ بعدِ قطعِ علایق وگوشہ نشینی کے ذکر و مناجاتِ پروردگار و نماز و دعا و عبادت و تلاوتِ قرآن میں حضورِ قلب سے اپنے کو مشغول رکھے۔ کیونکہ ذکرِ ظاہری بغیر حضورِ قلب کے دل میں اثر نہیں کرتا۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ علاج وسوسہ و خواطر کا گو ممکن ہے مگر ایک اُن تین امور کو جو ذیل میں درج ہیں جبتک بجا نہ لائیں۔ اُسوقت تک حاصل نہیں ہوتا۔

پہلا امر یہ کہ شیطان کے بڑے راستے جو صفاتِ ذمیمہ وملکاتِ رذیلہ ہیں بند کردے مثلاً شہوت۔ غضب۔ حرص۔ حسد۔ عداوت۔ عجب۔ کبر۔ طمع۔ بخل۔ بزدلی۔ محبّتِ دنیائے دنی۔ بیمِ فقر وفاقہ۔ ان میں سے ہر ایک شیطان کا راستہ ہے جب اُسکو کھلا ہوا دیکھتا ہے تو دل میں داخل ہوتا ہے۔ اُسے وسوسہ میں مشغول کرتا ہے۔ اور جب اُنکو بند کیا جائے تو اُسے کوئی راستہ نہ ملیگا۔ مگر کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح کے پوشیدہ راستوں سے داخل ہوگا۔

دوسرا امر یہ کہ اخلاقِ فاضلہ و اوصافِ شریفہ و زہد و تقویٰ و عبادت کی عادت کرنے سے فرشتوں کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جو صفاتِ مذکورۂ بالا کی ضد ہے۔

تیسرا امر یہ کہ دل و زبان سے خداوندِ منّان کے ذکر میں شیطان کے دروازے بند کرکے مشغول رہنا۔ اگرچہ تصرفِ ظاہریہ سے مملکتِ دل کی حفاظت ہوتی ہے مگر یہ ملعون پوشیدہ راستوں سے کبھی کبھی بطورِ سیر و تفریح گذر کرتا ہے۔ جب تک یادِ خدا سے اُسکو دفع نکریں تو ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے لئے کوئی راستہ وسیع پیدا کرکے۔ اور گوشۂ دل کو اپنا مسکن قرار دے اور اگرچہ دل کو ذکرِ خدا میں قائم رکھنا دفعِ خواطر و وسوسہ کے لئے مجرّب ہے۔ لیکن جبتک شیطان کا راستہ بند نہوا ہو۔ اخلاقِ ذمیمہ و علایقِ دنیویہ کو دفع نکیا ہو تو اُس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے

بلکہ یادِ خدا سے جتنا کچھ زائل ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اُس
حوض کی سی ہے جس میں ایک بڑی نہر سے بدبودار پانی آتا ہو۔ اور ایک پیالے سے اُس کا
پانی باہر نکالیں۔ اب جسقدر پانی نکلیگا۔ اُس سے زیادہ پانی نہر سے آئیگا۔ یہانتک وہ
بدبودار پانی حوض کو مملو کر دیگا۔ شیطان کی مثال ہے۔ گرسنہ کتّے کی سی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ
غذا کے مانند ہیں۔ وہ ذکرِ خدا سے اُس کتّے کو دفع کیا جاتا ہے۔ لیکن جبتک غذا باقی
ہے یہ ملعون دروازہ پر تاک میں رہیگا۔ ہاتھ سے یا زبان سے [illegible] دو قدم پیچھے ہٹیگا
پھر واپس چلا آئیگا۔ اسی طرح شیطان کی مثال مرض کی سی ہے۔ صفاتِ ذمیمہ اخلاطِ فاسدہ
کے مانند ہیں۔ اور ذکرِ خدا غذائے مقوی کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن یہ غذائے مقوی اُسی حالت
میں نفع بخش ہوگی جبکہ بدن اخلاطِ فاسدہ سے پاک ہو۔

اگر دل ہوا و ہوس سے پاک اور انوارِ تقوی سے نورانی ہو تو ذکرِ خدا [illegible] ہے
جیسا کہ خدا فرماتا ہے (إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ
تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ) یعنی جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں اُنکو جس وقت شیطان
کا وسوسہ ہوتا ہے تو خدا کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس سے اُنکے دل میں بصیرت پیدا ہوتا ہے وسوسہ سے
نجات حاصل ہوتی ہے۔ لیکن واضح ہو کہ دفعِ وسوسۂ شیطانیہ و مانعِ خواطرِ نفسانیہ وہ ذکر ہے
جو دل سے کیا جائے۔ دل کو یادِ خدا و تذکرۂ قدرت و عظمت و تقدیس و جلال و جمال میں
مشغول کریں۔ اُس کے صنع و عجائبِ مخلوقاتِ آسمان و زمین اور باقی اُمورِ متعلقہ دین میں
تفکر کریں۔ اور جبکہ اس کے ساتھ ذکرِ زبانی بھی شامل ہو تو دفعِ شیطان کے لئے اُس کا پورا
فائدہ ہے۔ اور محض ذکرِ زبانی اگرچہ ثواب سے خالی نہیں۔ لیکن لشکرِ شیطان کا مقابلہ نہیں
کرسکتا۔ اور اُس کے وساوس دفع نہیں ہوسکتے۔ اگر وسوسۂ شیطان ذکرِ زبانی سے دفع

ہو جاتا تو ہر شخص کی نماز حضورِ قلب سے ادا ہوتی۔ اور خیالاتِ فاسدہ و وسوسۂ باطلہ اُس کے دل میں نہ آتے۔ کیونکہ ہر ذکر و عبادت کی انتہا نماز ہے۔ مگر ہر شخص کو افکارِ ردّیہ حالتِ نماز میں ہی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ فضولیات کا خیال نماز میں ہی آتا ہے۔ اکثر جو چیز بھولی گئی ہے نماز میں یاد آتی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ نماز وہ عبادت ہے جو سب عبادتوں سے بالاتر ہے اور سجدہ پر مشتمل ہے۔ اسی سجدہ کے ترک کرنے سے شیطان مردود ہوا ہے۔ پس اُسے دیکھکر شیطان کی عداوت جوش میں آتی ہے۔ اُس کا لشکر دل کے اطراف کو گھیر لیتا ہے۔ طرح طرح کے خیالات کا القا کرتا ہے کہ مبادا اُس کا سجدہ قبول نہو جاے جو میرے لئے موجب لعن ہوا ہے۔

اقسامِ ذکرِ خدا واضح ہو کہ ذکرِ زبانی بے نتیجہ نہیں ہے کہ ذکر کرنیوالے کے لئے کوئی اثر نہ کرتا ہو بلکہ اُس سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے چنانچہ اہلِ ذکر نے کہا ہے کہ ذکر کے حسب مندرجۂ ذیل چار مرتبے ہیں۔ وہ سب نفع دینے والے ہیں۔ گو مقدار نفع کی مختلف ہے۔

(۱) ذکرِ محض زبانی۔

(۲) ذکرِ زبانی و قلبی۔ جو دل میں پوری طرح قرار نہ پکڑا ہو۔ بلکہ التفاتِ ذاکر پر اُس کا قرار موقوف ہو۔ جب دل کو اُس کے حال پر چھوڑ دیں تو ذکرِ خدا سے غافل اور وسوسہ پر مائل ہوتا ہو۔

(۳) ذکرِ قلبی۔ جو دل میں قرار پکڑا ہوا اور اُس پر غالب ہوا ہو مثلاً دل صرف ذکر، ذاکر کے التفات کا محتاج نہو۔ بلکہ جب اسکو اُس کے حال پر چھوڑ دیا جاے تو بھی خدا کے ذکر میں مشغول ہو۔

(۴) ذکرِ قلبی۔ کہ سوائے خدا کے اور کچھ دل میں نہو۔ بلکہ اُس ذکر سے بھی جو کر رہا ہے غافل ہو۔ اس مرتبہ والا ذکر کو حجابِ مطلوب و مقصود جانتا ہے۔ یہ مرتبہ مقصود و مطلوبِ حقیقی ہے اور باقی مراتب بالعرض مطلوب ہیں۔

فائدہ دفع وساوس | اگرچہ ابواب خواطر کا بند کرنا اور وسوسہ کا دفع کرنا نہایت مشکل ہے۔
لیکن اس کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ یہی مفتاح خزانۂ سعادت و بابِ مرادات ہے۔ کیونکہ دل ایک
ظرف کے مانند ہے۔ اس کا خالی رہنا مشکل ہے۔ لامحالہ جب وہ فکرِ فاسد سے خالی ہوگا تو
محلِ ذکرِ خدا و لشکرِ ملک ہو جائیگا۔ اُسکو یادِ خدا کی ہمیشہ محبت ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے
مرتبہ شوقِ لقا و محبت پیدا ہوگا۔ دروازے معرفت کے کھولے جائینگے۔ فیوضات اُس
عالم کے نازل ہوں گے۔ ظلماتِ شکوک و وہم سے انسان باہر آئیگا۔ اُسوقت نفس کو مرتبہ
اطمینان عقائد و معرفت میں حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ (اَلَا
بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ) ترجمہ یادِ خدا سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ لیکن ایسا
اطمینان نفس کی خواطر و وسوسہ سے خلاصی پر۔ صفاتِ رذائل کے تخلیہ پر۔ شرائفِ ملکات
سے متصف ہونے پر۔ اور ذکرِ خدا کی عادت کرنے پر موقوف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ اوصافِ مذکور کے حاصل ہونے پر ہمیشگیِ ذکر سے نفس کو ایک طرح کی صفائی و خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ قوۂ عاقلہ کو ایک قسم کی تقویت پہنچتی ہے جس سے وہ تمام قوتوں پر مستولی
و غالب ہو جاتی ہے۔ اُن کی کشمکش اُس پر اثر نہیں کرتی۔ قوۂ واہمہ و متخیلہ کی باگ اسطرح
ہاتھ میں لیتی ہے کہ بغیر امر و نہی قوۂ عاقلہ کے اُن کے لئے کوئی تصرف ممکن نہو۔ جب یہ حالت
ثابت ہو گئی اور ملکہ حاصل ہوا تو ان دونوں قوتوں کو عاقلہ کی اطاعت و فرماں برداری کا
ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہرزہ گردی و پریشانی سے باز رہتی ہیں۔ سوائے خواطرِ نیک کے خزانۂ
غیب سے اور کچھ اُسکے دل میں نہیں گزرتا۔ نفس قوتِ عاقلہ کا مطیع ہوتا ہے۔ نزاعِ شیاطین
برطرف ہوتی ہے۔ بلکہ شیطان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور لشکرِ ملک بغیر نزاع کے
اُس میں قائم ہوتا ہے۔ نفس مقامِ اطمینان میں قرار لیتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ یادِ خدا سے

جب نفس کو اطمینان ہوگیا تو وسوسوں کا سد باب ہوجاتا ہے۔
اسوقت یہ لازم ہے کہ روشنی عالم قدس کی دل میں پرتو ڈالے۔ روشنیاں انوار الہیہ کی طاقِ ربوبیت سے اس پر چمکیں علم معرفت میں بھی اطمینان حاصل ہو خطاب (یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً) کا مستحق ہو۔ یعنے اے نفسِ مطمئنہ جیسا کہ عالم قدس سے اس عالم میں ابتداءً آیا ہے ویساہی پروردگار کی طرف راضی وخوشنود واپس جائے۔ برخلاف اس کے وہ نفس جو صفاتِ خبیثہ سے ملو واخلاق رذیلہ سے ملوث ہے۔ اس میں ملائکہ کے راستے مسدود اور شیاطین کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ لشکرِ شیطان اس جگہ مسکن بناتا ہے۔ وہاں سے سیاہ دھواں اٹھتا ہے جو دلکو اطراف وجوانب سے گھیر لیتا ہے۔ اس سے نورِ یقین نابود اور چراغ ایمان خاموش ہوتا ہے نیکی کا اسے خیال بھی نہیں آتا بلکہ ہمیشہ وسوسۂ شیاطین میں گرفتار رہتا ہے۔ اگر وہ کبھی نیکی کی فکر بھی کرے تو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ اس میں بھی شیطنت بھری ہوئی ہے ایسے قلب سے نیکی کی امید نہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر وعظ ونصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ نیک بات اسکی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا دیدۂ بصیرت اندھا اس کا گوش ہوش بہرا ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر ایسے لوگ پند ونصیحت و وعظ کو فضول سمجھتے ہیں۔ آیاتِ متعددہ میں خدائے تعالی نے اس نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے (اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا) خلاصہ معنی یہ کہ حضرتِ رسول سے خطاب فرماتا ہے کہ جس نے اپنے ہوا وہوس کو خدا قرار دیا یعنے اسکی اطاعت کی آیا تم اسکو اصلاح پر لا سکتے ہو اسکے فساد کو دفع کرسکتے ہو؟ پھر فرماتا ہے (خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ) یعنے خدائے تعالی نے پردۂ غفلت کو

اُن کے دل وگوش وچشم پر ضبوط کیا ہے پس وہ حق کو نہیں سمجھتے سُن سکتے نہیں دیکھتے ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے (اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا) یعنی ایسے لوگ چارپایوں کے مانند ہیں بلکہ بہت زیادہ گمراہ ہیں۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے (وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ) خلاصہ معنی یہ ہے کہ تیری نصیحت وتہدید ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ انکو ڈرانے یا نہ ڈرانے دونوں حالتیں مساوی ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائینگے۔ ان دونوں نفوس کے علاوہ ایک اور نفس ہے جو نہ سعادت میں اوّل کے مانند ہے اور نہ شقاوت میں دوسرے کے مثل بلکہ ان دونوں کے درمیان متوسط ہے۔ وہ مراتب مختلف رکھتا ہے اُس کا بیان طویل ہے۔ اکثر عام مسلمانوں کے نفوس اسی قسم کے ہیں۔

فصل (۵)

شرافتِ افکارِ حسنہ وخواطرِ محمودہ اور اون کے اقسام۔

واضح ہو کہ وسوسہ وخواطرِ ردیّہ کے مقابل وہ خواطرِ نیک وافکارِ حسنہ ہیں جو شرعاً یا عقلاً نیک ہوں وہ چھ قسم پر ہیں۔ اسلئے کہ خیالاتِ حسنہ یا تو کسی فعلِ حسن کا مبدء ہوں گے اور انسان کو کسی نیک کام پر آمادہ کرینگے اور یا اُن کا تعلق افعال سے نہ ہوگا۔ یہ آخری صورت پانچ قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔

(۱) ذکرِ قلبی ویادِ خدا۔

(۲) مسائلِ علمیہ ومعارفِ حقانیہ مثل مبدء ومعاد واحکام واوامر ونواہی واعمالِ عباد وصفات واخلاق وکیفیتِ حشر ونشر وغیرہ میں تفکر کرنا۔

(۳) دنیا کی بیوفائی کو پیشِ نظر رکھنا اور حالاتِ گزشتگاں سے عبرت حاصل کرنا۔

(۴) عجائبِ صنعِ پروردگار وآثارِ قدرتِ کاملہ میں غور وفکر کرنا۔

(۵) جو اعمال و افعال اُس سے سرزد ہوئے ہوں اور جن کے سبب سے رحمتِ خدا سے نزدیک
یا دور ہوا ہو اُن میں تدبّر کرنا اور شکر یا توبہ سے کام لینا۔
افکارِ حسنہ کے یہ اقسام جو بیان ہوئے۔ ان کے سوائے اور کوئی فکر مفید مقصود نہیں کہلا سکتی کیونکہ
ان کے علاوہ جتنے افکار ہوں گے سب دنیا کے متعلق ہونگے۔ اور افکار متعلق دنیا سے سوائے
اسکے کہ قلب مردہ ہو اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ شرافت قسمِ اوّل یعنے قصدِ افعالِ حسنہ کی تفصیل باب نیّت میں کیجائیگی۔
قسم دوم یعنے ذکرِ قلبی کی فضیلت کا بیان اُسی کے باب میں کیا جائیگا۔ قسم سوم یعنے تدبّر
مسائل و معارف کا ذکر بیانِ علم میں ہو چکا۔ قسم چہارم کا بیان طولِ امل اور مذمتِ دنیا
بیانِ موت کے باب میں کیا جائیگا۔ اس مقام پر صنایعِ الٰہی میں تفکّر اور خود اپنے اعمال پر غور
کرنے کے متعلق ضبطِ تحریر کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صنایعِ الٰہی میں غور کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کی شرافت ہر شخص پر ظاہر ہے
اسلئے کہ تفکر اُسے کہتے ہیں کہ انسان حالاتِ آفاقیہ و انفسیہ کی سیر کرے۔ اُنھیں دیکھکر خالق
کائنات کو پہچانے۔ اُس کی عظمتِ کاملہ کو معلوم کرے۔ خلقتِ انسان سے یہی مقصود ہے
اور اسی سے انسان کو کمال ترقی میسّر آ سکتا ہے۔ یہ خزائنِ اسرارِ الٰہیہ کی کلید ہے مشکوٰۃ
انوار قدسیہ ہے۔ اسی کے سبب سے گوشِ ہوش شنوا اور دیدۂ عبرت بینا ہوتے ہیں۔
یہ ایک دام ہے کہ معارفِ حقہ کو بغیر اُس کے وسیلہ کے صید نہیں کر سکتے۔ یہ ایک کمند ہے
کہ حقیقتِ یقین کو بغیر اُس کی مدد کے قید نہیں کر سکتے۔ مرغِ دل کا آشیانۂ قدس کی طرف
پرواز کرنا سوائے اس بال و پر کے میسّر نہیں۔ اور روح کا وطنِ حقیقی کی طرف بغیر اس مرکب
کے گزر نہیں۔ ظلمتِ نادانی زائل اور نورِ علم اُسی سے حاصل۔ اسی وجہ سے آیات و اخبار

اُسکی بزرگی میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے (اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِہِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ) یعنے کیا لوگ غور نہیں کرتے کہ خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے اُسکو سوا بصیرتِ حق پیدا کیا ہے۔ بیکار و فضول نہیں پیدا کیا۔" پھر فرماتا ہے (فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ) یعنے اے دیکھنے والو عبرت حاصل کرو" پھر فرماتا ہے (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ) یعنے تحقیق کہ آسمانوں اور زمینوں کے خلق کرنے میں جو علاماتِ قدرتِ کاملہ خالق کے ہیں اُنکو صاحبانِ ہوش و عقل جانتے ہیں" دوسری جگہ فرماتا ہے (اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) یعنے جو لوگ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے لیٹے ہوئے خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں فکر کرتے ہیں" حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ صاحبِ بصیرتِ قلب کی زندگی تفکر سے وابستہ ہے۔ نیز انھیں حضرت سے روایت ہے کہ "ایک ساعت فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے" اور اس مرتبہ تفکر پر وہی فائز ہوتا ہے جو توحید و معرفتِ الٰہی کیلئے مخصوص ہو چکا ہو۔ پھر اُس جناب سے مروی ہے کہ "خدا اور اسکی قدرت میں فکر کرنا بہترین عبادت ہے" خدا میں فکر کرنے سے اُسکی عجائبِ صنائع میں فکر کرنا مراد ہے نہ اسکی ذاتِ مقدس میں کیونکہ ذات میں فکر کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ ذکر کیا جائیگا۔ سید اولیا سے مروی ہے کہ "آدمی کو اس فکر سے نیکی کی اور اس پر عمل کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔" دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ "فکر سے اپنے دلکو آگاہ کرو" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ "جولانی فکر سے نفع بخش رائے حاصل ہوتی ہے" امام جعفر صادق علیہ السلام

سے روایت ہے کہ فکر نیکیوں کا آئینہ گناہوں کا کفارہ۔ دلوں کی روشنی اور دین کی وسعت ہے۔ اس سے امور حقیقی بطرز احسن انجام پاتے ہیں۔ انجام امور پر اطلاع اور علم میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایک خصلت ہے کہ اس کے مثل کوئی عبادت نہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ نماز و روزہ کی زیادتی عبادت نہیں۔ بلکہ امر پروردگار میں تفکر کرنا عبادت ہے۔

عجائب صنع پروردگار میں فکر کرنے کی فضیلت

واضح ہو کہ موجودات میں سے ہر وجود میں عجائب صنع پروردگار اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق میں فکر و اندیشہ کے ساتھ غرائب قدرت آفریدگار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اقلیم وجود میں سوائے ذات پاک آفریدگار کے جو کچھ پایا جاتا ہے اسی کے رشحات وجود میں سے ایک رشحہ ہے۔ اور اسی دریائے فیض وجود بے پایان کا ایک قطرہ۔ اگر بلندی عالم ملائکہ سے منزل مادیات کی پستی تک سیر کریں تو بجز اسکی صنعت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر آسمان سے زمین تک نظر اٹھائیں تو بغیر آثار قدرت کاملہ کے کچھ پایا نہیں جاتا۔ مجردات و مادیات اسی کی صنعت عجیبہ ہیں۔

زمین۔ فلک۔ عنصر۔ مرکبات اسی کے کمالات غریبہ ہیں۔ ذرات عالم میں سے کوئی ذرہ نہیں ہے جس میں عجائب حکمت و غرائب عظمت پروردگار نہو۔ اگر تمام علما و حکما عالم پیدائش سے قیامت تک اُن کو معلوم کرنے کی کوشش کریں تو دس حصہ میں سے کم از کم ایک حصہ بھی نہیں پا سکتے۔ پھر کیونکر تمام موجودات کے آثار قدرت کاملہ کو دل میں لا سکتے ہیں۔ جو موجودات عدم سے وجود میں آئے ہیں اُنمیں بہت سے ایسے ہیں جنکو ہم نہیں پہچان سکتے۔ نہ انکو اجمالاً یا تفصیلاً جان سکتے ہیں۔ نہ اُنکا نام سنا ہے۔ نہ اُن کی علامت معلوم ہے۔ ہمارا دست تصرف وہم اُن سے کوتاہ ہے۔ نہ قدم اندیشہ کو وہاں تک راہ ہے۔ پس اُن میں فکر کرنا اور اُن کے

عجائب وغرائب کا پانا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ ہماری فکر انھیں پر منحصر ہے جن کے وجود کو مجملاً ہم جانتے ہیں۔ اُن کی اصل کو پہچانتے ہیں۔ اُن کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو دیکھی نہیں جاتی اور چھونے میں نہیں آتی۔ اُنکو عالمِ ملکوت کہتے ہیں مثلاً عالمِ عقول و نفوس وملائکہ وجن وشیاطین ان کی بےشمار قسمیں ہیں۔ سوائے خالق کے کوئی اُن کو نہ جان سکتا ہے نہ پہچان سکتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو مشاہدہ ومحسوس ہوتی ہے۔ اُس کے تین طبقے ہیں۔ پہلا وہ جو عالمِ افلاک میں نظر آتے ہیں وہ ثوابت وسیارے ہیں جنکی گردشیں لیل ونہار ہیں۔ دوسرا زمین پر مثلاً کوہ۔ بیابان۔ دریا۔ جھیل۔ نہر۔ اشجار۔ نباتات۔ حیوانات۔ جمادات۔ تیسرا عالم ہوا میں مثلاً رعد برق۔ برف۔ باران۔ باد۔ ابر۔ صاعقہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کے بےشمار انواع و اصناف ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے ایک صفت واثر وہیئتِ خاص ہے۔ اُسکی خاصیت ظاہری وباطنی وحرکت وسکون بربنائے حکمت ومصلحت ہے۔ اور سوائے خداوندِ دانا کے اور کوئی اُسکی حقیقت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ ان میں سے ہر شئے محلِ تفکر ہے اور دیدۂ بصیرت ومعرفت کے لئے روشنی بخش۔ کیونکہ یہ سب کے سب وحدانیتِ حکمت وکمالِ قدرت وعظمتِ خالق پر متفق اور گواہانِ عادل وصادق ہیں سے برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار۔ جب کوئی دیدۂ بصیرت رکھتا ہو۔ قدمِ حقیقت سے عالمِ وجود میں متلاشی ہو تو اُس پر خداوندِ عالم کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ذرۂ مخلوقات میں عجائبِ حکمت وآثارِ قدرت اسقدر نظر آتے ہیں کہ اُسکی سمجھ حیران اور عقل دیوانی وسرگردان رہتی ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ طبقاتِ عوالمِ پروردگار شرافت ووسعت میں باہم متفاوت ہیں۔ جو طبقہ کہ حالتِ پستی میں ہے۔ اُسے مافوق سے کوئی نسبت نہیں پس عالمِ خاک کہ پست ترین عوالمِ خداوندِ پاک ہے۔ اُس کے لئے بمقابلۂ عالمِ ہوا کچھ قدر

نہیں ہے۔ اور عالمِ ہوا کی بلحاظِ قیاس عالمِ سموات کوئی حقیقت نہیں۔ اسیطرح عالمِ سموات
کو عالمِ مثال سے اور عالمِ مثال کو عالمِ ملکوت سے اور عالمِ ملکوت کو عالمِ جبروت سے کوئی نسبت
نہیں ہے۔ اسی طرح موجوداتِ ارضیہ اصل زمین کے سامنے ہیچ ہیں۔ الغرض اُن میں سے
ہر ایک عالم کے متعلق افراد و انواع بے شمار ہیں اور اُن کے عجائب کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا
علما و حکما نے عجائبِ صنائع و غرائبِ بدائع کے بیان میں دفتر کے دفتر لکھے ہیں لیکن حقائق کا
ایک شمہ بھی ادا نہو سکا۔ ہم اس جگہہ حیواناتِ ضعیف میں سے پشہ (مچھر) و زنبور کے عجائبات
کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اشرفِ حیوانات میں عجائبات انسانیہ کی طرف کسیقدر اشارہ کیا جاتا ہے
ایک صاحبِ فہم انھیں پر قیاس اور دیگر عوالم کی نسبت اپنی رائے قائم کرسکتا ہے۔

عجائب خلقت پشہ

مچھر کو غور کیجئے کہ وہ باوجود چھوٹا سا جسم رکھنے کے ہاتھی کی صورت پر خلق
ہوا ہے جو تمام حیوانات سے بڑا ہے۔ اُسکو ایک سونڈ ہاتھی کی سونڈ کے مثل عطا ہوئی ہے
وہ تمام اعضا جو ہاتھی کو ملے ہیں وہی اُسکو بھی۔ اور اُس کے دو پر اور دو شاخ ہاتھی سے
زیادہ ہیں۔ اس جثہ ضعیف پر تمام اعضائے ظاہری و باطنی اُس کے لئے موجود ہیں۔
دو ہاتھ۔ دو پائوں۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ سر۔ شکم معدہ وغیرہ نیز وہ تمام قوتیں جو بدن
کی محافظ ہیں یعنے غاذیہ و جاذبہ و دافعہ و ماسکہ و ہاضمہ و نامیہ اُسکو عطا ہوئی ہیں پھر خون
حیوانات کو اُسکی غذا مقرر فرمایا۔ اُسکو دو پر دئے کہ غذا کیلئے پرواز کرے۔ ایک سونڈ بھی
عطا کی جس سے خون کھینچے۔ اُسکی سونڈ کو باوجود نہایت باریک ہونے کے کھوکھلی بنایا کہ
اس کے ذریعہ سے خون صاف اوپر کھینچے۔ اپنی سونڈ کو حیوان کے جسم میں لیجائے۔ اور خون چوسنے
کا طریقہ سکھایا۔ انسان کی دشمنی سے مطلع کیا کہ جب انسان اپنے ہاتھ کو حرکت دے اور اس کا
قصد کرے تو بھاگ جائے۔ اُسے ایسی سماعت عطا کی کہ ہاتھ کی آواز کو دور سے سنتا ہے

اور بھاگ جاتا ہے۔ پھر جب ہاتھ ٹھہرا دیا جاتا ہے تو واپس آجاتا ہے۔ اسکو دو آنکھیں کرامت
فرمائیں جن سے اپنی غذا کا مقام دیکھتا ہے۔ اس طرف پرواز کرتا ہے چونکہ اسکو چھوٹی آنکھیں
دیتیں میں چھپر پلک کا سامان نہ ہو سکتا کہ گرد وغبار سے آنکھوں کی حفاظت کر سکے۔
اس لئے تنبیہ کی کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گرد وغبار کو آنکھوں سے دور اور صاف کر
لیا۔ چنانچہ تم نے دیکھے ہونگے حیوانات مثلاً مکھی مچھر اپنے ہاتھوں کو آنکھوں پر دمبدم مارتے ہیں
کہ آنکھوں سے گرد وغبار کو صاف کریں۔ اسکی تفصیل حضرت خدا ہیں اگر تمام اولین
و آخرین جمع ہوکر اس کے عجائبات ظاہریہ و باطنیہ کو معلوم کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ہے

عجائبات خلقت زنبور | زنبور کو غور کیجئے کہ خداوند حکیم نے اس کے آب دہن سے کیونکر
شہد و موم پیدا کیا۔ ایک نور و ضیا ہے۔ دوسرا مرہم و شفا ہے۔ اس کو اپنی غذا پھول
اور شگوفوں سے حاصل کرنے کی تعلیم کی۔ نجاست و کثافت سے پرہیز کرنے کی تفہیم دی۔
ان میں ایک کو بادشاہ مقرر کیا۔ اسکی ہیئت کو دوسروں سے ممتاز و بہتر کیا۔ اسکو عدل
و سیاست سکھایا۔ تمام کا خیرخواہ بنایا۔ سب کو اس کے امر و نہی کا مطیع و فرماں بردار کیا
اس نے گھر کے دروازے پر نگہبان مقرر کئے کہ جو نجاست لیکر گھر میں داخل ہو اسکو منع کرے
اور مار ڈالے۔ ان کو یہ ہوشیاری عطا کی کہ پہاڑ اور درختوں اور مکانوں کی بلندی پر
موم کا گھر بنائیں کہ آفتوں سے محفوظ اور درندگی سے محفوظ رہیں۔ ان کے گھروں کو دیکھئے
جو مسدس کی شکل پر بنائے جاتے ہیں اگر مستدیر بنتے تو باہر کا حصہ خراب و بیکار ہوتا
اگر مربع بناتے تو اس کے اندر کے کونے خالی رہتے لہذا انھوں نے مسدس شکل کو اختیار کیا
کہ باہر اور اندر کا کوئی مقام ضایع نہو۔

عجائبات خلقت انسان | ظاہر ہے کہ آدمی اول آب گندیدہ کا ایک قطرہ ہے جو تمام

اجزاے بدن میں متفرق تھا۔ خداوند حکیم نے اپنی حکمت سے مرد و عورت میں ایک محبت دی
اُن کو کمندِ شہوت سے مجامعت کی طرف مائل کیا۔ یہانتک کہ حرکتِ دافعہ سے نطفہ جائے متفرق
سے خارج ہوا اور آلۂ رجولیت کو دفع کی قوت اور عورت کے رحم کو جذب کی طاقت عطا کی
تاکہ مرد کے نطفہ کو اپنی طرف کھینچے۔ عورت کی منی کے ساتھ ملکر رحم میں قرار پکڑے۔ کبھی ایسا بھی
ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج کو پوری قوت قریبِ قوتِ ذکوریت حاصل ہوتی ہے۔ اور اُس کے
جگر کے مزاج کی حرارت کامل ہوا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں جو منی دائیں طرف کے گُردے سے
جدا ہوتی ہے بہ نسبت بائیں طرف کے گُردے کے اُسکی حرارت زیادہ ہوتی ہے اُس میں
آثار نطفۂ مرد ظہور میں آتے ہیں۔ اور وہ قائم مقام نطفۂ مرد ہوجاتی ہے۔ اور جو بائیں طرف کے
گُردے سے نکلتی ہے وہ عورت کے نطفہ کی قائم مقام ہوتی ہے۔ اُس حالت میں اگر رحم کی
قوتِ جذب و امساک بھی قوی ہو تو ممکن ہے کہ اگر کوئی قوت خارج سے اُسے پہنچ جائے تو صرف
عورت کے ہی نطفہ سے بچہ متولد ہو جیسا کہ روح القدس نے مریم بتول علیہما السلام کے پاس
بشکلِ انسان ظہور کیا۔ اُن کی امدادِ روحانی تمام قوتوں کو پہنچی اور حضرت عیسیٰ وجود میں آئے۔
متعلق جنین | حاصلِ کلام یہ کہ عورت کے رحم میں مرد کا نطفہ قرار پکڑنے کے بعد جیسا کہ تنور پر خمیر
بستہ ہو جاتا ہے جنین کی خلقت شروع ہو گئی۔ اور خدائے تعالیٰ نے حیض کے خون کو دفع ہونے سے
منع فرمایا۔ پھر نطفۂ بے شعور کو قوت دی کہ خون کو اعماقِ بدن سے اپنی طرف کھینچے۔ یہاں تک کہ خون
کے نقطے اُس میں ظاہر ہوے۔ اور اُسکی سرخی اور بڑھی یہانتک کہ خون بستہ ہو گیا۔ پھر ہواے
گرم کے ہیجان سے مضغہ کی صورت اختیار کی۔ اُسوقت خالق نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُس میں
نشانِ جوارح و اعضا پیدا کئے۔ صورت شکل ظاہر ہوئی۔ اور باوجود تشابہ اجزا اُسے مختلف اعضا میں
تقسیم کر دیا۔ مثلاً رگ و پے و استخواں و گوشت و چربی وغیرہ۔ اعضائے مختلف الاشکال ظاہر ہوے۔

سر کو مستدیر بنایا۔ آنکھ۔ کان۔ منہ۔ ناک باقی تمام منافذ مقرر کئے۔ ہاتھ اور پاؤں الگ الگ بنائے اور ہر ایک کو پانچ انگلیاں عطا کیں۔ اور ہر انگلی میں ناخن مقرر فرمایا۔ اس میں دماغ۔ دل جگر۔ شش۔ معدہ۔ رحم۔ مثانہ۔ انتڑی۔ غرض تمام اعضاے ضروریہ مع اُنکی خاص ہیئت و شکل کے مخصوص ہے ایجاد فرمائے۔ ہر ایک کو ایک شغل معین و عمل خاص میں مصروف کیا۔ ان تمام حالتوں میں جنین حجاب ظلمت رحم میں قید ہے۔ دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ کے دونوں طرف اور کہنیاں تہگاہ پر زانوں کو لپیٹے سینہ پر ٹھوڑی کو اپنے زانو پر رکھکر اپنی ناف ماں کی ناف سے ملاکر خون حیض کو بطور غذا کے چوستا ہے۔ لڑکے کا منہ پشت مادر کی طرف ہوتا ہے اور لڑکی کا منہ ماں کے منہ کی جانب۔ اُس جنین کو ان نادر نقوش کی جو اُس پہ وارد ہوتے ہیں کوئی خبر نہیں۔ اور نہ باپ ماں کو کوئی اطلاع۔ نہ کوئی نقاش اندر پیدا ہے نہ باہر کوئی مصور ہویدا ہے۔ اُس حالت میں یہ جنین گویا زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

رباعی

بالا تر از انی کہ بگویم چوں کن ٭ خواہی جگرم بسوز و خواہی خوں کن
من صورت تم و ز خود ندارم خبری ٭ نقاش توئی عیب مرا بیروں کن

اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہے تو عجائبات اعضا پر نظر کیجئے۔ ان ہڈیوں کو ملاحظہ کیجئے جو اُنھیں نطفۂ سیّال سے آب و خون کے اندر کیونکر سخت اور محکم پیدا کر دیا۔ اُنھیں ستون بدن قرار دیا۔ یہ سب مختلف الشکل اور مختلف المقدار ہیں۔ بعض چھوٹی ہیں بعض بڑی۔ کچھ سیدھی ہیں کچھ ٹیڑھی۔ بعض چوڑی ہیں بعض باریک۔ بعض جوف دار ہیں بعض ٹھوس۔ غرض حکمت و مصلحت کا جو تقاضا تھا وہی ظہور میں آیا۔ اور چونکہ انسان کبھی تمام بدن کبھی جزو بدن کبھی بعض اعضا کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے اُسکو ایک ہڈی سے خلق نہیں کیا۔ بلکہ اُس کو

بہت سی ہڈیاں دیں۔ اُن میں جوڑ مقرر کئے تاکہ ہر طرح کی حرکت حاصل ہو۔ جو ہڈی حرکت میں دوسرے کی محتاج نہیں اُس کو ٹھوس پیدا کیا۔ اور جو حرکت میں دوسرے کی محتاج ہے اُس میں جوف کم رکھا۔ اور جس کا ہلکا ہونا مطلوب ہے اُس میں جوف زیادہ قرار دیا۔ ہر ایک استخوان کی غذا جو مغز ہے اُس کے اندر مقرر کی کہ ہڈیاں بسبب حرکت کے خشک نہوں۔ ایک دوسرے سے رگڑ کھاکر ضایع نہوں۔ ہڈیوں کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وصل کردیا اسطرح کہ ایک ہڈی کا سرا بڑھا ہوا ہے اور دوسرے میں گڑھا ہے۔ یہ بڑھا ہوا سرا اُس گڑھے میں داخل ہوکر پیوست ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ ہڈی ایک جسم سخت ہے اور گوشت نرم اُن کا ایک دوسرے سے وصل ہونا ممکن نہ تھا لہذا گوشت اور ہڈی کے درمیان ایک دوسرا جسم ہڈی سے پیدا کیا جسکو (غضروف) کہتے ہیں۔ تاکہ اُس کے ساتھ گوشت متصل ہو جاے اور اُس کا اتصال ہڈی سے ہو

اب ذرا رگوں کے عجائبات کو ملاحظہ کیجئے کہ یہ رگیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ رگیں جو حرکت کرتی ہیں۔ دوسری وہ جو ساکن ہیں۔ پہلی کو شرائین۔ دوسری کو اوردہ کہتے ہیں۔ شرائین وہ رگیں ہیں جو دل سے نکلکر تمام اعضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ دل جو سرچشمۂ حیات و منبع روحِ حیوانی ہے۔ وہاں سے اُس روحِ حیوانی کو تمام اعضاو جوارح تک پہنچائیں۔ اُن بخاراتِ دخانیہ سے دل کی محافظت کریں جو معدے سے متصاعد ہوا کرتے ہیں۔ اور نسیمِ صاف کو خارج سے دل کے لئے جذب کریں۔ ان کی حرکت دو قسم کی ہے

(۱) انقباضی۔ اس حرکت کے ذریعہ سے تمام بخاراتِ ردیہ دل سے خارج ہوتے ہیں۔

(۲) انبساطی۔ اس حرکت کے ذریعہ سے ہوائے صاف کو جذب کیا جاتا ہے۔

چونکہ اِن رگوں کا ہمیشہ متحرک ہونا ضرور ہے اس لئے خداوند حکیم جلّ شانہ نے اُن کو دو پوست میں

پیدا کیا کہ مضبوط رہیں اور حرکت سے شگافتہ نہو جائیں۔ اور چونکہ شش کی غذا دل سے پہنچنا ضروری ہے لہذا انھیں رگوں میں سے ایک کو اس خدمت پر مقرر کیا جسکو شریانِ وریدی کہتے ہیں۔ وہ اسی کام پر مامور ہے اس کا ایک سرا دل میں اور دوسرا سرا شش میں گیا ہے اور اس سرے پر اس کی بہت سی شاخیں ہوگئی ہیں تاکہ غذا کو دل سے لیکر تمام اجزاے شش میں پہنچائے۔ چونکہ شش نرم اور اس کا پوست نازک ہے لہذا اس رگ پر ایک پوست پیدا کیا تاکہ اسکی سختی و حرکت سے ایذا نہو۔

دوسری قسم کی رگیں یعنے اوردہ۔ ان کا کام یہ ہے کہ معدہ سے جگر میں اور جگر سے تمام اعضا میں غذا پہنچائیں۔ چونکہ وہ ساکن ہیں ان پر کوئی صدمہ وارد نہیں ہوتا اس لئے انھیں ایک پوست سے خلق کیا۔ مگر ان میں سے ایک کو وریدِ شریانی کہتے ہیں۔ کہ وہ جگر سے نکلکر دل میں داخل ہوئی ہے۔ وہ غذاے شش کو جگر سے دل میں پہنچاتی ہے۔ اور دل اسکو شریانِ وریدی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کو دو پوست سے پیدا کیا کہ صدمہ سے حرکت دل کے خراب نہو۔ اللہ اکبر کیا کیا حکمتیں ہیں؟ کیا کیا عجائب و غرائب ہیں؟

(سُبْحَانَہٗ مَا اَجَلَّ شَانُہٗ وَاَعْظَمَ بُرْہَانُہٗ)

متعلق استخوان سر اب آئیے سر اور اس کے عجائباتِ خلقت میں غور کیجئے۔ اسکو مختلف اشکال کی ہڈیوں سے بنایا ہے۔ باطن کو تمام حواس کا مجمع کیا ہے کاسۂ سر چھ ہڈیوں سے بنا ہے۔ ان میں سے دو ہڈیاں بجاے سقف کے اور چار بمنزلہ دیوار کے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے سے وصل ہیں۔ اور مقامِ اتصال جسے شئون کہتے ہیں۔ اس میں بہت سی درزیں رکھی ہیں تاکہ جو بخارات دماغ میں پہنچتے ہیں ان کے ذریعہ سے باہر نکلیں۔ اور سر میں رہکر بیماری کا سبب نہوں۔ چونکہ ان چار ہڈیوں کو جو مثل دیوار کے ہیں بمقابل ان دو ہڈیوں کے

جو اوسیں زیادہ صدمہ پہنچتا ہے اسلئے اُن کو سخت پیدا کیا۔ پھر اُن چار ہڈیوں میں سے ایک ہڈی جو سر کے پیچھے واقع ہے دوسرے سے زیادہ مضبوط لگیگی۔ کیونکہ وہ پیچھے ہونے کی وجہ نظر سے پوشیدہ ہے۔ آنکھوں سے اُسکی حفاظت ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اُسکو زیادہ مضبوطی عطا کی گئی کہ ہر آفت سے محفوظ رہے۔ پھر دماغ کو چکنا اور نرم خلق کیا تاکہ جو رگیں اُس سے اُگیں وہ نرم ہوں اور ٹوٹنے نہ پائیں۔ اور محسوسات کی صورتیں اس سے قائم رہیں۔ اُس کے مزاج کو سرد و تر گردانا۔ تاکہ حرارتِ فکریّہ کے سبب سوختہ نہو جاوے۔ دماغ کے دو پردے مقرر کئے جو پردہ دماغ سے متصل ہے وہ نرم و نازک ہے۔ اور اُس میں بہت سے سوراخ ہیں جن سے دماغ کے فضلات باہر جاتے ہیں۔ اصل دماغ کو دو قسم پر تقسیم کیا۔ ایک بہت نرم بہ نسبت دوسرے کے ہے۔ اور بیچ میں اُن کے پردۂ نازک پیدا کیا کہ نرم کو سخت سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دماغ کے نیچے پردۂ غلیظا اور ہڈی کے درمیان ایک صفحۂ فرش مشبک قرار دیا ہے۔ جو دل و جگر سے دماغ کی طرف صعود کرنے والی شرائین سے بنا ہے۔ وہ خون و روح جو دماغ کی غذا کے لئے دل و جگر کی طرف سے اوپر چڑھتے ہیں وہ اُسی صفحۂ مذکورہ میں ٹھیر کر نضج پاتے ہیں۔ اُن میں برودت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خون تدریجی طور پر برودت حاصل کر کے دماغ کی غذا بنتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خونِ جگر اور روحِ قلب دماغ کی غذا بننے کی صلاحیت نہ رکھتے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ حسّ و حرکت کا منشا اور مبدء دماغ ہی ہے۔ باقی تمام اعضا بذاتِ خود کوئی حس نہیں رکھتے۔ پس خداوندِ عالم نے دماغ سے بہت سی رگیں پیدا کیں۔ اور اُنھیں تمام اعضا میں پھیلا دیا تاکہ دماغ کے احساس کا اثر تمام اعضا میں پہنچ جاوے۔ اگر یہ رگیں سب کی سب دماغ سے پیدا ہوتیں تو ضرور تھا کہ سر سنگین اور اندازے سے بڑا ہوتا لہذا اس خرابی کو رفع کرنے کے لئے خداوندِ عالم نے مادۂ دماغ سے ایک سفید رگ خلق کی جسے نخاع کہتے ہیں

اور اُس سوراخ میں سے جو کاسۂ سر کے نیچے ہے اُس رگ کو نکالکر استخواں کے اندر ہی اندر پیٹھ تک پہنچا دیا۔ اور اُس رگ سے بہت سی رگیں پیدا کر کے تمام اعضا میں دوڑا دیں۔ پس دماغ بمنزلہ چشمہ ہے۔ اور حرام مغز یعنے پیٹھ کے مہروں کا مغز (نخاع) بڑی نہر کے مانند ہے جو اُس چشمہ سے جاری ہے۔ باقی تمام رگیں چھوٹی چھوٹی نہروں کے مانند ہیں۔

متعلق چشم | آنکھ کی طرف ایک نظر دیکھئے؟ کہ اسکو شکلِ نیک۔ ہیئتِ دلکش۔ رنگ مرغوب طرز محبوب پر پیدا کیا۔ اس کے لئے سات طبقے مقرر کئے اور تین رطوبتیں قرار دیں کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی متغیر ہو تو نگاہ میں خلل واقع ہو جائے خیال کیجئے؟ کہ آسمان باین ہیئتِ بزرگ اُس پتلی میں سما جاتا ہے جو مسور کے دانے سے زیادہ نہیں۔ پھر ہر ایک آنکھ کو پپوٹے عطا کئے تاکہ گرد و غبار و دیگر اشیاے ایذا رساں سے آنکھ کی حفاظت کریں۔ اور نیچے کا پپوٹا چونکہ ساکن رہتا ہے اِس لئے اُسے چھوٹا خلق کیا تاکہ حدقۂ چشم کو ڈہانک نہ لے۔ اور آنکھ کے فضلات اُسمیں جمع نہوں۔ اِن پپوٹوں کو مژہ سے زینت دی اس لئے کہ جب کھلی ہو تو موذیات کے ضرر کا خوف رہتا ہے اُسوقت مژہ اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ چنانچہ جسوقت آندہی چلتی ہو۔ اور آنکھ کھولنے میں گرد و غبار کا خوف ہو تو اُسوقت نیچے اور اوپر کی مژہ کو ملا لیتے ہیں جو ایک قفس کے مانند بن جاتی ہے۔ اور اُس قفس میں سے نظر دوڑائی جاتی ہے۔

متعلق حکمتِ گوش | گوش ہوش سے کان کی حکمتوں کا بھی ایک شمہ سن لیجئے؟ کیونکر خدا تعالےٰ نے اُس کو شگافتہ کیا۔ اور اُس میں ایسی قوت قرار دی جو تمام مختلف آوازوں میں امتیاز کرے آدمی دوسرے کے دل کی باتوں کو اُس کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے۔ دونوں کان کے سوراخ پر ایک بلندی مثل سیپی کے خلق فرمائی ہے تاکہ گرمی و سردی سے حفاظت ہو۔ کان کے سوراخ میں بہت سی گردشیں مقرر کیں۔ کہ اگر کوئی حیوان کان میں جانے کا ارادہ کرے تو آسانی سے

داخل نہو سکے۔ باوجود اِس کے اُس جگہ بدبودار اور تلخ میل پیدا کر دیا تاکہ حشرات الارض اور موذی جانور اُس سے نفرت کریں۔ اور کان میں داخل نہوں۔

متعلق چہرہ و پیشانی آدمی کی صورت پر غور کیجئے؟ اور دیکھئے؟ کہ پیدا کرنے والے نے اسکو کسقدر زینت دی ہے۔ اسکو پیشانی بھویں۔ آنکھ۔ ناک۔ منہ۔ ٹھوڑی غرض ہر شئے حسبِ حکمت و مصلحت عطا کی۔ داڑھی کو مرد کے لئے حسن اور عورت کے لئے بدصورتی قرار دیا۔ ناک میں دو سوراخ رکھے جنسے سونگھنے کی قوت دی۔ کہ اُس کے ذریعہ سے غذائے نیک و بد کا امتیاز کریں اُن سوراخوں سے ہوائے صاف کو دل میں جذب اور ہوائے گرم و بدبُو کو دفع کیا جاے اور جو فضلات دماغ میں جمع ہوتے ہیں اُن سے دفع ہوں۔ چونکہ راستے کے بند ہونے کے باعث ہوا کا جذب ہونا اور فضلات کا دفع ہونا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے اس طرح قرار دیا کہ ہمیشہ اُن دو سوراخوں سے ایک ہوا کے کھینچنے کے واسطے اور دوسرا دفع فضلات کے لئے ہو۔ اسی وجہ سے اِن دو میں سے ایک کھلا ہوا اور دوسرا فی لحالہ بند رہتا ہے۔ مُنہ کشادہ رکھا۔ اور اُس میں زبان خلق فرمائی۔ جو دلی حالت کی ترجمان ہے۔ اُسے لغاتِ مختلفہ میں بات کرنے کی قوت عطا کی۔ ہر حرف کا مخرج بتلایا۔ مُنہ کو دو جبڑوں سے خلق کیا۔ اور اُن میں اسطرح پیوند کر دیا کہ نیچے کا جبڑا چکّی کے مانند گردش کرتا ہے۔ کھانے کو باریک کرتا ہے اور اوپر کا جبڑا ساکن رہتا ہے بخلاف چکّی کے کہ اوپر کا پتھر گردش کرتا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ کاسۂ سر جو مقامِ دماغ و حواس ہے اوپر کے جبڑے پر مقرر ہے۔ اگر وہ حرکت کرنیوالا ہوتا تو حواس مضطرب و پریشان رہتے۔ اِن دونو جبڑوں میں دانت نصب کئے۔ اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اُنکی صفیں آراستہ کیں۔ اُن کی جڑیں محکم کر دیں اُن کی صورت بہ مقتضائے مصلحت مختلف بنائی۔ بعض کو چوڑے بنایا جیسے چکّی میں دندانے ہوتے ہیں۔ ان سے غذا چبائی جاتی ہے۔ اور بعض کو تیز خلق کیا تاکہ اگر ٹکڑے کرنیکی ضرورت ہو

تو اُن سے ٹکڑے کریں مثلاً آگے کے دانت جن کو رباعیات کہتے ہیں بعض کو اُن میں سے متوسط خلق کیا۔ اور چونکہ غذا کا چبانا اس امر پر موقوف ہے کہ وہ دانتوں کی گردش کے نیچے آئے پھر چبائی ہوئی غذا فضاے دہن میں پہنچے اور وہ غذا جو چبائی نہیں گئی ہے دانتوں کے نیچے آئے اس لئے زبان کو تعلیم کی کہ وہ غذا چبانے کے وقت منہ میں گردش کر کے اس غرض کو پورا کرے۔ پھر حلق میں یہ قوت رکھی کہ چبانے کے بعد غذا نیچے اُتار لے اور چونکہ اکثر غذا خشک ہوتی ہے اُس کا اندر جانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے زبان کے نیچے چشمہ جاری کیا کہ اُس سے پانی بقدرِ ضرورت کے منہ میں آئے۔ اور غذا اُس میں خمیر ہو کر نیچے اُترے۔ منہ کے آخری حصہ میں حنجرہ خلق کیا۔ اور اُسے تنگی اور کشادگی و ہمواری و بلندی و کوتاہی میں مختلف بنایا۔ تاکہ مختلف آوازیں اُس میں سے نکل سکیں اور ایک دوسرے کے مشتبہ نہوں پھر گردن کو دراز قرار دیکر سر اُس کے اوپر رکھدیا۔ اور گردن کو سات مہروں سے مرکب کیا جو مجوف ہیں۔ اور ایک دوسرے پر منطبق۔ اور گردن کی منفعت زیادہ تر ہے کہ وہ ادہر اُدہر حرکت کر سکے۔ لہذا اُس کے مہروں کے جوڑ ایسے خلق کئے جو ہر طرف حرکت کر سکیں۔ اور اُنھیں بہت سے رگ و پے سے بستہ کر کے محکم کر دیا۔

متعلق معدۂ انسان اب نظر کیجئے؟ کہ عجائبات معدہ اور اُن سامانوں پر جو ہضم و طبخ غذا کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ اور ملاحظہ کیجئے؟ کہ حلقوم کے سرے پر کئی طبقے ہیں جو غذا اندر جانے کے وقت کشادہ ہوتے ہیں۔ اور غذا اُتر جانے کے بعد سکڑ جاتے ہیں۔ پھر معدہ کو دیگ کے مانند خلق کیا۔ اُس میں ایک قسم کی حرارت پیدا کی۔ اس حرارت سے نیز جگر طحال۔ پشت اور وہ چربی جو معدہ پر لپٹی ہوئی ہے اُنکی حرارت سے معدہ میں غذا پختہ ہوتی ہے۔ اور کشکاب کے مانند غلیظ ہوجاتی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ یہ کیلوس صاف

ہوکر جگر میں پہنچے اور وہاں سے تمام اعضا میں تقسیم ہو۔ لہذا خداوندِ عالم نے معدے کے
سرے پر رگیں پیدا کیں جنکو ماساریقا کہتے ہیں۔ یہ ماساریقا ایک دوسری رگ سے متّصل
ہے جو باب الکبد کہلاتی ہے۔ اور اُس کا ایک حصّہ جگر میں نفوذ کئے ہوے ہے۔ اس حصّہ سے
بہت سی رگیں نکل کر تمام اجزاے جگر میں پھیلی ہوی ہیں۔ ان کو عروقِ لیفیہ کہتے ہیں۔
پس کیلوس کا خالص حصّہ ماساریقا کے ذریعہ سے باب الکبد میں پہنچتا ہے۔ اور وہاں سے
بتوسّطِ عروقِ لیفیہ تمام اجزاے جگر میں پہنچتا ہے۔ جگر اُسے چوستا ہے۔ اور یہاں غذا طبخِ
ثانی حاصل کرتی ہے۔ اِس طبخِ ثانی میں چار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک مانندِ کف جسے صفرا
کہتے ہیں۔ دوسری دُرد کے مانند جو سودا ہے۔ تیسری سفیدیِ بیضہ کے مثل جو بلغم ہے چوتھی
چیز ان سب میں صاف و خالص ہے جو خون ہے۔ اور جس میں ابھی مائیت کا حصّہ زیادہ
ہوتا ہے۔ یہ خون مائیت آمیز عروقِ لیفیہ میں منتشر رہتا ہے۔ اب اگر یہ سودا و صفرا و بلغم و مائیت
خون میں شامل رہیں تو اُس کا مزاج یقیناً فاسد ہوجاے لہذا خداوندِ عالم نے دو گردے خلق
کئے۔ ایک تلی اور ایک پتّہ۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی گردن جگر کی طرف دراز کئے ہوے ہے
گردوں کی گردن اُس رگ سے متّصل ہے جو محدّب جگر سے نکلی ہے۔ اس گردن کے ذریعہ سے
گردے اُس رطوبت کو جو خون میں ملی ہوئی ہے جذب کرتے ہیں۔ اس رطوبت کے ساتھ
کسیقدر خون بھی کھنچ آتا ہے۔ یہ خون تو گردے اپنی غذا کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ اور مائیت و
رطوبت کو مثانہ کے حوالے کرتے ہیں۔ جو وہاں سے براہِ مخرجِ بول خارج ہوجاتی ہے۔ پتّہ اور تلی
کی گردن جگر میں داخل ہے۔ پتّہ صفرے کو جذب کرتا ہے اور بوقتِ ضرورت انتڑیوں پر ڈالتا ہے
اُس کی حدت کی وجہ سے انتڑیوں میں خراش ہوتی ہے۔ وہ افشردہ ہوکر حرکت کرتی ہیں۔ اور جو
دُردیِ کیلوس معدہ میں رہ گئی تھی وہ براہِ براز دفع ہوتی ہے۔ یہ صفرا بھی اُس دردی (تلچھٹ)

کے ساتھ دفع ہو جاتا ہے اسی سبب سے پیشاب زرد ہوتا ہے۔ اب تلی اپنی گردن سے
سودا کو کھینچتی ہے۔ اور تلی میں سایہ پہنچکر سودا میں ترشی یعنی کھٹاس حاصل ہوتی ہے تلی پھر
اُس میں سے بقدرِ ضرورت معدہ میں پہنچاتی ہے تاکہ بھوک پیدا ہو خواہش غذا حرکت
میں آئے۔ اس کے بعد یہ بھی ورد کیلوس کے ساتھ ہو کر دفع ہو جاتا ہے اب رہا
خونِ صاف یہ اُس رگ کے ذریعہ سے جو معدہ و جگر سے نکلی ہے اور اُسکی بہت سی شاخیں ہیں
تمام اعضا میں پہنچتا ہے۔ اور ہر ایک کے حصہ کے موافق تقسیم ہو جاتا ہے اُسی سے گوشت پوست
اور تمام اعضا متکوّن ہوتے ہیں لیکن ہضم جگر میں نضج پاکر خون بنتا ہے اور ہضم سیوم جسم میں
حاصل ہوتا ہے اُسی طرح معدہ میں پختگی اوّل کے وقت وجود میں آتا ہے یہ کیلوس کے ساتھ
جگر میں جاتا ہے۔ اُس کا کچھ حصہ انتڑیوں میں باقی رہتا ہے۔ اور حرارتِ صفرا اُسے ہمراہ براز
دفع کر دیتی ہے۔ کچھ حصہ آبِ دہن کے ساتھ دفع ہوتا ہے کبھی سر سے معدہ میں آتا ہے اور بذریعہ
سرفہ وغیرہ دفع ہوتا ہے۔

متعلق دل اب قلب کے عجائبات پر توجہ کیجئے؟ کہ اُس کا جسم صنوبری شکل میں پیدا کیا۔
چونکہ سرچشمۂ روح و حیات ہے اس لئے اُس کو سخت خلق کیا کہ حادثات سے محفوظ رہے اور
تھوڑی سی چیز سے ماؤف نہو۔ اسی روح سے آدمی کی حیات قائم ہے۔ اور جو عضو اِس روح
کے فیض سے محروم ہیں مثلاً ناخن۔ بال وغیرہ۔ وہ خلعتِ حیات سے بے نصیب ہیں اور
جب کسی عضو کے لئے اُس روح کے حاصل کرنے کا راستہ مسدود ہوا تو حس و حرکت سے بیکار
ہو جاتا ہے۔ دل اُس روح کو اُمہاتِ شرائین اور رگہاے غیر جہندہ کے سپرد کرتا ہے شرائین
اُسے دماغ میں پہنچاتی ہیں اور وہاں بہ سبب برودتِ دماغ معتدل ہو کر تمام اعضا میں متحرک
تقسیم ہوتی ہے اُس کو روحِ نفسانی کہتے ہیں۔ اور رگہاے غیر جہندہ اس روح کو جگر میں پہنچاتی

چقدر منبع قوای نباتیہ ہے اور وہاں سے تمام اعضا میں متفرق ہوتی ہے ...... جس طرح ...... گئی ہیں

متعلق دست آدمی کے دونوں ہاتھوں کو دیکھیے کہ کس طرح خالق حکیم نے انکو اسطرح بنایا ہے

تاکہ ہر مطلب کے واسطے جاہے درازکر سکے ہتھیلیوں کو چوڑا بنایا ان میں پانچ انگلیاں عطا

فرمائیں اور ہر انگلی کو تین حصوں پر تقسیم کیا۔ انگوٹھے کو ایک طرف اور چار انگلیوں کو دوسری

طرف اس طرح مقرر کیا کہ انگوٹھا اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ اگر اولین و آخرین عقلاے زمانہ متفق

ہوں کہ دوسری طرح سے انگلیوں کی وضع و درازی و کوتاہی میں فکر کریں جو بلحاظ زینت و مصلحت

اس وضع سے بہتر یا اُسکے مانند ہوں تو ہرگز ممکن نہیں ہے کیونکہ اس ترتیب موجودہ کے موجب

وہ ہر ایک کام کے لئے موزوں ہیں۔ اگر انکو پھیلائے تو ایک طبق ہے۔ اگر انکو بند کرکے مٹھی بنائیں

تو ایک گرز گران ہے۔ انگلیوں سے ہر چیز کی گرفت ہو سکتی ہے۔ انسان جو چاہے لے سکتا ہے

اور جو چاہے دے سکتا ہے۔ ان سے کفچہ بنائے صندوقچہ بنائے جو چاہے کام لے۔ انگوٹھے کو انگشتِ

شہادت سے ملاکر ہر چیز کو توڑ سکتا ہے۔ انگشتِ شہادت سے ہر چیز کی طرف حسب دلخواہ اشارہ

کر سکتا ہے۔ اگر دشمن کو پکڑنا چاہے تو پکڑ لے۔ غرض بیشمار فوائد ہیں جنکا احصا دشوار ہے پھر انگلیوں

کو ناخن سے زینت دی تاکہ انکی حفاظت ہو چھوٹی چھوٹی چیزوں کو جو انگلیوں سے نہ اٹھ سکیں

ناخن سے چن لے سکتے ہیں۔ بدن کھجا سکتے ہیں۔ انسان کی کیا مجال جو ان منافع کا احاطہ کر سکے۔

متعلق پا ہر شخص کو دو پاؤں دئے گئے جو ران۔ پنڈلی اور قدم سے بنے ہوئے ہیں۔

ہر ایک کو شکل و ترکیب خاص دیگئی ہے۔ اگر کوئی تغیر ترکیب یا شکل یا وضع میں اُن کے پیدا

ہو تو انسان حرکت نہیں کر سکتا۔ اُن کو بدن کے ستون اور مرکب قرار دیا جسم کو اُن پر سوار کیا

یہ تمام عجائبات بدن انسانی اُس قطرۂ نطفہ میں ودیعت ہوئے ہیں جسے رحم کے پردۂ تاریک

میں خلق کیا ہے۔ یہ پردہ حائل نہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ خطوط و نقوش و رسوم و اعضا

ایکدوسرے کے بعد کسطرح اُس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی نقش کرنے والا ہوتا ہے
نہ کوئی قلم۔ بیت ع نبود نقش دل بہر ہنرمندی ۔ کہ باشد نقشہا از نقش بندی ۔ پھر اُن
حکمتوں کو دیکھئے جو ظلمات ثلاثہ رحم کے اندر نطفہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس کا جسم بزرگ
ہوا اور جاے رحم تنگ ہوئی تو دیکھو اُس کو راستہ بتلایا کہ وہ سرنگوں ہو کر رحم کی جاے
تنگ سے دنیا میں قدم رکھے چونکہ باہر آنے کے بعد ضرورت غذا کی تھی اُس کا جسم نرم تھا
غذاے ثقیل کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے حیض کے خون کو جس کا رنگ سیاہ اور
اعضاے خراب کے لئے مقرر تھا بند کر کے پستان کے راستہ سے بچہ کی غذا کے واسطے
سفید کر کے کھینچا پستان کو ایک نوک طفلِ شیر خوار کے مُنہ کے مطابق عطا کی اور چونکہ طفل کو
ایک وقت میں زیادہ پینے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے اُن میں باریک سوراخ قرار دیئے کہ دودھ
آہستہ آہستہ چوسنے سے باہر آئے کیونکہ اس طفل کو پستانِ مادر کے چوسنے کی رہنمائی کی۔ دانت نکلنے
کے لئے ایک مہلت مقرر کی کہ ماں کی پستان کو اُن سے کوئی نقصان نہ پہنچے چونکہ دودھ کے سبب سے
اُس کے دماغ میں رطوبت بہت جمع ہوتی تھی اس لئے گریہ کو مسلط فرمایا تاکہ وہ رطوبت دفع ہو
آنکھ یا دوسرے کسی اعضا پر نہ گرے۔ جب تھوڑا تھوڑا زمانہ گزرا اُس کا گوشت مضبوط ہوا اور
سخت غذا کے کھانے کی طاقت میسر ہوئی تو مُنہ میں دانت علی الترتیب پیدا ہونے شروع ہو گئے
چونکہ طفل خود اپنی تربیت نہیں کر سکتا ہے اس لئے ماں باپ کو اُس پر مہربان کیا کہ اپنے آرام و
خواب کو حرام کر کے اُسکی پرورش میں مشغول رہیں۔ اُسکے بعد اُسکو تھوڑی تھوڑی سمجھ طاقت
عقل کرامت فرمائی۔ اُس کے قواے باطنہ و نفسِ مجردہ میں کچھ ایسے اسرار سپرد کئے کہ عقول حیران
ہیں۔ قوۂ خیال کو فکر کیجئے کہ وہ قابل قسمت نہیں ہے مگر ایک ہی وقت میں زمین و آسمان
کی خبر لاتی ہے۔ قوۂ واہمہ پر نظر ڈالئے کہ کیونکر ایک لحظہ میں معانیِ مختلفہ کو جمع و ترکیب دیکر

اُن میں سے جو کچھ موافق مطلب کے ہو علیحدہ کر لیتی ہے نفسِ مجرّد کو دیکھئے کہ باوجودیکہ
آلائشِ مکان سے پاک ہے مگر تماشاے بیرنگی اختیار کئے ہوئے ہے اُس کی تدبیر میں مشغول
ہوتا ہے تو لذّاتِ جسمانی شناخت سے محروم ہے جو کچھ تحصیلِ علوم کرتا ہے حقیقتِ اشیا کو معلوم
کرتا ہے۔ قوّتِ عقل سے عالمِ پاک و مقدس میں متصرّف ہے نطفۂ گندیدہ کی حالت سے
لیکر ملکوتِ اعلیٰ سے متّصل اور حقائقِ اشیا پر مطّلع ہے تک تماشاے مقامِ سیرِ الٰہی میں
مصروف ہے حالانکہ خود ایک عالم ہے جس میں درندے گزندے سب ہی جمع ہیں بلکہ جمیع
تمام موجودات۔ درندے اور پرندے وغیرہ اُس کی خدمت کے لئے کمربستہ ہیں۔ یہ دیو و جن
کو خدمت کے لئے پابزنجیر کرتا ہے ستاروں اور ارواح کو تسخیر کرتا ہے اپنی آواز و نغمۂ خوش
سے عقلا کو مدہوش کرتا ہے حیوانات کو بیہوش کرتا ہے اپنی طبیعت کو اسطرح موزوں کرتا ہے
کہ اشعارِ رنگیں سے دل مفتون ہوتے ہیں اگر یہ لحظہ کی فکر میں صنعتِ عجیب پیدا کرتا ہے۔
ایک ساعت کے تامّل میں ہنرِ غریب ہویدا کرتا ہے کبھی بدن توانا ہے اور کبھی نیند میں پڑا رہتا ہے
اور یہ اطرافِ عالم میں سیر کناں کبھی افلاک پر رواں کبھی ارواح سے ملاقی کبھی اُسے ایسی
قوّت حاصل ہوتی ہے کہ اصل کائنات میں داخل ہو کر جسکو جس صورت میں چاہے دکھلائے
ہوا کو ابر بنائے آسمان سے بارش برسائے۔ التفات سے کسی قوم کی نجات ہو۔ دعا سے کسی کی
وفات ہو۔ ملائکہ سے صحبت رکھے۔ ایک ساعت میں اپنی کتنی صورتیں بنائے کبھی حاکمِ دیار ہو
کبھی پادشاہِ قہار ہو۔ ربعِ مسکون کو اپنا زیرِ نگیں سمجھے کبھی پیغمبرِ مرسل ہو۔ خاک سے افلاک تک
تمام کو مطیع اور فرمان بردار کرے۔ خوابِ غفلت سے بیدار اور مستی طبیعت سے ہوشیار
ہو کر دیدۂ بصیرت کھولئے اور قدرتِ پروردگار کا تماشا کیجئے کہ اس نطفۂ گندیدہ کو خالق
نے بہتر کہاں سے کہاں پہنچایا ہے۔ یہ عجائبات جنکی طرف اشارہ کیا گیا اگرچہ دریا کے مقابلہ میں

[illegible] نہیں ہیں لیکن اگر انسان تفکر و تدبر سے کام لے تو اُس کی سعادت کے لئے کافی
ہیں۔ حضرت امام [illegible] علیہ الرحمۃ [illegible] مخلوقات میں سے صورت انسانی
[illegible] ایک کتاب ہے جو [illegible] قدرت سے لکھی گئی ہے ایک ہیکل
[illegible] حکمت کے بموجب تیار ہوا ہے [illegible] صورت میں تمام موجودات عالم
[illegible] ایک نمونہ ہے [illegible] ہیں۔ وہ گواہ و شاہد ہے
[illegible] وہ [illegible] خالق انسان کے [illegible] قاطع ہے۔ انسان
کے لئے ایک سیدھا راستہ ہے جو [illegible] پہنچاتا ہے ایک صراط ہے جو بہشت و دوزخ
کے درمیان کھنچا ہوا ہے۔

عجائبات زمین عجائبات زمین بلندی پستی پہاڑ صحرا۔ دریا شہر جزیرے معدنیات۔ نباتات حیوانات پر غور کیجئے اگر آپ کا دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو اُن عجائبات کے اجزا میں سے ہر ایک جزو میں اسقدر قدرت و حکمت مشاہدہ کرتے کہ والہ و حیران ہو جاتے اور عظمت و جلال خالق پر یقین حاصل ہو جاتا۔ پہاڑوں کی طرف نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ خالق بیچون نے انھیں کسطرح قائم کیا ہے اطراف زمین کو اُن کے سبب سے مستحکم فرمایا ہے۔ اُن کے نیچے صاف چشمے رواں ہیں بہت سے بڑے قیمتی جنکی قیمت لگانے سے جوہری عاجز ہیں اُن میں پنہاں ہیں کسقدر معدن اُن میں پیدا کئے ہیں کہ اگر وہ نہوتے تو معیشت انسان میں انتظام ہونا ممکن نہ تھا اور جو جگہ آبادی کے قابل اور اجتماع انسانی کے لئے مناسب ہے۔ اُس کے قرب و جوار کو معدنیات سے خالی نہیں رکھا تا کہ اُن کے کاموں میں خلل واقع نہو جس چیز کی ضرورت اُنکو زیادہ تھی مثلاً نمک وغیرہ وہ اُن کے قریب اور بکثرت سے پیدا کیا۔

متعلق گیاہ گیاہ کے اقسام پر غور کیجئے اور اُن پر نظر ڈالئے کہ وہ بیحساب و بیشمار ہیں جنکا حصر

دشوار ہے ہر ایک کے لئے خاص شکل خاص رنگت خاص مزہ خاص بو اور خاص
خاص منفعت وخاصیت۔ ایک بدن کی غذا دوسری بیماری کی تقویت دیتی ہے ایک زہر ہلاکت افزا
دوسری تریاقِ راحت افزا۔ ایک سے نیند آتی ہے اور دوسری سے نیند غائب ہو جاتی ہے
ایک مفرحِ جان دوسری سببِ اندوہ و حرماں ایک سرد ہے۔ دوسری گرم۔ ایک خشک ہے
دوسری تر۔ حالانکہ یہ سب ایک ہی زمین سے اُگی ہیں۔ ایک ہی چشمہ کا پانی پیتی ہیں۔ آپ
ہرگز خیال نہ کیجئے کہ بوجہ اختلاف تخم یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ استخوان خرما میں یہ شکل یا بلندی شجر و
برگ کہاں تھا اور ایک دانہ گندم میں اتنے خوشے اور ہر خوشہ میں اس قدر دانے کس نے دیئے تھے

متعلق درخت اب درختوں پر ایک نظر ڈالئے جب اُن کو پانی دیا جاتا ہے تو کیونکر اُن کی
حالت تروتازہ ہوتی ہے اور رطوبت بے اندازہ آجاتی ہے۔ پانی ایک طریقہ سے ہر ایک ریشہ
تنہ ڈالی۔ پتہ شگوفہ اور میوہ میں پہنچتا ہے۔ اُن میں علی التسویہ تقسیم ہوتا ہے۔ اُن احمقوں کی عقل
ہنسی آتی ہے جو اس حکمت ظاہرہ و مصلحت بیّنہ کو ایسی چیز سے نسبت دیتے ہیں۔ جو خود اپنے وجود
اپنی ذات سے خبر نہیں رکھتی نہ اپنے افعال کو پہچانتی ہے نہ صفات کو۔

عجائبات حیوانات اسی طرح حیوانات پر ایک نظر غور کیجئے کہ طیور۔ وحوش۔ چارپائے۔ درندے
پرندے حشرات الارض جنکی تعداد بجز خالق کے کوئی نہیں جانتا۔ اُن میں سے کیونکر ہر ایک کو اپنا
گھر بنانا تفہیم کیا۔ اپنی قوت و آب و دانہ حاصل کرنا تعلیم کیا۔ نر و مادہ کی موافقت اور تربیت نسل
سکھائی۔ جنکی انسان کو ضرورت تھی اُنھیں اُن کا رام و فرماں بردار بنانا اور جنکی انسان کو احتیاج
نہیں تھی اُنھیں وحشی رکھا ہر ایک کو اس قدر عجائب و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا کہ عقل حیران
رہتی ہے۔ مکڑی کو دیکھئے کہ وہ اپنا گھر شش پہلو بنا کر اُسکو مچھر اور مکھی کے لئے دام قرار دیتی ہے
ایک کونے میں تاک لگائی ہوئی بیٹھی رہتی ہے جب کوئی جانور مثلاً مکھی یا مچھر اُس جال میں آ الجھا

اور اُس نے فوراً شکار کیا۔ مکھی کو دیکھیے کہ بہت دور سے شیرینی کی بو معلوم کر کے موجود ہو جاتی ہے کیونکہ خدا نے بہ عنایت اسکو قوت شامہ بہت تیز عطا کی ہے۔ دریا کی سیر کیجئے اور دیکھئے کہ وہاں بھی کس قدر عجائبات ہیں۔ جو حیوان خشکی میں ہیں ویسے اُس کے مانند دریا میں بھی پائے جاتے ہیں اور بہت حیوان ایسے ہیں جن کا مثل خشکی میں نہیں ہے دریا میں موجود ہیں نیز دریا میں ایسے ایسے بڑے بڑے حیوانات ہیں جو شہر و جزیرہ کے مانند ہیں۔ اور مسافر ان کو جزیرہ تصور کر کے [illegible] وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بعض علما نے عجائبات دریا کے معلومات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں لیکن اُس کا ایک شمہ بھی بیان نہ کر سکے۔

عجائبات عالم ہوا اب عالم ہوا کی طرف آنکھ اٹھائیے ابر۔ ہوا۔ بارش۔ برف۔ اولا۔ رعد۔ برق۔ صاعقہ کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ ابر اپنے پتلے جسم سے کیونکر وزندار پانی اُٹھاتا اور حفاظت کرتا ہے۔ شہروں اور جنگلوں پر گذرتا ہے اسطرح پر کہ ایک قطرہ بھی نہیں گراتا جس جگہ پر مامور ہوا ہے وہاں ٹھہر جاتا ہے۔ اسطرح قطرہ قطرہ متواتر پانی ڈالتا ہے کہ ایک دوسرے سے زمین پہنچنے تک نہیں ملتا اگر آپ کو ہوش ہو تو دیکھیں کہ ہر قطرے پر قلم قدرت سے گویا لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں حیوان و انسان و مکان کی روزی ہے۔

عجائبات آسمان اب ذرا آسمان کی طرف نظر اُٹھائیے۔ عجائبات عالم افلاک۔ سورج۔ چاند ستاروں اور سیاروں میں فکر کیجئے کہ ہر ایک کے لئے ایک وضع و ہیئت و اثر و منفعت خاص ہے۔ یہ کبھی ایک جگہ جمع اور متصل ہوتے ہیں اور کبھی متفرق اور دور ہو جاتے ہیں ہر ایک کی رفتار میں ایک خاص حرکت ہے۔ یہ طبق فلک پر اس طرح چنے گئے ہیں کہ انکی ترتیب سے حیوانات وغیرہ کی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بلکہ زمین پر ایسی کم صورتیں ہونگی جو آسمان پر نہ پائی جائیں۔ سورج کی رفتار پر غور کیجئے کہ وہ ایک سال میں آسمان کا دورہ تمام کرتا ہے اور اسی رفتار کے سبب سے

کبھی وسط السما کے نزدیک ہوتا ہے اور کبھی اُس سے دور۔ دوسری ایک رفتار ہے
جس کے سبب سے طلوع وغروب ہوتا ہے۔ یہ دورہ ایک رات دن میں طے کرتا ہے۔ اگر پہلی
حرکت نہوتی تو دنیا میں چار فصلیں نہوتیں۔ نباتات اور میووں کو نشوونما حاصل نہوتا اور
اگر دوسری حرکت نہوتی تو رات دن معلوم نہوتے۔ معیشت و آرام کا وقت نہ پہچانا جاتا
سال مہینے۔ گھنٹے منٹ نہوتے۔ حساب معاملات و نظم ونسق نہوسکتا۔ یہ آسمان اور ستارے
بغیر ستونوں کے قائم ہیں۔ دیکھئے کہ عوالم سفلیہ یعنے زمین و دریا و عالم ہوا وغیرہ باوجود اس عظمت
کے آسمان اوّل سے بہت کم ہیں گویا دریاے محیط کے سامنے ایک قطرہ۔ رصد کے جاننے والے
بیان کرتے ہیں کہ آفتاب زمین کے مقابلہ میں ایکسو ساٹھ درجے بڑا ہے۔ باوجود اس کے پانچواں
آسمان چوتھے آسمان سے معہ اُس کے وسط کے آسمان سے لیکر زمین تک تین حصے زیادہ ہے
چھوٹے سے چھوٹا ستارہ جو ہم آسمان پر دیکھ رہے ہیں وہ کُل زمین سے آٹھ گُنا ہے۔ باوجود
اِس بزرگی و عظمت کے اُس کی تیزیِ رفتار کو ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ آفتاب مشرق
سے ایک پلک جھپکنے میں کسطرح طلوع کرتا ہے۔ اُس کی تیزیِ رفتار ایک طرفۃ العین میں بمقابلہ
روے زمین ایکسو ساٹھ درجہ کی مسافت طے کرتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب سید رُسل روح الامین
سے پوچھے "کہ زوال کا وقت ہوا؟" انھوں نے کہا "لانعم" یعنے ہاں نہیں۔ حضرت نے فرمایا
کہ یہ کیا جواب ہے؟ عرض کیا "جبکہ میں نے کہا "نہیں" اُسوقت آفتاب پانسو سال کی راہ کو
طے کیا اور زوال ہوگیا۔ پس خواب غفلت سے ہوشیار ہوجئے اُس قادر کی قدرت کو ملاحظہ
کیجئے کہ ایسے بزرگ آسمان کو آنکھ کی سیاہی جو مسور کی دال سے زیادہ نہیں ہے جگہ دیدی
اور فکر کیجئے کہ کسنے ایسے جسم کو مسخر کیا ہے۔ اگر دیدۂ بصیرت بینا ہوتا تو معلوم کرتے کہ یہ تمام
خدمتگار ہیں۔ اور اُسکی خدمت میں کمربستہ و تیار۔ اُن کو خداوند عالم کے عشق نے دیوانہ و سرگرداں

کیا ہے۔ یہ پروردگار کے حکم پر قیامت تک اسی طرح اُس کے کعبۂ جلال کا طوف کرینگے۔

اپنے اعمال وافعال میں فکر کرنا ضروری ہے

جاننا چاہیے کہ اپنے اعمال وافعال میں فکر کرنیکو مراقبہ و محاسبہ کہتے ہیں اگرچہ توبہ کے بیان میں صراحتًا اُس کا ذکر کیا جائیگا لیکن یہاں بھی بطورِ اختصار حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ دن رات میں کسی نہ کسی وقت اپنے کام میں فکر کرے۔ اپنے اخلاقِ باطنہ واعمالِ ظاہریہ کو تلاش کرے۔ اپنے دل کی حالت پر نظر ڈالے۔ اپنے لوحِ دل کو سامنے رکھکر ملاحظہ کرے۔ رات دن کے اپنے کاموں کو پیشِ نظر رکھکر مطالعہ کرے۔ جب اپنے دل کو طریقۂ راستی و درستی اخلاقِ جمیلہ کا متصف اور اوصافِ رذیلہ سے خالی دیکھے۔ اپنے اعضا و جوارح کو مشغولِ طاعت و عبادت اور گناہوں سے اجتناب کرنیوالا پائے تو شکرِ الٰہی بجالائے۔ اس کے خلاف میں نظر آئے تو اس کے علاج کے درپے ہو۔ اگر معلوم ہو کہ اُس سے کوئی گناہ واقع ہوا تو توبہ و استغفار کرے۔ اُس کا تدارک ہر بار کرے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس قسم کے تفکر کے لئے بہت بڑی گنجایش ہے۔ انسان عمر بھر اس میں مستغرق رہ سکتا ہے۔ لیکن مقدارِ لازم یہ ہے کہ ہر شب و روز میں انسان غور سے دیکھے کہ صفاتِ رذیلہ مثلاً بخل۔ کبر۔ عجب۔ ریا۔ حسد۔ بزدلی۔ غضب حرص۔ طمع وغیرہ اپنے میں کہاں تک ہیں۔ دیدۂ بصیرت کھولکر چراغِ فکر ہاتھ میں لیکر اپنے دل کے گوشوں میں ان صفاتِ مذکورہ کی تلاش کرے۔ جب معلوم ہو کہ اُس کا دل اُس سے بری ہے تو اپنا امتحان کرے کہ کہیں شیطان نے نفس کو مشتبہ نہ کیا ہو۔ مثلاً اگر گمان ہو کہ صفتِ تکبر اس میں موجود نہیں ہے تو کاروبارِ دنیا سے اپنا امتحان کرے۔ یعنے پانی کھینچے یا بازار سے گٹھا لکڑیوں کا گھر میں لائے۔ اور اگر اپنے کو غضب سے خالی سمجھے تو کسی سفیہ کے سامنے مقامِ اہانت میں کھڑا ہو ایسا ہی نیکیوں کی بھی آزمایش کرے تاکہ اطمینان حاصل ہو۔ دیکھئے نفسِ امارہ مکار ہے اور شیطان حیلہ گر و غدار۔

گر نماز و روزہ می فرمایدت ۔ نفس مکار است مکری زایدت

نفس را ہفصد سر است و ہر سری ۔ از ثری بگذشتہ تا تحت الثریٰ

اگر اُن صفاتِ رذیلہ سے کوئی صفت دل میں پائے تو وعظ نصیحت ۔ سرزنش ۔ ملامت ۔ بمصاحبت نیکاں ۔ ریاضت اور مجاہدے سے اُس کی خلاصی میں کوشش کرے اور نیز اسکا علاج مکرر کرنا ضرور ہے تاکہ وہ صفت دور ہو اس کے بعد صفاتِ حسنہ میں فکر کرنا چاہئیے ۔ اگر اپنے گمان میں اپنے کو اُن سے متصف پائے تو آزمائش کی طرف مائل ہو ۔ تاکہ شیطان کے مکر و تلبیس سے اطمینان حاصل ہو ۔ اگر اپنے کو اُن میں سے کسی ایک سے خالی پائے تو اُس کے حاصل کرنیکی کوشش کرے اس کے بعد اپنے ہر ایک اعضا کی طرف متوجہ ہو اور اُن کے گناہانِ متعلقہ میں فکر کرے مثلاً کہیں اُس روز زبان سے کوئی غیبت ۔ یا جھوٹ ۔ یا لغو ۔ یا فحش ۔ یا خودستائی ۔ یا سخن چینی تو صادر نہیں ہوئی ہے ۔ ایسا ہی کان ۔ ہاتھ ۔ پاؤں پیٹ اور سوا ان کے تمام اعضا پر نگاہ کرے واجبات و مستحبات میں اُس اطاعت کے جو ہر ایک اعضا سے متعلق ہے فکر کرے اگر بعد تلاش کے کوئی معصیت نہ پائی جائے اور طاعت کا بجا لانا معلوم ہو تو خداوندِ عالم کا شکر ادا کرے ۔ اگر کوئی معصیت یا ترکِ طاعت واقع ہو تو پہلے اُس کا سبب و باعث تلاش کرے ۔ اُس کے دور کرنے کے لئے درپے ہو ۔ اُس کا عوض توبہ و ندامت سے کرے تاکہ دوبارہ یہ فعل صادر نہو ہر فہمیدہ پر جو کہ اعتقادِ آخرت کا رکھتا ہو اپنی حالت پر اسقدر فکر کرنا رات دن میں لازم ہے ۔ متقیانِ گزشتہ کا معمول تھا کہ صبح یا شام کے وقت اس عبادت کی طرف متوجہ ہوتے تھے ۔ اُن کے پاس ایک دفتر ہوتا تھا اُس میں نیک و بد صفات و افعال لکھے جاتے تھے ۔ ہر دن اپنے احوال کا مقابلہ کرتے تھے جب کسی صفتِ رذیلہ کے زائل یا کسی فضیلت سے متصف ہونے کا اطمینان ہوتا تو اسکو دفتر سے قلمزد کرتے ۔ فکر سے ہاتھ اُٹھاتے ۔ باقی کی طرف متوجہ ہوتے ایسا ہی عمل کرتے جاتے

یہاں تک کہ تمام قلمزد کرتے بعض حضرات کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اُن سے کوئی گناہ سرزد ہوتا مثلاً
اکل حرام یا شبہ یا جھوٹ یا غیبت یا امر معروف و نہی منکر میں تساہل کرنا وغیرہ تو وہ فوراً اسکو دفتر
میں لکھتے تھے پھر ایک کے دور کرنیکی کوشش کرتے تھے۔ حاصل کلام صالحین گزشتہ کا یہی طریقہ
ورویہ تھا اسکو بھی اسبب روز قیامت اور لوازمات ایمان سے جانتے تھے۔ افسوس ہمارے
حال پر کہ اس پیروی و متابعت سے ہمنے ہاتھ اُٹھا رکھا ہے۔ پردہ غفلت آنکھوں پر پڑا ہوا ہے
شاید بھی اسبب روز حساب سے غافل ہیں غفلت کی شراب سے مست و بیہوش ہیں۔ اگر وہ لوگ
ہماری رفتار کو مشاہدہ کرتے تو ہمارے کفر پر حکم لگاتے۔ قیامت میں ہمارا کیا حال ہوگا
کیونکہ حقیقتاً ہمارے اعمال اُسکے عمل سے جو بہشت و دوزخ پر ایمان رکھتا ہو مطابقت نہیں
رکھتے۔ ہمارے افعال اہل ایمان کے کسی فعل سے مشابہ نہیں کیونکہ جو کوئی جس چیز سے ڈرتا ہے
اُس سے دوری اختیار کرتا ہے اور جسکا شوق رکھتا ہے اُسکی طلب میں نکلتا ہے۔ ہم جہنم سے
ڈرنے کا دعوی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ترک معاصی کے ساتھ اس سے فرار ہوسکتا ہے لیکن
گناہوں کی دریا میں غرق ہیں۔ ہم شوق بہشت کا دعوی کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہاں تک
پہنچنا اطاعت و فرماں برداری پر منحصر ہے۔ مگر اُس میں تقصیر کرتے ہیں عمر ہوا و ہوس میں
خراب اور زندگی امید بہشت میں بیکار صرف ہوتی ہے اور وصل حور کی طمع خام دل میں
بسی ہوئی ہے۔

حضرت ذو الجلال کے جمال و جلال میں فکر کرنا چاہیئے

واضح ہو کہ علما و صالحین کا یہ طریقہ فکر ہے جو مذکور ہوا لیکن مقربین و صدیقین
کا فکر کرنا اس سے بہت بلند ہے کیونکہ انکی شان اُن سے بزرگ ہے۔ وہ
دریائے محبت پروردگار میں غرق اور دل و جان سے عظمت جلال آفریدگار کی طرف متوجہ
ہیں۔ جمال و جلال ایزد متعال کی فکر میں مدہوش رہتے ہیں۔ اپنے صفات و اعمال سے بھی بیخبر ہو جاتے ہیں

یھہ اُس عاشق کے مانند ہیں جو معشوق کی صورت پر دیوانہ وحیران رہے۔ اِس حالت کا حاصل ہونا بلکہ عظمت وجلالِ خدا سے لطف اُٹھانے کا ادنی مرتبہ ممکن نہیں ہوتا۔ جبتک میدانِ نفس کو تمام رذائل سے پاک نکریں۔ کیونکہ اخلاقِ بد سے متّصف ہونے کی حالت میں جلال وجمالِ جمیلِ مطلق سے اگر کوئی لطف اُٹھانا چاہے تو اُس کا حال اُس عاشق کے مانند ہے جو محبوب کے دیدارِ جمال کی حسرت وتمنّا کرے۔ لیکن اُسکے پیراہن کے نیچے سانپ اور بچھو ہوں جو اُسکو ایذا پہنچائیں اور دیدارِ محبوب سے باز رکھّیں۔ جاننا چاہئے کہ ہرایک صفتِ بد سانپ اور بچّھو کا حکم رکھتی ہے۔ وہ لوگ جو علائقِ طبیعت میں غرق ہیں اُنھیں اُنکی ایذائیں محسوس نہیں ہوتیں۔ ہاں جب حجابِ طبیعت کا اُٹھہ جائیگا اُسوقت مشاہدہ کرینگے کہ اُن میں سے ہرایک کی تکلیف سانپ اور بچّھو سے بہت زیادہ ہے۔

پس خوابِ غفلت سے اُٹھئے، قیامت کے لئے کوئی فکر کیجئے، قبل اس کے کہ اختیار آپ کے ہاتھہ سے نکلجائے اور موت آجائے۔ یقین کیجئے کہ ہر صفت وعمل کے لئے دنیا سے جانیکے وقت جزا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں صراحتًا اور حدیثِ صحیح پیغمبرِ آخر الزّماں میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ جسکو چاہے دوست رکھہ ایکدن اُس سے جدائی ہوگی۔ جیسا چاہے زندگی کر آخر کار ایکدن مریگا۔ جو کام کرنا چاہتا ہے کر اُسکا بدلا تجھکو ملیگا۔ پس ایک ساعت اپنے اعمال میں فکر کیجئے، تھوڑا وقت عجائب صنعِ خداوندِ عالم میں غور فرمائیے، دلکو وسوسہ سے خالی کرنے کی کوشش اور اپنی فکر کو اقسامِ شش گانۂ محمودہ پر منحصر کیجئے، کیونکہ اقسامِ مذکورہ کے علاوہ باقی تمام افکار وساوسِ شیطانی ہیں لہذا انسان کو چاہئے کہ مسائل علمیہ اخذ کرے۔ اعمالِ نیک بجالائے۔ دوسرے کی موت سے عبرت حاصل کرے۔ تقدیس وتسبیحِ پروردگار میں مصروف ہو صنعتِ عجائب آفریدگار میں غور کرے اور اپنے اعمال وافعال کو جانچے لیکن خدا کی ذات میں بلکہ اُسکے بعض صفات میں فکر کرنا شرعًا غیر جائز ہے

کیونکہ عقل اس مقام پر عاجز ہے۔ جو کوئی اُسکی ذات یا صفات میں مرکب خیال کو دوڑائے تو وہ اپنی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ (مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ) یعنے ایک مشتِ خاک کو خداوند پاک سے کیا تعلق۔ اُسکی ذات بہت بلند ہے۔ اندیشہ کی کمند اُسکے کنگرہ جلال پر نہیں پہنچ سکتی اور مرغ فکر اُسکے اطراف گذر نہیں کر سکتا۔

پانچویں صفت مذمت مکر و حیلہ

معنی مکر و حیلہ | واضح ہو کہ صفات رذائل قوتِ عاقلہ میں سے یہ ہے کہ مطلوبات شہویہ و غضبیہ حاصل کرنے کے لئے مکر و حیلہ سے کام لیا جائے۔ اور اس مقام پر اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لئے پوشیدہ راہیں تلاش کیجائیں۔ اس طریقہ کو تلبیس و مکر و غدر و خیانت کہتے ہیں۔ اور مکر کے بہت سے مدارج و اقسام ہیں۔ بعض اُن میں سے بالکل ظاہر ہیں جنکو معمولی عقل والا انسان بھی معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن بعض ایسے پوشیدہ ہیں کہ عقلمند بھی انکو معلوم نہیں کر سکتے۔ مثلاً یہ صفت ایک شخص کو آمادہ کرتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ انتہائے دوستی و محبت کا اظہار کرے۔ اور اُس مسکین کو غافل کر کے ہلاک کر ڈالے۔ کبھی یہ صفت انسان کو اُبھارتی ہے کہ چند روز اپنی امانت و دیانت کا نقش دلوں پر بٹھائے۔ اور جب بطور امانت یا شرکت کوئی مال اُس کے سپرد ہو تو صاف ہضم کر جائے۔ اور یہ صفت والا انسان کبھی عدالت و تقوی کا اظہار کرتا ہے تاکہ دوسروں کا امام و پیشوا قرار پائے غرض اسیطرح کے ہزاروں مکر و فریب ہیں۔

مذمت مکر | واضح ہو کہ صفتِ مکر ایک مہلکہ عظیم ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ ترین صفاتِ شیطانی اور بزرگ ترین لشکرِ شیطان یہی صفت ہے۔ اس کا گناہ ظاہری ایذا رسانی کی بہ نسبت بہت بڑھا ہوا ہے کیونکہ ظاہری ایذا رسانی سے انسان مطلع ہو جاتا ہے۔ احتیاط و حفاظت کرتا ہے بلکہ اکثر اوقات اُس اذیت کو دفع کر دیتا ہے۔ لیکن جو شخص غافل ہے وہ بیچارہ احتیاط نہیں کر سکتا اس لئے کہ حیلہ باز

مکار دوستی و صداقت کے لباس میں آراستہ ہوکر احسان و خیر خواہی جتلاتا ہے۔ وہ مسکین غافل اس سے شرمسار و خجل اُسکی خرابی باطن سے بےخبر یہانتک کہ وہ بدبخت اُسے ہلاک کرتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان سے مکر کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر عاقبت مکر و حیلہ کی آتش جہنم نہ ہوتی تو میں سب سے بڑھکر مکر کرنیوالا ہوتا آپ مکرر آہ سرد کھینچتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس مجھہ سے مکر کرتے ہیں جالانکہ جانتے ہیں کہ میں مکر کو سمجھتا ہوں اُن کے مکر و حیلہ کے طریقوں کو پہچانتا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ مکر و حیلہ کا نتیجہ آتش جہنم ہے اس لئے اُن کے مکر پر صبر کرتا ہوں۔ وہ مرتکب مکر ہوتے ہیں میں مرتکب نہیں ہوتا

معالجہ | اس صفت خراب کی خلاصی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان سوءِ عاقبت اور اُسکے انجام بد پر نظر کرے اور غور کرے کہ مکار آتش جہنم میں شیطان کا ہمنشین ہوگا آیات و اخبار اسپر ناطق ہیں۔ اعتبار اور تجربے گواہ صادق ہیں۔ مکر و حیلہ کا نتیجہ مکر کرنیوالے کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔ (مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِیْہِ وَقَعَ فِیْہِ) یعنے جو کوئی دوسرے کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اُس میں گرتا ہے ۔ وہ نیکیاں جو مکر و حیلہ کی ضد میں مثلاً مسلمانوں کی خیر خواہی وغیرہ۔ اُن کے محاسن پر غور کرے جیسا کہ اُس کے مقام پر حوالہ قلم کیا جائیگا۔ اور جو کام کرنا چاہے پہلے اُس میں تامل کرلے کہ حیلہ پر مبنی نہو۔ اور اگر اتفاقاً اس سے کوئی مکر صادر ہو جاے تو اپنے نفس پر عتاب کرے انشاء اللہ تعالیٰ یہ صفت صفحۂ دل سے محو ہو جائیگی۔

تیسرا مقام اُن اخلاق ذمیمہ کے معالجہ میں جو قوۂ غضبیہ سے متعلق ہیں

یعنی جبن و تہوّر۔ اور اُن کا علاج جس میں اکیس صفتیں ہیں ۔ ۔ ۔

معنی جبن و تہوّر | جاننا چاہئے کہ صفات رذیلہ قوۂ غضبیہ افراط و تفریط کی بنا پر دو قسم پر ہیں اور اُن میں سے ہر ایک قسم کئی صفات پر مشتمل ہے۔

(۱) تہور۔ افراط (زیادتی شجاعت) کا نام ہے۔ یعنے اُن چیزوں سے پرہیز نکرنا جن سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اپنے کو ایسے مقام ہلاکت میں ڈالنا جو یہاں از روئے عقل و شرع ممنوع ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صفت مہلکہ دنیویہ و اُخرویہ ہے۔ آیات و اخبار حفاظت کے واجب ہونے پر حد و حصر سے باہر ہیں مگر یہاں اسیقدر کافی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے (وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) یعنے اپنے آپ کو جائے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حق یہ ہے کہ اس صفت والا بحکم عقل اپنی حفاظت کے لزوم کی خبر نہیں رکھتا وہ مجنون دیوانہ ہے۔ اور حکم شریعت کے خلاف خود اپنے قتل کا باعث۔ اور ہلاکت ابدیہ و شقاوت سرمدیہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ پس اس صفت والے کو اول ضرور ہے کہ اُن خرابیوں کو نظر میں لائے جو دنیا و آخرت کو خراب کرنے والی ہیں۔ اُسکے بعد جو کام کرے۔ ابتدا میں تامل کرلے اگر عقل و شرع اُسکا حکم دے تو اُس کام کا مرتکب ہو ورنہ اُس سے اجتناب کرے۔ اور بسا اوقات اس مرض کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُن چیزوں سے پرہیز کرنے کی عادت ڈالے۔ جن سے پرہیز کرنا لازم نہیں ہے یہانتک کہ حد وسط پر قائم رہے۔

(۲) جُبن (بزدلی) جو تفریط (کمی) کی طرف واقع ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے پرہیز کرنا نہ چاہیئے اُنسے پرہیز کرے۔ یہ صفت بھی نہایت درجہ بد و باعث ہلاکت ہے۔ آدمی اُس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اُسکی زندگی تلخ و ناگوار ہوتی ہے دوسرے آدمی اُس کے جان و مال کی طمع کرتے ہیں ظالم اُس پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ وہ مضطرب و بے ثبات و کاہل و راحت دوست ہوتا ہے اس وجہ سے تمام نیکیوں سے باز رہتا ہے۔ ہر قسم کی بدنامی و رسوائی برداشت کرتا ہے فحش و دشنام کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ نام و ننگ کو برباد کرتا ہے۔ اسی سبب سے سید رُسل صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ مومن کو بخل اور بزدلی سزاوار نہیں ہے اھ پھر فرمایا کہ اے پروردگار بخل اور

بزدلی سے پناہ مانگتا ہوں"۔ کیفیت صفتِ خوف جو لوازمِ جُبن ہے اس سے پیدا ہوتی ہے
اِن دونوں (تہوّر و جُبن) کی ضد صفتِ شجاعت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوّۂ غضبیہ قوّۂ
عاقلہ کی مطیع ہو یہاں تک کہ جس شئے سے پرہیز لازم ہے اُس سے پرہیز کرے اور جس شئے سے
ڈرنے کی ضرورت نہیں اُس سے نہ ڈرے۔ یہ صفت اشرفِ صفاتِ کمالیہ و افضلِ ملکاتِ نفسانیہ
ہے۔ جو مرد اس صفت سے خالی ہو حقیقت میں وہ عورت ہے اُس میں مردی نہیں ہے۔ اسی سبب سے
امیر المومنین علیہ السّلام نے مومن کے وصف میں ارشاد فرمایا کہ "مومن کا دل پتھر کے مانند سخت
ہے"۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "مومن پہاڑ سے زیادہ مستحکم ہے
کیونکہ پہاڑ سے پتھر الگ ہو کر گرتا ہے لیکن مومن کے دین سے کچھ نہیں جدا ہوتا"۔
وہ صفاتِ رذیلہ جو ہر دو جنسِ مذکورہ قوّۂ غضبیہ سے متعلق ہیں وہ بہت ہیں۔

(پہلی صفت مذمّتِ خوف جس میں دو فصلیں ہیں)

معنیِ خوف | خوف کی معنی یہ ہیں کہ انسان کسی ایسے امرِ آیندہ کے سبب سے دردمند ہو جس کا وقوع میں آنا
محتمل ہے یا کسی ایسے امر سے مشوّش ہو جس کا پیش آنا یقینی ہے یا مظنون ہے۔ اگرچہ اس آخری کیفیت کو
خوف نہیں کہتے لیکن چونکہ یہ بھی ضعفِ نفس کی علامت اور موجبِ ہلاکت ہے اس لئے اسے بھی
خوف میں شمار کرتے ہیں۔

اقسامِ خوف | خوف کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خوفِ نیک۔ جیسا کہ کسی کو خداوندِ عالم کی عظمت اور اپنے گناہوں سے خوف ہو اور یہ تدبیر
خدا سے امن کی ضد ہے۔

(۲) خوفِ بد۔ یہ قسم مہلکہ ہے۔ اور اس جگہ یہی قسم مراد ہے۔ یہ قسمِ خوف صفتِ جُبن کا نتیجہ ہے

فصل (۱) واضح ہو کہ خوف کی چند قسمیں ہیں۔ اور وہ سب کی سب خراب اور

اقسامِ خوفِ مذموم اور اُن کا علاج نیز خوفِ مرگ کا معالجہ

از روے عقل موردِ عتاب و ملامت ہیں۔

(۱) کسی ایسے امر سے خوف کرنا جو ضرور وقوع میں آئیگا۔ اور اُسکا دفع کرنا قوتِ بشری سے باہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا خوف باعثِ جہل و نادانی ہے۔ سوا اسکے کہ انسان کا قلب تکلیفِ عاجل میں مشغول ہو کر دنیا و آخرت سے باز رہے۔ اور کوئی فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ عاقل اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں آنے نہیں دیتا۔ مقدراتِ آلٰہیہ پر رضامند رہتا ہے تاکہ راحتِ حال و سعادتِ مآل حاصل ہو۔

(۲) کسی ایسے امر کا خوف ہو جسکا وجود میں آنا مظنون ہے۔ ممکن ہے کہ واقع ہو اور ممکن ہے کہ نہو لیکن اسکا ہونا اور نہونا اُسکے اختیار میں نہو۔ یہہ خوف بھی پہلے کے مانند خلافِ مقتضاے عقل و باعثِ نادانی و جہل ہے بلکہ یہہ پہلے سے بھی بہت خراب ہے۔ کیونکہ علاج تو دونوں کا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے مگر اس قسم میں نہونے کا گمان تو ہے برخلاف اوّل کے کہ وہاں ہونے کا یقین ہے ہاں ع ببیں تا چہ زاید شب آبستن است ﴿ ہر لحظہ فلک کی ایک نئی گردش ہے اور زمانہ کا ایک نیا رنگ۔ اور خداوندِ عالم کے الطافِ خفیہ بیشمار ہیں۔

سے نبود دریں رہ ناامیدی ﴿ سیاہی را بود روزی سپیدی
ز صد در گر امیدت بر نیاید ﴿ نومیدی جگر خوردن نشاید

(۳) اُس امر کا خوف جسکا سبب اُسکے اختیار میں ہو۔ لیکن ابھی وہ سبب ظاہر نہوا ہو اور ڈرتا ہو کہ کہیں وہ سبب ظاہر نہو اور اس سے خلاف اثر پیدا نہو جاے۔ اس کا علاج یہہ ہے کہ اپنے احوال کو دیکھتا رہے کہ وہ امر اُس سے صادر نہو۔ اور اُس عمل کا مرتکب نہو جسکے نتیجہ سے ڈرتا ہے ہر ایک کام کے نتیجہ کو دیکھے۔ بُرائی کی طرف بھی نظر ڈالے۔ صرف ایکطرف دیکھنے پر اکتفا نکرے۔ اگر اُس فعل کے صادر ہونیکے بعد نتیجہ کی پریشانی سے ڈر رہا ہو تو وہ دوسری قسم میں داخل ہوگا

(۴) اُن چیزوں سے خوف کرنا کہ جن سے بے سبب طبیعت وحشت کرتی ہے مثلاً جنات میّت وغیرہ خصوصاً رات کے وقت حالتِ تنہائی میں خوف کھانا۔ اس خوف کا منشا غلبہ قوۂ واہمہ و قصورِ عقل ہے۔ جو ضعفِ نفس پر دلالت کرتا ہے۔ عقلمند پر لازم ہے کہ غور کرے کہ اُن امور سے کسلیے تشویش و خوف کرتا ہے۔ حالتِ زندگی میں تو اُس سے خوف نہ کیا بلکہ اُس سے لڑائی سے بھی پرہیز نہ کیا۔ پھر بدن سے میّت کے جو بیحس و حرکت ہے کیوں خوف کرتا ہے کہیں دیکھا یا سنا ہے کہ مردے نے زندے پر حملہ کیا اور غالب ہوگیا۔ اب رہے جنات اُنکے وجود میں بھی بین العلما اختلاف ہے آپ کس دلیل پر اُنکے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ اور اگر وہ موجود بھی ہو تو کیوں آپ کے سامنے آئیگا۔ وہ اگر آئے بھی تو کس بنا پر درپے آزار ہوگا اور اگر درپے آزار بھی ہو تو کونسی قوت کی بنا پر غالب ہوگا۔ آخر انسان بھی تو اشرفِ ممکنات ہے اکثر اُسکے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ پھر کس سبب سے اشرفِ کائنات ایک ضعیف الوجود سے خائف ہے جسکی قوت ناقص اور فطرت پست ہو اُس سے خوف کرتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ اندھیری راتوں میں تنہا خصوصاً مقامِ وحشت انگیز میں گزرے۔ اُس جگہ ٹھیرے کہ بتدریج اُسکا خوف دور ہو۔ اسی قسم میں خوفِ مرگ بھی داخل ہے گو اِسکا قسمِ اوّل سے بھی تعلق ہے۔ چونکہ موت سے اکثر لوگ بہت زیادہ خائف ہیں۔ اور اُسکا معالجہ بھی اہم ہے۔ لہذا خصوصیت سے اسکا بیان حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔ خوفِ مرگ کے چند اسباب ہیں۔

پہلا یہہ کہ شاید انسان ایسا تصور کرتا ہے کہ موت سے فانی و معدوم ہوجائیگا۔ دوسرے وقت ہرگز اُسکا وجود کسی دوسرے عالم میں نہوگا۔ منشا اس خوف کا سستیِ اعتقاد و ناداشتگیِ آخرت ہے۔ ایسا شخص زمرۂ کفار میں داخل اور دائرۂ اسلام کے باہر ہے۔ اسکا علاج یہ ہے۔ کہ اصولِ عقائد پر دلائل و براہان کے ساتھ قائم ہو۔ مجاہدات و عبادات بجالائے۔ یہانتک کہ

اسکو یہ یقین حاصل ہو کہ صرف جامۂ بدن کو دور کرنے اور بدن سے علاقہ قطع کرنے کو موت کہتے ہیں۔ اور انسان خوشی و نعمت یا عذاب میں ہمیشہ باقی رہیگا عیاذاً باللہ کہ موت کو عدم سے تعبیر کریں اور اگر عدم ہی مان لیں جب بھی تشویش و خوف ایک جہل چیز ہے اسلئے کہ معدوم کے لئے الم کیسا وہ کسی چیز سے متاثر ہی نہیں ہو سکتا اسی سبب سے بعض علما کا قول ہے کہ اگر آگ روشن کر کے کہا جائے کہ جو کوئی اسمیں داخل ہوگا معدوم ہو جائیگا تو اب مجھے خوف یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے سے پہلے مرجاؤں اور معدوم ہونے سے محروم رہوں۔

دوسرا۔ یہ کہ ایسا گمان کرے کہ مرنا اُسکو کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ بھی غفلت ہے۔ یہ شخص حقیقتِ مرگ سے واقف نہیں اور خود انسان کی حقیقت سے بھی جاہل ہے۔ اگر واقف ہوتو معلوم کرلیتا کہ موت باعثِ رتبۂ کمالِ انسانیت ہے۔ آدمی جب تک نہ مرے ناقص و ناتمام ہے کیا آپ نے نہیں سنا ہے کہ جو شخص مرگیا کامل ہوگیا۔

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

از جمادی مردم نامی شدم ٭ مردم از نامی زحیوان سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم ٭ پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم
باردیگر ہم بمیرم از بشر ٭ تا برآرم از ملائک بال و پر
باردیگر از ملک پراں شوم ٭ انچہ در وہم تو ناید آں شوم

پس انسانِ کامل ہمیشہ مشتاقِ مرگ اور مرنے کا طالب ہے چنانچہ سیدِ اوصیا نے فرمایا ہے (وَاللّٰہِ اِنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الصَّبِیِّ بِثَدْیِ اُمِّہٖ) یعنے خدا کی قسم ہے کہ پسرِ ابوطالب کو موت سے اس طرح محبت ہے جیسا کہ طفل کو پستانِ مادر سے تاکہ جسکو عقل کامل ہو وہ جانتا ہے کہ موت آدمی کو ظلمت سرائے

طبیعت سے باہر نکالتی ہے۔ عالمِ خوشی و نور و نعمت و سرور میں پہنچاتی ہے۔ بذریعۂ موت تنگیٔ زندانِ دار محنت سے نجات ملتی ہے۔ الم۔ مرض۔ خوف۔ فقر۔ احتیاج سے فارغ ہوکر جائے راحت و صحت کا دامن ہاتھ آتا ہے منافقین و اشرار کی صحبت سے دوری ہوتی ہے۔ ساکنانِ عالمِ قدس و محرمانِ خلوتِ انس سے قربت رہتی ہے۔ کونسا عقلمند ہے کہ سرورِ عقلیہ و لذتِ حقیقیہ و حیاتِ ابدی و پادشاہتِ سرمدی کو ہاتھ سے کھوئے۔ اور اُس وحشت کے گھر میں جہاں سور و مار جمع ہوں۔ اور طرح طرح کی مصیبت و بلا و مرض و رنج و عنا کا سامنا ہو ساکن ہونا پسند کرے۔ صاحبو! خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے کہو ؏ من ملک بودم و فردوسِ بریں جایم بود؛ آدم آورد دریں دیرِ خراب آبادم؛ اپنے وطنِ اصلی کو یاد فرمائیے ہرگز اپنے شہرِ حقیقی کو فراموش نہ کیجئے؛ آتشِ شوق کو روشن اور شعلۂ اشتیاق کو حرکت میں لائیے غبارِ کدورت و عالمِ حیوانیت کو دور کیجئے؛ اس قفسِ خاک کو توڑئیے؛ اور آشیانۂ قدس کی طرف پرواز کیجئے؛ تنگیٔ زندانِ ناسوت سے چھٹکارہ حاصل کرکے فضائے دلکش میں قدم رکھئے؟۔ کبتک طبیعت گرفتارِ دام اور کبتک زندان رنج و آلام میں محبوس رہیگی۔ کوئی وقت عالم پاک کے یاروں اور دوستوں کی بھی یاد کیجئے؛ اور اُس شہر کے رفیقوں کا خیال بھی دل میں لائیے۔

تیسرا۔ یہ کہ قطعِ تعلقِ اولاد و عیال و منصب و مالِ ظاہری بھی سببِ خوفِ مرگ ہوتا ہے۔ لیکن یہ خوف موت سے ہرگز نہیں ہے بلکہ ذخیرۂ فانیہ و لذاتِ دنیائے دنیّہ کی جدائی کا غم ہے اس خوف کا علاج یہ ہے کہ تامل کرے کہ جو چیزیں گذشتنی و گذاشتنی ہیں۔ ان سے دلبستگی کہاں تک جائز ہے اگر آپ انھیں ترک نہیں کرسکتے تو وہ آپکو ترک کرنے پر آمادہ ہیں بغرض مفارقت ایک ضروری چیز ہے اور اس جدائی کا کوئی علاج نہیں۔ معمولی عقل والا بھی ان سے ہرگز اطمینان و محبت نہ رکھیگا پس محبت دنیا سے کنارہ کیجئے۔ اور اس خوف و رنج سے دل کو دور رکھئے۔

چوتھا۔ یہ کہ اس امر کا خوف ہو کہ ہماری موت پر دشمن شماتت کرینگے اور خوشحال ہونگے اور اسلئے موت سے خوف کیا جاوے تو یہ ایک مکر و وسوسۂ شیطانیہ ہے کیونکہ انکی خوشی و سرزنش نہ دین کو ضرر پہنچاتی ہے نہ ایمان کو۔ نہ بدن کو کوئی الم حاصل ہوتا ہے نہ جان کو جب آپ اس گھر سے چلے جائینگے تو اس قسم کے خیالات دل میں آہی نہیں سکتے۔ علاوہ اسکے دشمنوں کی شماتت اور اُن کی خوشی موت پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کی بلا و نکبت پر دشمن خوش ہوا کرتے ہیں۔ پس اس امر سے جو شخص خائف ہے تو اُسے چاہئیے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی دوستی کا برتاؤ رکھے جس کا ذکر آگے حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

پانچواں۔ یہ کہ مرگ سے اسلئے خائف ہے کہ اُسکے مرجانیکے بعد اہل و عیال ذلیل و خوار و ضایع و پائمال ہونگے اُسکے دوست و عزیز و اقارب ہلاک و بدحال ہونگے۔ یہ خیال بھی وسوسۂ شیطانیہ و خیال فاسدہ ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسا خیال کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو بھی منشا کسی اثر کا جانتا ہے۔ دوسرے کی عزّت اور ثروت و قوّت میں اپنے وجود کی بھی مداخلت مانتا ہے۔ خداوند عالم کے قضا و قدر سے جاہل و نادان ہے۔ ایک عقلمند کیونکر ایسا خیال دل میں لاسکتا ہے درآنحالیکہ دیکھ رہا ہے کہ اُسکے فیض اقدس سے ایک ایک کو وہ فیض پہنچ رہا ہے جس کا وہ سزاوار ہے۔ اور جس شے کو جسکے لئے خلق کیا ہے اُسے واصل کر رہا ہے کسی مخلوق کے لئے تبدیل کو دخل نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ جن لڑکے کے نگاہبان و پرستار متعدد تھے وہ ہلاک ہوے ہیں۔ اور وہ لڑکے جو بے پدر و مادر تھے کوچہ و صحرا میں بیکس و تنہا زندہ رہتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ہے کہ بہت سے علما و فضلا نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوشش کی۔ بہت کچھ سرزنش سے کام لیا لیکن کوئی اثر نہوا۔ کوئی عالم پیدا نہوا۔ صاحبان دولت و مال اپنے فرزندوں کیلئے کسقدر مال چھوڑ گئے۔ مگر تھوڑے ہی زمانہ میں وہ دولت ہاتھ سے

نکل گئی۔ کوئی منفعت نہوئی۔ بہت سے یتیموں کیلئے نہ کوئی مال تھا نہ کوئی تربیت کرنیوالا لیکن
مربیِ ازل کے توسط سے صاحبِ کمال ہوکر مناصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اور اکثر یتیم جنکے باپ زمانۂ
طفولیت میں سر پر نہیں رہتے بہ نسبت اُن لڑکوں کے جو آغوشِ پدر میں پرورش پاتے ہیں۔ ترقی دنیا
و آخرت میں سبقت لیجاتے ہیں۔ تجربہ ہوا ہے کہ جس شخص نے خاطر جمع و مطمئن ہوکر اپنی اولاد کے واسطے
کوئی مال چھوڑا۔ یا اپنی اولاد کو کسیکے سپرد کیا تو آخرکار اُسکی اولاد فقر و تہیدستی میں گرفتار ہوکر
ذلیل و خوار ہوئی۔ بلکہ اکثر ہوا ہے کہ وہ مال یا وہ شخص اُسکی اولاد کے لئے باعث ہلاکت ہوا ہے
پس جو شخص اپنی اولاد او رپسماندوں کو خداوندِ عالم کے سپرد کر دے تو اُنکی عزت و معیشت و مال
و دولت میں ہر روز زیادتی ہوتی ہے۔ اب جو شخص عاقل اور اپنی اہل کا خیر خواہ ہوگا وہ اپنی اولاد
و عیال کا کار و بار خالق پر چھوڑ دیگا۔

چھٹا۔ یہ کہ بسبب اُن معاصی اور گناہوں کے جو اُس سے صادر ہوئے ہیں موت اور عذاب
الٰہی سے خائف ہو۔ یہ خوف بہت اچھا ہے اور بہت بہتر ہے۔ آیات و اخبار میں اسکی تعریف وارد
ہوئی ہے جیسا کہ اسکے بعد حوالۂ قلم کیا جائیگا۔ لیکن اس خوف پر باقی رہنا اور اسکا علاج توبہ و انابت
و ترکِ معصیت سے نکرنا جہل و غفلت ہے۔ اس خوف کی کیفیت اسکے بعد آئیگی علاوہ اسکے یہ خوف
حقیقتاً مرگ سے نہیں ہے بلکہ یہ خوف اُس حالت سے ہے جو مرنے کے بعد پیش ہوگی۔ یہ جو کچھ کہ اوپر
بیان کیا گیا اُس سے معلوم ہوا کہ موت کا خوف لسبب ان وجوہاتِ مذکورہ کی بنا پر بالکل بیکار ہے
عاقل کو چاہئے کہ اُسکا خوف نہ کھائے اور تامل کرے کہ موت ایسی شیرینی ہے جسکو ہر شخص چکھیگا
ایک ضربت ہے کہ ہر شخص کے سر پر آئیگی۔ بلکہ از روی فنِ حکمت یہ امر مسلمہ و مثبتہ ہے کہ ہر مرکب
بالضرور فاسد ہوتا ہے۔ پس بدن جو عناصر سے مرکب ہے اُسکو چاہئے کہ فاسد ہو پھر آرزوی ہمیشگی
حیات اور تمنائے بقائے بدن خیال غلط و محال ہے عقلمند ایسی آرزو نہیں کرتا۔ بلکہ یقین کے

ساتھ جانتا ہے کہ انتظام عالم بالکل خیر و صلاح پر مبنی ہے۔ پس جو کچھ ہوا یا ہوتا ہے اس پر
رضامندی و خوشنودی کا اظہار کرتا ہے کسی رنج و کدورت کا دل میں خیال نہیں لاتا۔
اگر تمنّا و آرزو طولِ عمر کی حصولِ لذّاتِ جسمانیہ کے لئے چاہتا ہے تو پیری ایک چیز ہے جس سے
قویٰ و حواس میں فتور آنا لازم ہے۔ خصوصاً صحت جو عمدہ لذّت ہے وہی زائل ہوگئی تو
پھر کوئی دوسری لذّت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ روز بروز نخلِ قامت پستی کی طرف
جھکیگا۔ یہانتک کہ دوسرے بلکہ اپنے اہل و عیال خواری و بیقدری کی نگاہ سے دیکھیں گے
جیسا کہ کتابِ خدا میں ہے کہ (وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ) یعنے جسکو پیری اور
عمر زیادہ دیگئی وہ آدمیوں میں سرنگوں و خوار ہوا۔ علاوہ اسکے طولِ عمر کے لئے لازمی ہے
کہ احباب و اولاد کے داغ اُٹھائے قسم قسم کی بلاؤں میں مبتلا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص
زیادتیِ عمر کا طلبگار ہے۔ وہ اِن تمام زحمتوں کا خواستگار ہے۔ اور اگر زیادتیِ عمر سے تحصیل
و اخلاقِ حسنہ کے حاصل کرنے اور طاعت و عبادت کا مقصد ہو تو کوئی شک نہیں کہ زمانہ
پیری میں انکا حاصل کرنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔ اسکے لئے بھی زیادتیِ عمر لاحاصل ہے۔
کیونکہ جس نے جوانی میں بدی کو اپنے سے دور نہیں کیا۔ یہانتک کہ زمانہ پیری آگیا اُسکی جڑ دل
میں مضبوط ہوگئی تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ اُسکو زائل کرکے اخلاقِ حسنہ حاصل کرے۔ کیونکہ جڑ
مضبوط ہونے کے بعد اُسکا اُکھیڑنا ریاضت و مجاہدہ پر موقوف ہے۔ اور زمانہ پیری میں کسی ریاضت
و مجاہدہ کا متحمل ہونا ممکن نہیں اسی سبب سے اخبار میں وارد ہوا ہے کہ جب آدمی کا سن چالیس
برس کا ہوا اور کوئی نیکی نہیں کی تو شیطان اُس کے نزدیک آتا ہے۔ اور اُسکے منہ پر ہاتھ
پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا باپ تیرے منہ پر فدا ہو کہ ہرگز تیرا چھٹکارا نہیں ہے۔ غرض باوجود
اسکے طالب سعادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت صفات بد کو دور کرنیکی کوشش کرتا رہے

اور یہ طول امل (درازیِ آرزو) خود ایک صفتِ بد ہے۔ اس سے متنفر رہنا چاہئے۔ اور ہمیشہ حتی المقدور زندانِ دنیائے بکّار سے خلاصی اور ترکِ لذّاتِ دنیا و خواہشِ حیاتِ ابدیّہ میں مشغول رہکر دن رات خداوند عالم سے مناجات کرتا رہے۔ یہانتک کہ قفسِ طبیعت سے خلاصی پاکر اوجِ عالمِ حقیقت کی طرف پرواز میسّر آئے۔ ایسی صورت میں وہ موت کا مشتاق رہیگا اُسے موت کی پروا بھی نہ ہوگی نہ اُسکو اس ظلمت کدہ کی جو مسکنِ اشقیا و شیاطین و اشرار ہے کوئی خواہش ہوگی۔ اور نہ اُسکی نظر میں اس حیاتِ فانی کا کوئی اعتبار ہوگا۔ بلکہ اُسکا دل عالمِ اعلیٰ کی طرف لگا ہوگا اور وہ مصاحبتِ مجاورانِ حرمِ قدس کا شائق اور ہمیشہ بساطِ قربِ حق کا جویا رہیگا۔

فصل (۲) شرافتِ اطمینانِ قلب اور اسکے تحصیل کا طریقہ۔

واضح ہو کہ خوف کی ضد یہ ہے کہ امورِ مذکورہ میں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ یعنے ذرا بھی اُن امور سے مضطرب نہو۔ اور کوئی خوف اُسکے دل میں نہ آئے۔ کوئی شک نہیں کہ یہی فضیلت مطلوب اور نہایت مرغوب ہے۔ ایسا شخص ہر ایک کی نظر میں صاحبِ عزت اور صاحبانِ بصیرت کے نزدیک باوقعت ہے۔ اور جس میں یہ صفت نہیں ہے۔ امورِ مذکورہ سے خائف و ترساں ہے تو اُسکو مرد کہنا بیکار ہے۔ آدمیوں کی نظر میں بے وقعت و بے اعتبار ہے ایک بچہ ہے کہ مرد کا جسم رکھتا ہے۔ یا ایک مرد ہے جو عورتوں کی طبیعت رکھتا ہے۔ پس جو کوئی اپنے آپ کو مردوں کے زمرے میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ قوّتِ قلب کی عادت ڈالے۔ کمزور شاخ کی مانند ہوا سے لرزاں نہو۔ سوکھی گھانس کی طرح نسیم سے پریشان نہو بلکہ مانندِ کوہ اپنے مقام پر قائم رہے۔ اور جان لے کہ صاحبانِ قلوبِ قویّہ و نفوسِ مطمئنہ کی ایک خاص ہیبت دلوں پر طاری ہوتی ہے۔ بلکہ کسی شخص کے سامنے جب کوئی دوسرا شخص متزلزل و مضطرب ہوتا ہے تو یہ اوّل الذّکر کی قوّتِ نفس کی وجہ سے ہے۔ اور

اکثر اوقات جس کا نفس قوی ہے وہ مباحثاتِ علمیہ اور مخاصمہ و منازعہ کے وقت اُس شخص کو زیر کر لیگا جسکا نفس ضعیف ہے۔ اس صفت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے آپکو جاے خوف و بیم میں ڈالے یہانتک کہ ملکہ حاصل ہو۔ اور دل میں قوت و اطمینان کامل ہو۔ **دوسری صفت** عذابِ الٰہی سے بیفکر رہنا جسمیں چھہ فصلیں ہیں۔

عذابِ الٰہی سے بیفکر رہنا کب کہا جا سکتا ہے

وہ یہ ہے کہ انسان تدبیر اور گرفت خداوندی سے اپنے آپ کو امین سمجھے۔ عذابِ الٰہی اور اُسکے امتحانات سے بیفکر ہو بیٹھے۔ اُسکی عظمت و جلال کا خیال اور اُسکے مواخذے کا دل میں اندیشہ نہ رکھتا ہو۔

فصل (۱) عذابِ الٰہی سے بیفکر ہونیکی مذمت اور اُسکے اسباب و معالجہ

واضح ہو کہ سبب اس صفتِ رذیلہ کا عظمتِ پروردگار سے غفلت اور اُسکی آزمایش و امتحانات سے ناواقفیت ہے۔ یا روزِ قیامت کے حساب اور اعمالِ نیک و بد کی جزا پر اعتقاد نہیں رکھتا ہے۔ یا اسے رحمتِ واسعۂ الٰہی پر اطمینان ہے یا اپنی طاعت و عبادت پر بہروسہ رکھتا ہے۔ غرض یہ صفت کسی سبب سے بھی پیدا ہو موجبِ خرابی و نقصانِ مآل و سبب ضلال ہے کیونکہ اُس کا سبب یا تو کفر ہے یا جہل یا غرور یا خود پسندی۔ اور انمیں سے ہر شے انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ اب اگر عظمتِ الٰہی سے غفلت ہو تو یہ جہل و نادانی ہے۔ اور اگر اعتقاد نہونیکی وجہ سے ہو تو اُسکا منشا کفر و بے ایمانی ہے۔ اگر بہروسہ رحمتِ الٰہی کا ہو تو یہ غرور ہے جو صاحبِ عقل سے دور ہے۔ اور اگر اپنے عمل پر اعتماد ہو تو خود پسندی ہے بیجا تفاخر ہے۔ آیات و اخبار کہ خدا سے امین ہونیکی نسبت موجود ہیں۔ خداوند عالم کی کتاب میں وارد ہے (وَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ) یعنے زیانکاروں کی جماعت مکرِ خدا سے امین ہوتی ہے یہ ثابت و محقق ہے کہ فرشتے اور پیغمبران

خدائی گرفت سے خائف و ترساں اور گریاں و نالاں ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ ابلیس لعین اپنے کردار
کی سزا پاچکا تو جبرئیل و میکائیل جو مقربانِ بارگاہِ ربِ جلیل ہیں ایک جگہ بیٹھے ہوئے گریہ وزاری
کرتے تھے انکو خطابِ الٰہی ہوا کسلئے گریہ کرتے ہو؟ عرض کیا کہ اُے پروردگار تیرے امتحان
سے ڈرتے ہیں۔ تیری آزمایش سے خائف ہیں ۔ پس خداوندِ جلیل نے فرمایا کہ ہمیشہ اسیطرح
ڈرتے رہو۔ اور میرے مکر سے بیخوف نہو ۔ مروی ہے کہ حضرت رسولؐ و جبرئیل امین خدا کے خوف
سے روئے تو خدا نے اُن پر وحی نازل کی کہ کیوں روتے ہو؟ حالانکہ میں نے تمکو امین کیا ہے۔
عرض کیا کہ خداوندا کون ہے جو تیری آزمایش اور امتحان سے بیخوف رہے؟ گویا اس ارشادِ الٰہی
پر اسلئے بیخوف نہوئے کہ مبادا یہ ارشاد ہی امتحان و آزمایش کے لئے نہو۔ اگر انکے خوف کو تسکین
ہوتی تو معلوم ہوتا کہ یہ بیخوف ہو گئے ہیں اور اپنے قول پر ثابت نہیں ہیں جیسا کہ جب حضرت
ابراہیم خلیل کو گوپن میں رکھا کہ آگ میں ڈالیں تو اُنھوں نے کہا (حَسْبِیَ اللّٰہُ) یعنے خدا
مجھکو ہر حال میں کافی ہے؟ کسی چیز کی میں پروا نہیں رکھتا ہوں؟ چونکہ یہ بزرگی کا دعویٰ
تھا اسلئے خداوندِ عالم نے آزمایش کی۔ اور جبرئیل کو بھیجا۔ وہ ہوا میں ظاہر ہوئے۔ اور ابراہیمؑ
خلیل سے اُنھوں نے پوچھا کہ اگر کوئی حاجت ہے تو کہو کہ اُسکو پورا کروں؟ حضرت نے کہا کہ
حاجت تو رکھتا ہوں مگر تم سے نہیں۔ پھر جبرئیل نے کہا جس سے حاجت رکھتے ہو اُس سے
طلب کرو؟ تو کہا (عِلْمُہٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ عَنْ مَقَالِیْ) یعنے جب اُسکو میرا حال معلوم ہے
تو میرے کہنے کی ضرورت نہیں ۔ ایسے بزرگوار پر آفریں ہے کہ ایسی حالت میں روح القدس کی
طرف التفات نہیں کیا۔ وہ امتحان میں پورے اُترے۔ اسی سبب سے خداوندِ عالم نے فرمایا ہے
(وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى) یعنے ابراہیم نے جو کچھ کہا وہ وفا کیا۔ میرے سوا کسی دوسرے
کی طرف التفات و اعتنا نہیں کی ۔ لہذا بندۂ مومن کو چاہئے کہ کسی حال میں خدا کے امتحان و

آزمائش سے غافل ہو جیسا کہ ملائکہ وانبیا امین (از خوف) ہی تھے۔ مواخذہ و عذابِ الٰہی کو فراموش نہیں کیا حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے جادوگروں کے مقابلہ میں جو خوفِ باطنی ظاہر ہوا وہ خوف فی الحقیقیہ امتحان و آزمائش خداوندی کے مقابلہ میں تھا جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خبر دی۔ (اَوْجَسَ مُوْسیٰ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً) علاج اس صفت کا علاوہ اسکے جو آگے بیان کیا جائیگا وہی ہے جو عُجب و غرور کا علاج ہے۔ یعنے خوفِ خدا دل میں پیدا کرے جو اس صفت کی ضد ہے

فصل (۲)

خوفِ خدا اور اسکے اقسام۔

واضح ہو کہ ضد اس صفتِ مذموم (عذابِ الٰہی سے بیفکر رہنا) کی خوفِ خدا ہے کہ تین قسم پر ہے۔

(۱) خوف بندہ کو عظمت و جلالِ کبریا سے ہو۔ صاحبانِ قلوب اسکو خشیت یا ہیبت کہتے ہیں

(۲) خوف اُن گناہوں کا جو کئے ہیں۔ اور اُن تقصیرات کا جو اُس سے صادر ہوئی ہیں۔

(۳) خوف جو ان دونو قسمِ مذکورہ پر شامل ہو۔

کوئی شبہہ نہیں کہ جسقدر بندہ معرفت عظمت و جلال آفریدگار کی رکھتا ہو۔ اور اپنے عیوب اور گناہوں کا دیکھنے والا ہو اُسیقدر اُسکا ترس و خوف زیادہ ہوگا کیونکہ ادراکِ قدرت و عظمتِ پروردگار و قوّتِ قویّہ و عزتِ شدیدہ ضرور باعثِ وحشت و اضطراب ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُسکی عظمت و قدرت و صفات و جلال و جمال کی شدّت و قوّت بے انتہا ہے۔ کوئی شخص اُسکی صفاتِ مقدس کا احاطہ نہیں کرسکتا کسی کو اُسکی کُنہ کا ادراک میسر نہیں ہے۔ ہاں بعض لوگ اپنی قابلیت و طاقت کے موافق بطورِ اجمال بعض صفات کو سمجھتے ہیں لیکن وہ بھی حقیقتاً اُسکی صفات نہیں ہیں۔ عقولِ قاصرۂ انسانی کی وہی انتہا ہے۔ بلکہ نہایت مشکل ہے اور انسان اُسے کمال تصوّر کرتا ہے۔ اگر خورشیدِ حقیقت کے نور کی ایک جھلک اربابِ عقولِ قویّہ کے قلب پر پڑجائے تو اُن کے وجود خس و خاشاک کی طرح جل اُٹھیں۔ اور عقولِ قادسیہ و نفوسِ عالیہ کا منتہائے

فہم یہہ ہے کہ وہ جان لیں کہ حقیقت صفاتِ جلال و جمال تک رسائی محال ہے۔ اور اُس
مرتبہ کے سمجھنے میں بھی عقول متفاوت ہیں۔ اب جس شخص کا ادراک زیادہ و عقل کامل تر ہے
اُسکی حیرت و سرگردانی بیشتر ہے جو اُسکی عظمت و جلال کا زیادہ شناسا ہے اُسکی خوف و
دہشت زیادہ ہے۔ اسیوجہ سے پروردگارِ عالم فرماتا ہے (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) یعنے خدا سے خوف و دہشت سوائے بندگان خاص و عالم و دانا
کے کسیکو نہیں ہے۔ سیدِ رسل نے فرمایا ہے (اَنَا اَخْوَفُکُمْ مِنَ اللّٰهِ) یعنے خدا سے
میرا خوف بہ نسبت تمام کے زیادہ ہے۔ یہ حالت خوف اولیا و انبیا کی ہے۔ کیا آپ نے
نہیں سنا ہے کہ ہر شب امیر المومنین کو پے در پے غش طاری ہوئے تھے۔ اسکا سبب کمال
معرفتِ خدا ہے۔ کیونکہ جسکے دل میں معرفت کامل طور سے اثر کرتی ہے۔ اُسکا اضطراب بڑہتا ہے
سوزش زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہہ اثر دل سے بدن میں سرایت کرتا ہے۔ پس جسم ضعیف و لاغر
رہتا ہے چہرہ زرد اور آنکھیں گریاں۔ وہ لوگ گناہوں سے باز رہکر طاعت و عبادت میں
مشغول ہوتے ہیں۔ پس جو شخص ترکِ معاصی میں کوشش اور طاعت کی عادت نکرے اُسکو
کوئی مرتبہ خوف حاصل نہیں ہوتا۔ اسیوجہ سے کہا گیا کہ وہ شخص خائف نہیں ہے کہ روئے بلکہ
خائف وہ شخص ہے جو عاقبت سے ڈرے اور گناہ سے پرہیز کرے۔ ایک عارف کا قول ہے
کہ بندہ جسوقت خدا سے ڈرتا ہے تو گناہ سے اسطرح پرہیز کرتا ہے جیسا کہ بیمار طولِ مرض کے اندیشہ
سے غذائے ناموافق سے پرہیز و خوف کرتا ہے۔ اور یہہ اثرِ خوف جب صفات و احوال میں سرایت
کرتا ہے تو شہوت کی آگ کو کم کر دیتا ہے۔ اُسے دنیا کی لذتیں مزہ نہیں دیتیں۔ اُسکی طبیعت کو
گناہ مکروہ و ناگوار معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اُس شخص کو شہد ناگوار ہوتا ہے جو یہہ جانے کہ اُسمیں
زہر ملا ہوا ہے۔ اُسوقت میں اُسکا دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور اُسکی لذتیں اُسکے لئے بیکار

ہو جاتی ہیں صفاتِ خراب اُس سے دور ہوتے ہیں۔ وہ عظمتِ الٰہی کے سامنے ذلیل و متواضع ہوتا ہے اپنے احوال کے نتیجہ پر نظر رکھتا ہے۔ اسکو سوائے مجاہدۂ نفس و شیطان و مراقبۂ احوال و محاسبۂ اعمال کوئی شغل نہیں ہوتا۔ اپنی ایک ایک گہڑی غنیمت سمجھتا ہے اُسکو بیہودہ صرف نہیں کرتا ایک بات بھی فضول نہیں کہتا ہے جب کوئی خیال فضول اُسکے دل میں گذرے تو اپنے نفس پر مواخذہ و عتاب کرتا ہے۔ اپنے ظاہر و باطن کو اُس شے کے علاج پر جس سے ڈرتا ہے مشغول کرتا ہے اُسکے دل میں امورِ مذکورہ کے سوا کوئی دوسری بات نہیں گزرتی جسطرح کہ کوئی شخص شیر کے پنجہ میں پہنس گیا ہو یا دریا کے طوفان میں آگیا ہو وہ سوائے اپنی رہائی کے اور کسی بات کا خیال نہیں کرسکتا۔ اسیطرح یہہ شخص بھی سوائے اپنی نجات کے دوسری طرف توجہ نہیں کرتا صحابہ و تابعین وسلفِ صالحین اسی طریقہ پر کاربند تھے اور ادنٰی درجہ یہہ ہے کہ اس کا اثر اعمال میں ظاہر ہو اور آدمی محرّمات سے باز رہے۔ اُسوقت مرتبۂ ورع حاصل ہوتا ہے۔ اور جب اس مرتبہ سے ترقی کرکے ہمہ تن بارگاہِ اقدس خداوندی میں حاضر ہو فضولیاتِ دنیا سے قطعاً الگ ہو جاوے تو اُسوقت زمرۂ صدیقین میں داخل ہوگا۔

فصل (۳) مراتبِ خوف جنکی ایکدوسرے پر ترجیح ہے

واضح ہو کہ مکروہاتِ آیندہ کے تصوّر سے انسان کو خوف و ترس لاحق ہوتا ہے۔ اِن کے بہت درجے ہیں کیونکہ یا تو انسان کو بباعث قرب و لذّتِ دیدارِ پروردگار سے دور ہو جانیکا خوف ہوگا یہہ درجۂ خوف بہت بلند ہے اور صدیقین و مقربین کے واسطے یہہ درجہ میسّر ہوتا ہے سیّد اولیا اس مرتبہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ (فَهَبْنِي يَا إِلٰهِي وَسَيِّدِي وَمَوْلَائِي وَرَبِّي صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ) یعنے اے میرے معبود و آقا و مولا و پروردگار میں نے فرض کیا کہ تیرے عذاب پر صبر کرلونگا لیکن تیرے فراق پر کیونکر صبر کرسکونگا۔ اس مرتبہ سے کم درجہ کا

خوف عابد و زاہد کا ہے اسکے بھی کئی اقسام ہیں مثلاً جانکندی یا اُسکی سختی یا سوالِ منکر و نکیر یا عذابِ قبر ہولناک و تنہائی کا یا میدانِ قیامت کے ہول کا یا پروردگار کے سامنے کھڑے رہنے کا یا اُسکی ہیبت یا اپنے گناہوں کی حیا و خجالت کا یا رسوائی محشر یا اُسکی شرمساری کا یا بازار قیامت کے محاسبہ سے عاجز رہنے کا یا حسرت و پشیمانی و ندامت کے الم کا یا روز محشر کی شفاعت سے محرومی کا یا صراط سے گزرنے کا یا دوزخ کے سانپ اور بچھو کی ایذا کا یا محرومیِ بہشت یا حوران پاک سرشت سے دوری کا خوف ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات اس امر کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا مرنے سے پہلے توبہ نکر سکوں یا توبہ ٹوٹ جاے۔ یا ادائے حقوقِ پروردگار میں تقصیر ہو یا نفسِ امارہ و شیطانِ مکار غالب آجائے یا دنیاے دنی فریب دے یا حقوق الناس ذمے رہجائیں۔ یا نعمت و ثروت و عزت و صحت برباد ہوجاے یا طاعت و عبادت قبول نہو لیکن نیکوں اور متقیوں کے دل پر زیادہ تر خوف نتیجۂ خاتمہ کا ہوتا ہے اسی سے عارفوں کا دل پارہ پارہ ہے۔ اور ان سب اقسام سے بڑھا ہوا روزِ ازل کا خوف ہے۔ اسی سبب سے عبداللہ انصاری کا قول ہے کہ آدمی روز آخر سے ڈرتے ہیں اور میں روزِ اوّل سے ڈرتا ہوں۔ حضرت رسولؐ نے ایک روز سیدھا دستِ مبارک بند کر کے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ "خدا و رسول زیادہ جاننے والے ہیں" فرمایا "کہ اہل بہشت کے اور اُن کے باپ اور اُنکے قبیلوں کے نام ہیں جو قیامت تک اہلِ بہشت ہونگے" پھر فرمایا کہ حکم خدا ہے۔ اور حکم خدا عدل پر مبنی ہے کہ (فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ) یعنے ایک طائفہ بہشت میں ہے اور ایک طائفہ دوزخ میں۔ دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فرمایا۔ ہوسکتا ہے کہ نیک آدمی کو اشقیا کے راستہ سے لیجائیں تا کہ لوگ کہیں کہ یہ کسقدر اشقیا سے مشابہ ہے بلکہ انھیں میں سے ہے۔ ناگاہ فوراً اُسکو سعادت گھیر لیگی اور وہ نیکوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ اسیطرح ممکن ہے

کہ شقی کو اہلِ سعادت کے راستہ سے لیجائیں اور لوگ کہیں کہ یہ کسقدر نیکوں کے مشابہ ہے۔ بلکہ انھیں میں سے ہے بس فوراً اسکو شقاوت پکڑ لیگی اور اہلِ شقاوت کے ساتھ خاتمہ ہوگا۔

فصل (۴)

شرافتِ خوفِ خدا اور اسکی حد

واضح ہو کہ خوفِ خدا رکھنے والے کا مرتبہ بہت بلند ہے صفتِ خوف افضلِ فضائلِ نفسانیہ و اشرفِ اوصافِ حسنہ ہے کیونکہ ہر صفت جسقدر تحصیلِ سعادت میں معین و مددگار ہوگی اسیقدر اشرف گنی جائیگی۔ اور کوئی سعادت ملاقاتِ پروردگار اور اسکے مرتبۂ قرب سے بڑھکر نہیں ہے یہہ مرتبۂ قرب سوائے محبتِ خدا کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور محبت معرفت پر موقوف ہے اور معرفت فکر و ذکر سے حاصل ہوتی ہے ہمیشہ فکر و ذکر میں مشغول رہنا ہوتا ہے ترکِ شہوات کے اور کسی چیز سے متحقق نہیں ہوتا اور لذات و شہوات کو کوئی چیز سوائے خوف کے نیست و نابود کرنے والی نہیں ہے اسی وجہ سے فضیلت میں اس صفت کی آیات واخبار متواتر آئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اہلِ خوف کیلئے علم۔ ہدایت۔ رضوان۔ رحمت کو جو مقاماتِ اہلِ بہشت کا مجمع ہے جمع کیا ہے اور فرمایا ہے (اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) یعنی خوفِ خدا صرف اہلِ علم کے لئے ہے ۱۲ اور فرمایا (هُدًى وَرَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ) یعنے ہدایت و رحمت ان اشخاص کیلئے ہے جو اپنے پروردگار سے خائف و ترساں ہیں ۱۲ پھر فرمایا (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ) یعنے انسے خدا راضی و خوشنود ہے وہ خدا سے راضی و خوشنود ہیں ۱۲ یہہ مرتبہ اسکے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ آیاتِ متعددہ سے پایا جاتا ہے کہ خوفِ خدا لازمۂ ایمان ہے۔ جو شخص خدا کا خوف نہیں رکھتا وہ ایمان میں پورا نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) یعنے سوائے اسکے کوئی مومن نہیں ہے جسکے

سامنے خدا کا نام لیا جاسے اُسکے دل پر خوف طاری ہوجاے" اور فرمایا ہے (خَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ) یعنے اگر صاحب ایمان ہو تو مجھ سے ڈرو" خوف کرنیوالوں کیواسطے بہشت کا وعدہ کیا گیا ہے کہ (وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى) یعنے جو شخص اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے اور ہوا و ہوس سے باز رہتا ہے تو بہشت اُسکا مسکن ہے" اور فرماتا ہے (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ) یعنے جو شخص اپنے پروردگار سے خوف کرتا ہے اُسکے لئے بہشت ہے" حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ میری عزت کی قسم ہے کہ کسی بندہ کو دو خوف نہیں دئے جاتے اور نہ کسی بندہ کیلئے دو امن قرار دئے گئے ہیں پس جو کوئی دنیا میں امین ہو تو قیامت میں اُسکو ڈراؤنگا اور جو کوئی دنیا میں مجھ سے ڈرتا ہے اُسکو قیامت میں بیخوف رکھونگا حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے اُس سے خدا سب کو ڈراتا ہے جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا ہے اُسکو خدا تمام چیزوں سے ڈراتا ہے ایکروز حضرت نے ابن مسعود سے فرمایا کہ اگر تو قیامت میں مجھ سے ملاقات چاہتا ہے تو میرے بعد بھی خدا سے خائف رہنا۔ لیث ابن ابی سلیم سے منقول ہے کہ میں نے ایک مرد انصاری سے سنا کہ ایک روز موسم گرما میں حضرت رسول کی خدمت میں ایکدرخت کے سایہ میں بیٹھا تھا کہ ایک مرد آیا اور لباس اُتار کر ریگ گرم پر لوٹنے لگا کبھی اپنی پیٹھ کو اور کبھی اپنے پیٹ کو اور کبھی اپنے منہ کو داغ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ریگ گرم کی حرارت چکھ۔ کیونکہ جو کچھ میں نے اپنے ساتھ کیا ہے اُسکے لئے عذاب خدا شدید ہے حضرت رسول صلعم اُسکو ملاحظہ فرماتے تھے جب اُس نے لباس پہن لیا حضرت نے دست مبارک سے اشارہ فرماکر اُسکو بلایا اور فرمایا اے بندۂ خدا تجھ سے کونسا امر صادر ہوا اُس نے عرض کیا کہ خوف خدا سے میری یہ حالت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بیشک تو حق خوف بجا لایا۔ خدا اہل آسمان کے سامنے

تیری تعریف کرتا ہے پھر حضرت اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اسکے پاس جاؤ تاکہ تمھارے
واسطے دعا کرے نیز حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ کوئی بندۂ مومن نہیں ہے کہ جسکی آنکھ سے
خوفِ خدا میں آنسو باہر آئے اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو مگر خدا آتشِ جہنم کو اُس پر حرام کرتا ہے
پھر فرمایا کہ جب مومن کا دل خوف خدا سے کانپے تو اُسکے گناہ مثل درخت کے پتّوں کے جھڑتے
ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص خدا کے خوف سے گریہ کرتا ہے وہ داخل جہنم نہیں ہوتا حضرت امام
محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام عراق میں
تشریف فرما تھے ایکروز نمازِ صبح جماعت سے فارغ ہوکر وعظ فرمایا خود گریہ کیا حاضرین کو
رولایا اور ارشاد کیا خدا کی قسم ہے کہ زمانۂ رسولؐ میں ایک قوم کو میں نے دیکھا کہ اُنکے بال
پریشان تھے۔ بدن غبار آلود تھے بھوکے رہتے تھے اور صبح و شام گریہ کرتے تھے۔ کثرتِ
سجدہ سے اُنکی پیشانی پر گھٹّے پڑ گئے تھے۔ تمام رات قیام و سجود میں بسر کرتے تھے کبھی ایک
پاؤں پر کھڑے رہکر عبادت کرتے تھے۔ کبھی سجدے میں جاکر اپنے پروردگار سے مناجات
کرتے تھے۔ آتشِ جہنم سے خلاصی چاہتے تھے۔ باوجود اسکے خائف و ترساں رہتے تھے گویا آتش
جہنم کی آواز اُنکے کانوں میں آتی تھی جب اُنکے سامنے خدا کا نام لیا جاتا تو بید کے مانند کانپتے
تھے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ کسی نے حضرت کو خنداں نہیں دیکھا یہانتک کہ
دنیا سے مفارقت فرمائی۔ نیز اُن حضرت سے مروی ہے کہ مومن ہمیشہ دو خوف کے درمیان ہے
ایک خوف اُن گناہوں کا جو کئے ہیں اور نہیں جانتا ہے کہ خدا اُسکے ساتھ کیا سلوک کریگا
دوسرا زمانۂ آیندہ کا خوف کہ اُس میں کیا کیا گناہ سرزد ہونگے پس کوئی صبح ایسی نہیں جسمیں
وہ خائف و ترساں نہ اُٹھے پھر اُنھیں حضرت سے مروی ہے کہ خدا سے اسطرح ڈر گویا تو اُس کو
دیکھتا ہے۔ اگر تو اسکو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھکو دیکھتا ہے۔ اگر تو ایسا نہیں سمجھتا تو کافر ہے

اور اگر جانتا ہے کہ وہ تجھکو دیکھتا ہے اور پھر اُسکا گناہ کرتا ہے تو شاید وہ تیری نظر میں تمام
دیکھنے والوں سے کم ہے کیونکہ دوسروں کے خیال سے تو ضرور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے
غرض خوف اور اُسکی فضیلت میں بیشمار احادیث ہیں اُنکا بیان کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب
ہوجاے اور جو کچھ حدیثیں زہد و تقوی و گریہ و رجا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ تمام
فضیلتِ خوف پر دلالت کرتی ہیں۔ انمیں سے بعض سبب خوف ہیں بعض چیزیں خوف کی
پیدا کرنیوالی ہیں اور بعض لوازم خوف میں سے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فضیلت و مدحِ خوف میں مذکور ہوا اس سے یہہ مراد ہے کہ کسی وقت میں حد شایستہ سے
تجاوز نہ کیا جاے ورنہ مذموم ہو جائیگا صراحت اُسکی یہہ ہے کہ خدا کا خوف تازیانہ کا حکم
رکھتا ہے جو بندوں کو علم و عمل و طاعت و عبادت پر متوجہ کرتا ہے تاکہ اُسکے ذریعہ سے
قربِ الٰہی پر فائز ہوں اور لذتِ محبتِ خدا حاصل ہو۔ جیساکہ اطفال کو تازیانہ سے
تادیب کی یا گھوڑے کو چلانے کی ایک حد معیّن ہے۔ اگر اُس سے کم ہو تو تادیب طفل
اور مرکب چلانے میں کوئی نفع نہیں ہوتا اگر اُس سے تجاوز کیا جائے تو طفل یا مرکب
کی ہلاکت ہے۔ پس ایسا ہی خوف تازیانۂ خدا ہے جسکی حد معیّن یہہ ہے کہ وہ آدمی کو مقصد
مذکورہ پر پہنچا دے۔ اگر اُس حد سے کم ہو تو فائدہ بہت کم بلکہ بے اثر ہے مثلاً باریک لکڑی
مرکب قوی کو ماریں جس سے کچھ بھی اثر نہو۔ یہہ خوف مانند رقتِ قلب کے ہے۔ کہ مستورات
بمجرد سننے بیانِ دردناک کے گریہ کرتے ہیں۔ جب وہ بیان موقوف کیا جائے تو حالت
اوّل پر قائم ہو جاتے ہیں یا اُس آدمی کے خوف کے مانند ہے کہ جسوقت خبر وحشت سُنے تو
اُسکا اثر نفس میں مشاہدہ کرے۔ اور جب نظر سے غائب ہو تو فوراً دل غافل ہو جائے
یہہ خوف بہت کم فائدہ ہے۔ اسکی علامت یہہ ہے کہ کبھی اگر حدیثِ مرگ و دوزخ سنے تو

کچھ دل میں اثر ہوتا ہے مگر اعضاء و جوارح اس اثر سے خالی ہیں طاعت پر متوجہ نہیں ہوتے اور آدمی گناہوں سے باز نہیں رہتا ایسے خوف کو خوف نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ یہہ حدیث نفس و حرکتِ خواطر ہے۔ جس کا وجود و عدم برابر ہے اور اگر حد سے تجاوز کرے تو اکثر ہوتا ہے کہ انسان رحمتِ خدا سے ناامید و مایوس ہو جاتا ہے جو یہہ حد ضلال و کفر ہے (وَلَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ) کوئی شک نہیں کہ جب خوف حدِ یاس تک پہنچ جائے تو وہ آدمی کو عمل و طاعت سے باز رکھتا ہے کیونکہ جب امید ہی نہو تو دل کو اطاعت کی طرف توجہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور کوئی خوشی و شوق کسطرح حاصل ہو سکتا ہے جب خوشی و شوق نہو تو کاہلی و سستی آجاتی ہے اور عمل سے باز رکھتی ہے۔ ایسا خوف از روئے عقل و شرع مذموم ہے۔ اسکی مثال یہہ ہے کہ کسی لڑکے کو اس قدر تادیب کیجائے کہ وہ مرجائے یا اسکا کوئی عضو جاتا رہے۔ پس اصل خوف یہہ ہے کہ وہ آدمی کو گناہوں سے باز رکھے اور تحصیلِ فضائل کا ذریعہ ہو جائے۔

فصل (۵) طریقۂ تحصیلِ خوفِ خدا

واضح ہو کہ جب آپنے فضیلتِ خوف کو معلوم کیا تو اسکے حاصل کرنیکے درپے ہونا اور اپنے کو اس صفت سے آراستہ کرنا چاہئے۔ واضح ہو کہ خوفِ خدا کی کمی کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہہ ہے کہ انسان عظمت و جلالِ خداوندی سے بیخبر ہو۔ مواخذۂ قیامت سے بے پرواہ ہو۔ مثلاً ایک شیر کہیں بیٹھا ہے لیکن انسان اسکے موجود ہونیکی خبر نہیں رکھتا یا اگر خبر بھی رکھتا ہے تو اسکی خاصیتِ درندگی سے خبردار نہیں ہے پس ایسا شخص بے خوف اسکی طرف چلا جائیگا۔ دوسری صورت یہہ ہے کہ انسان محاسبۂ روزِ قیامت سے غفلت و فراموشی اختیار کرے اور اس دن کی دہشت کی طرف متوجہ نہو جیسا کہ کوئی شخص شیر کی خاصیتِ درندگی

سے مطلع ہو لیکن طوالت زمانہ سے اُسکی طرف ملتفت نہو تیسری صورت یہہ ہے کہ انسان رحمت
خدا پر مطمئن ہوکر بیخوف ہو جاے یا اپنے اعمال پر مغرور ہو۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنی طاقت
پر بہروسہ کرتے ہوے شیر کے سامنے چلا جائے۔ اب انسان کو لازم ہے کہ تحصیل خوف کیلئے
اُن اسباب کو ترک کرے جو قلتِ خوف کا سبب ہوتے ہیں اور اُنکی توضیح و تشریح مندرجہ ذیل ہے

پہلا یہہ کہ انسان کا ایمان قوی ہو۔ روزِ جزا بہشت۔ دوزخ حساب اور عقاب کے
بارے میں یقین حاصل کرنیکی کوشش کرے جب اُنکا یقین ہو تو دوزخ سے خائف رہے
اور بہشت کا امیدوار ہو۔ بدیں وجہ دنیا کی مشقت و زحمت پر صبر کرے۔ ذکرِ خدا و طاعت و عبادت
پر آمادہ ہو۔ ذکر و فکر کی وجہ سے پروردگار سے مانوس ہو۔ اور اُسکی معرفت حاصل کرے
محبتِ خدا اور مقدراتِ الٰہی پر راضی رہے۔

دوسرا یہہ کہ احوالِ روزِ حساب کا متفکر اور انواعِ عذاب کا ذکر کرنیوالا رہکر موت
کو پیشِ نظر رکھے۔ عالمِ برزخ کی سختی کا تصور کرے۔ مواخذۂ روزِ قیامت کو یاد کرتا رہے
عرصۂ محشر کی دہشت اور گناہگاروں کی سزا سُنے۔ اخبار و آثار جو روزِ حساب کے بیان میں
آئے ہیں اُنکا ملاحظہ کرے۔

تیسرا یہہ کہ خدا سے خوف کرنیوالوں کے حالات دیکھے۔ انبیا و اولیا کے حکایات کو
کہ اُنکا خوف پروردگار سے کس حد تک تھا ملاحظہ کرے۔ اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو۔
حضرتِ رسول صلعم فرماتے ہیں کہ کوئی وقت جبرئیل میرے نزدیک نہیں آئے مگر یہہ کہ پروردگار
کے خوف سے لرزاں تھے۔ ایک روز حضرت نے جبرئیل سے سوال کیا کہ میکائیل کو میں کسیوقت
خنداں نہیں دیکھتا ہوں عرض کیا کہ جس روز سے آتشِ جہنم خلق ہوئی ہے میکائیل خنداں
نہیں ہوئے۔ مروی ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ باوجود اسکے کہ اُسکی محبت کا خلعت جسم میں اور

تاجِ کرامت سر پر رکھتے تھے لیکن جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اُن کے دل کے دھڑکنے کی صدا ایک میل کے فاصلہ پر جاتی تھی۔ حضرتِ داؤد پیغمبر سے جب ترک اولیٰ صادر ہوا تو جبتک وہ زندہ رہے نوحہ کرتے تھے اور ہمیشہ گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ ایک روز اپنی خطا کا تذکرہ کرکے بے اختیار فریاد کی اور اپنی جگہہ سے اُٹھکر سر پر ہاتھ رکھے ہوئے جنگل و صحرا کی طرف چلے جاتے تھے اور نوحہ و گریہ کرتے تھے یہانتک کہ چوپائے اور درندے اُن کے راستہ میں جمع ہوئے تو کہا واپس چلے جاؤ میں تمکو نہیں چاہتا میں اُنکی خواہش کرتا ہوں جو اپنے گناہ پر روتے ہیں۔ تمام آدمی کہتے تھے کہ آپ کبتک گریہ کرینگے اور اپنے کو رنجیدہ رکھیں گے تو کہتے تھے کہ چھوڑ دو کہ گریہ کروں قبل اسکے کہ گریہ کرنے کا دن آئے میری ہڈیاں گل جائیں آگ کا شعلہ میرے جسم کو جلائے اور ملائکہ کو میرے پکڑنے کا حکم کریں۔ حضرت یحیٰی معصوم جب نماز میں کھڑے رہتے تو اسقدر گریہ کرتے کہ اُنکے گریہ سے درخت وغیرہ گریہ کرتے تھے۔ اُنکے پدر بزرگوار حضرتِ زکریا اُنکے حالِ زار پر اسقدر گریہ کرتے کہ بیہوش ہو جاتے۔ حضرتِ یحیٰی خوفِ خدا سے ہمیشہ اسقدر گریاں رہتے تھے کہ رخسارِ مبارک کا گوشت آنسوؤں سے گلگیا تھا یہانتک کہ دانت نمایاں ہوگئے تھے اُنکی ماں نے دو ٹکڑے روئی کے دونوں رخساروں پر رکھدئے تھے کہ آنسوؤں سے جراحت پر تکلیف نہو جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اسقدر گریہ کرتے کہ وہ روئی کے ٹکڑے اُنکے آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ اُنکی ماں اُنکو اُٹھاکر نچوڑتی۔ جب حضرتِ یحیٰی اس امر کو ملاحظہ کرتے تو ایک آہ کھینچتے اور کہتے تھے الٰہی یہہ میرے آنسو ہیں۔ اور یہہ میری ماں ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے۔ خاتم انبیا کو خوفِ خدا اسقدر تھا کہ اُنکا قدِ مبارک خم ہوگیا تھا جب حضرت راستہ چلتے تو آدمی گمان کرتے کہ آگے گرتے ہیں

آپ نے سُنا ہوگا کہ سیدِ اولیا ایک رات میں ستّر مرتبہ خوفِ خدا سے بیہوش ہوتے تھے۔ اِس بزرگوار کی مناجات کے فقرات کو ملاحظہ کیجئے، سید الساجدین کی دعا کو سنئیے؟ اُنکے مرتبۂ خوف کو جانئیے؟ اُنکا خوف باوجود مرتبۂ عصمت کے اس حد پر تھا پھر ہمارا خوف کس درجہ پر ہونا چاہئیے۔

چوتھا یہہ کہ انسان تامّل کرے کہ قضا و قدرِ الٰہی کی حقیقت کا سمجھنا اور امورِ خدا کی کُنہ کا ادراک حاصل کرنا مجالِ قوّتِ بشر نہیں ہے جو کچھہ پردے کے اندر ہے کسیکو اُسکی خبر نہیں ہے۔ انسان کے پاس گمان ہی گمان ہے جس کی صحت کا اطمینان نہیں ہوسکتا اپنی طاعت اور ایمان پر خوش ہونے کا مقام نہیں ہے مگر یہہ کہ اپنی بیوقوفی اور بیخبری پر انسان خوش ہو بلکہ اگر کسیکو تمام نیکیاں حاصل ہوں اور اُس نے دنیا کو یک لخت چھوڑ دیا ہو خداوندِ عالم کی خدمت میں کامل طور سے مشغول ہو تو بھی اپنے خاتمہ کو کیا جان سکتا ہے اور اپنے نتیجہ سے کیا خبر رکھتا ہے وہ کیونکر مطمئن ہو سکتا ہے کہ اُسکا دفترِ حال نہ پلٹیگا اور اُسکی حالت نہ بدلجائیگی حالانکہ کہا گیا ہے کہ آدمی کے دل کی گردش جوش کرنیوالے پانی کی گردش سے شدید تر ہے پروردگار مقلب القلوب فرماتا ہے (اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ) خلاصہ معنی یہہ کہ کوئی شخص عذابِ خدا سے امین نہیں ہے پس انسان بیچارہ کہاں اور اطمینانِ خاطر کیسی اور جائے امن کیونکر اور مقامِ خاطر جمعی کجا پس اپنے پر گریہ اور اپنے احوال پر نوحہ کرنا چاہئیے

فصل (۶)

سوءِ خاتمہ اور اُسکے اسباب اور اُس سے خلاصی کا طریقہ

سوءِ خاتمہ کے تین ۳ اسباب ہیں۔

پہلا یہہ کہ سکرات موت کے وقت ظاہر ہو یہہ سب سے بدتر ہے۔ اُسوقت انسان کے عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے جو اُسکے اور خدا کے درمیان حجاب ہوجاتا ہے جس کے باعث ہمیشہ کے لئے جہنم نصیب ہوتا ہے

یہہ بھی ممکن ہے کہ انسان کسی امرِ خلاف واقعہ کا معتقد ہو۔ اور مرنیکے وقت یہہ غلطی اُسپر ظاہر ہوجائے اور اُس کے سبب سے وہ سمجھنے لگے کہ میرے تمام عقائد ایسے ہی ہونگے اور تمام عقائدِ صحیحہ کی طرف سے شک کرنے لگے جیسا کہ منقول ہے کہ فخر رازی ایک روز روتے تھے اُسکی وجہ دریافت کیگئی تو اُنھوں نے کہا کہ میں ستر سال سے جس مسئلہ کا اعتقاد رکھتا تھا آج اُسکی غلطی معلوم ہوئی۔ ممکن ہے کہ میرے تمام اعتقاد ایسے ہی ہوں حاصلِ کلام یہہ کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی ایسے خطرے میں رہے اور شک رفع ہونے سے پہلے مرجائے تو کافر مرتا ہے۔ اور جو لوگ کہ خدا و رسول و روزِ حساب پر بطریقِ اجمال ایمان رکھتے ہیں اور اُنکے دل میں ایمان راسخ ہوچکا ہے وہ اس خطرے سے دور ہیں۔ اسی وجہ سے وارد ہوا ہے کہ اکثر اہلِ بہشت کم عقل ہونگے۔ اسی لئے شریعتِ مقدسہ میں صفاتِ خدا میں غور و بحث کرنے سے ممانعت کیگئی ہے۔ اسکا راز یہہ ہے کہ کم عقل والے جو کچھہ شرع میں ہے اُس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اُس پر قائم ہیں۔ اور چونکہ اُنکا ذہن شک و شبہات کے پیدا کرنے اور اُن کی تردید کرنیکی عادت ہی نہیں رکھتا اسلئے اُن کے دل میں شک و شبہ سے خلجان نہیں ہوتا۔ بخلاف اُن اشخاص کے جو فکر و بحث میں مشغول رہکر اپنے عقائد کو عقلِ کوتاہ و فکرِ سست سے اخذ کرتے ہیں۔ وہ کسی اعتقاد میں ثابت قدم نہیں رہتے کیونکہ عقولِ ناقصہ اکثر عقائد دینیہ کے سمجھنے سے عاجز اور دلائل کی ترتیب میں مضطرب و متغائر ہوتے ہیں۔ بحث و فکر سے شک و شبہ کے دروازے کھلجاتے ہیں۔ اُن لوگوں کا ذہن ہمیشہ شکوک و شبہات کا جولانگاہ ہے۔ اُنھیں کسی عقیدے پر بھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا یہہ ہمیشہ متحیر و مضطرب رہتے ہیں پس اگر یہہ حالت موت کے وقت بھی لاحق رہے تو بعید نہیں ہے۔ اِن لوگوں کی حالت اُن مسافروں کی سی ہے جو کشتی میں بیٹھے ہوں طوفان آرہا ہو۔ موجیں اُٹھرہی ہوں

اس حالت میں کشتی کے ڈوبنے کا گمان غالب ہے۔ نصیرالدین حلی جو اعظم متکلمین تھے اُنسے منقول ہے کہ میں نے ستر سال علومِ عقلیہ میں فکر کی بہت سی کتابیں اِس فن میں تصنیف کیں لیکن اس سے زیادہ معلوم نہوا کہ مخلوقات کا کوئی خالق ہے۔ اور اِس یقین میں بھی بعض قبیلہ مجھ سے بالاتر ہے۔ پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ تمام اشخاص اپنے عقائد کو صاحب وحی سے اخذ کریں۔ اپنے باطن کو صفاتِ ذمیمہ و اخلاقِ خبیثہ سے پاک کریں۔ عملِ نیک وطاعت میں مشغول ہوں۔ اور اُس امر میں جو اُنکی طاقت سے باہر ہے فکر نکریں تاکہ الطافِ ربانیہ کے مستحق ہوں

دوسرا سبب سوءِ خاتمہ کا یہہ ہے کہ آدمی کا ایمان ضعیف ہو تو اُس ضعفِ ایمان کے سبب سے خدا کی دوستی اُسکے دل میں کم ہوتی ہے۔ محبتِ دنیا و اہل وعیال ومنصب و مال محبتِ خدا پر غالب ہوتی ہے۔ ایسے شخص پر دنیا کی محبت رفتہ رفتہ اسدرجہ ترقی کرتی ہے کہ محبت خدا نہایت کم ہوجاتی ہے۔ اب وہ نفسِ امّارہ اور شیطان کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اسیوجہ سے اُسکا دل تاریک وسیاہ ہوجاتا ہے پژمردگی و افسردگی اُسے حاصل ہوتی ہے بدی اُسکو گھیر لیتی ہے گناہوں کی سیاہی پھیلتی جاتی ہے یہانتک کہ نورِ ایمان بالکل برطرف ہوجاتا ہے جب عالمِ سکرات آتا ہے تو اُسوقت اُسکو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے جدائی ہوگی جو کچھہ مال و فرزند و دوست رکھتا تھا اُنکو ترک کرنا ہوگا لہذا وہ تھوڑی سی محبتِ خدا جو باقی رہگئی تھی وہ بھی برطرف ہوجاتی ہے بلکہ خدا کی طرف سے اُسکے دل میں دشمنی پیدا ہوجاتی ہے اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ موت خدا کی طرف سے ہے اور خدا نے ہی مجھے میری محبوب چیزوں سے الگ کردیا گویا وہ خدا کے اس فعل کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے جیسا کہ کوئی شخص جو اپنے کسی بچّے کی محبت کم رکھتا ہو اور وہ بچّہ کوئی قیمتی مال ضائع کردے تو اُس مال کے ضائع کرنے سے وہ شخص اُس بچّہ کا دشمن ہوجاتا ہے یہی حالت اُس شخص کی

خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس ایسا شخص اگر اسی حالتِ انکار و بغض میں دنیا سے چلا جائے
تو سوءِ خاتمہ پر مرا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک مثل اُس بندے کے لایا جائیگا جو اپنے مالک سے
ناراض ہو کر بھاگا ہو اور اُسے گرفتار کر کے مالک کے پاس لائیں۔ لہذا ہر شخص پر لازم ہے
کہ کوشش کرے کہ دوستی خدا اُسپر غالب ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس قسم کے سوءِ خاتمہ
کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے (قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ) یعنے اے پیغمبر کہو
اِن سے کہ اگر تمھارے باپ۔ فرزند بھائی۔ عورتیں خویش و اقارب اور تمھارا وہ
مال جو تمنے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جسکی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات
جنھیں تم پسند کرتے ہو یہ تمام چیزیں تمھارے نزدیک خدا و رسول اور راہِ خدا میں جہاد
سے زیادہ محبوب ہیں تو امرِ خدا کے منتظر رہو یعنے جسوقت نزع کا عالم شروع ہوگا۔ موت
کی بیہوشی گھیر لیگی اُسوقت افراطِ محبت دنیا اور قلتِ دوستی خدا و رسول کا حال معلوم ہوگا
تیسرا سبب سوءِ خاتمہ کا کثرتِ عصیاں و پیروی خواہشاتِ نفسانی ہے۔ اسلیے کہ
کثرتِ گناہ کا منشا یہی ہے کہ انسان پر خواہشاتِ نفسانیہ غلبہ کر چکے ہیں یہہ عادتیں اُسمیں
راسخ ہو چکی ہیں اور جو عادت پختہ ہو جاے عموماً مرنیکے وقت وہی دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے
اگر طاعت و عبادت کی طرف زیادہ تر توجہ رہی ہے تو دنیا سے جانے کے وقت طاعت
میں مشغول ہوتا ہے۔ اگر اُسکی ہمت گناہوں پر ہی منحصر رہی ہو تو مرنیکے وقت وہی حاضر
ہوتے ہیں جسکا شغل زیادہ تر مسخرگی و استہزا ہو تو اسوقت اُسمیں مشغول ہوتا ہے غرض

انسان اُن تمام اشغال و اعمال میں وقتِ آخر مصروف ہوتا ہے جنمیں مدت العمر مشغول رہا ہو
جس شخص نے ہمیشہ گناہ و معصیت میں گزاری ہو تو مرنیکے وقت یہی خواہش اُسپر غلبہ کرتی ہے
اور اُسی حالت میں اُسکی روح قبض ہوتی ہے۔ اور یہہ حالت اُسکے اور پروردگار کے درمیان
حجاب ہو جاتی ہے۔ اب وہ لوگ جنکے دل شہوات پر مائل اور سیئات اُن پر غالب ہیں سب
اسی خطرہ میں ہیں۔ ایسی حالت سے خدا بچائے! اور راز اسمیں یہہ ہے کہ وہ بیہوشی جو موت
کے قبل لاحق ہوتی ہے وہ خواب کے مانند ہے پس خواب میں انسان اکثر اوقات وہی
چیزیں دیکھتا ہے جو اُسکی محبوب ہیں یا جنکے دیکھنے کی عادت ہے! اور وہ چیزیں جو حالتِ
بیداری میں کبھی نہیں دیکھیں اُنھیں ہرگز نہیں دیکھتا۔ جیسا کہ اندھے کو خواب میں الوانِ مختلفہ
نظر نہیں آتے۔ یا ایک بچہ جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچا۔ حالتِ مجامعت کا خواب میں نظارہ نہیں
کرتا۔ بس یہی حالت سکراتِ مرگ کی ہے۔ اُسے وہی چیزیں اُس بیہوشی میں نظر آتی ہیں جنکی
عادت کر چکا ہے۔ اگر بدی کی عادت پڑ چکی ہے تو وہی چیزیں متشکل ہو ہو کر اُسکے سامنے آتی ہیں
اور وہ اُنھیں کی تصور میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اب جو کوئی چاہتا ہے کہ مرنیکے وقت اُسکا
دل گناہوں سے محفوظ رہے تو اُسکو چاہئے کہ تمام عمر مجاہدے میں بسر کرے۔ اپنے نفس کو گناہ سے
باز رکھے۔ خواہشات کو دل سے نکالے۔ علم و عمل کی عادت کرے اپنے باطن کو مشاغلِ دنیویہ کی
فکر سے دور رکھے۔ اپنے دل کو محبتِ خدا کی منزل بنائے۔ اُسکو اپنے مرنے کے وقت کا ذخیرہ
قرار دے کیونکہ جس نے جس حالت میں زندگی کی تو اُسی حالت میں مرتا ہے اور جس حالت میں
مرتا ہے اُسی حالت میں محشور ہوتا ہے۔ تجربہ کیا گیا اور مکرر دیکھا گیا ہے کہ انسان مرنیکے وقت
اُسی فکر میں مشغول تھا جسمیں اُسکی عمر گزری تھی یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت کو سوءِ خاتمہ کا سخت
خوف ہوتا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ مرنیکے وقت افکارِ ردیہ و خواطرِ خراب اُنکے دل میں نگمرریں

اسی حالت میں نہ مرجائیں۔ اور یہی حجاب کہیں اُنکے اور پروردگار کے درمیان حائل ہو کیونکہ وسوسہ کے دور کرنے میں انسان کو پورا قابو نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی چاہے بغیر انبیا و ائمہ کے کسیکو خواب میں نہ دیکھے اور سوائے عبادت وطاعت کے عالم رویا میں ملاحظہ نکرے تو یہ امر میسر نہیں آتا اصلاح وطاعت کی عادت کرنا اس بارے میں بے اثر نہیں ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی آخر وقت میں جبکہ اُسکی روح باہر نکلتی ہے صحیح و سالم نہو تو اُسکے تمام اعمالِ نیک ضائع و بیکار ہیں۔ اور جبکہ قلب تمام عمر افکارِ ردّیہ کا جولانگاہ رہا ہے تو اس حالت میں سالم رہنا بہت مشکل ہے۔ اسیوجہ سے حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ ایک شخص پچاس سال عبادت و اعمال صاحبانِ بہشت کرتا ہے یہانتک کہ اُسکے اور بہشت کے درمیان اسیقدر فاصلہ رہجاتا ہے جتنا کہ ایکوقت سے دوسرے وقت اونٹ کا دودہ دوہنے کے درمیان لیکن خاتمہ اُسکا اُسی امر پر ہوتا ہے جو اُسکے لئے مقدر ہے اس سے ظاہر ہے کہ عالمِ سکرات میں اور نہ تو کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوتا جو باعثِ شقاوت ہو البتہ افکارِ ردّیہ ہی ہوتے ہیں جو مثلِ برقِ خاطف دل میں گذرتے ہیں اسیوجہ سے کہا گیا ہے کہ اُن لوگوں سے تعجب نہیں جو دنیا میں ہلاک ہوے ہاں تعجب اُن لوگوں پر ہے جو دنیا سے نجات پا گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ مومن کی روح کو خیر و اسلام لیجاتے ہیں تو ملائکہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیونکر اسنے دنیا سے نجات پائی کیونکہ ہمارے نیک اسمقام میں ہلاک ہوگئے۔ اسی مقام سے حضرت کے اس ارشاد کا راز معلوم ہوتا ہے کہ تمام آدمی صاحبانِ ہلاکت ہیں مگر علما۔ اور تمام علما صاحبانِ ہلاکت ہیں مگر علم پر عمل کرنیوالے۔ اور تمام عمل کرنیوالے صاحبانِ ہلاکت ہیں سوائے مخلصین کے اور تمام مخلصین خطرِ عظیم ومقامِ تشویش وبیم میں ہیں۔ اسی خطرِ عظیم و تشویش وبیم کی وجہ سے انھیں مرتبہ شہادت راہِ خدا مطلوب

ہوتا ہے۔ اور مرگِ مفاجات ناگوار اسلئے کہ مرگِ مفاجات بسا اوقات ایسے وقت آتی ہے
جبکہ آدمی کا دل افکارِ ردیہ کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن شہادت راہِ خدا میں قبضِ روح اُسوقت
ہوتی ہے جبکہ دل میں سوائے محبتِ خدا کے اور کوئی امر باقی نہیں رہتا۔ اور جو شخص خدا و رسول
کے حکم پر لڑائی میں آتا ہے گویا اُسنے خدا اور رسول کے لئے موت اختیار کی ہے۔ یہاں سے یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شہادتِ مذکورہ کے سبب سے مقتول نہو تو ایسا قتل ہونا سببِ
اطمینان نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ ظلم سے یا جہاد میں مارا گیا ہو لیکن اُسکا مقصد خدا و رسول
کی رضا نہو پس ہر شخص پر لازم ہے کہ اس خطرِ عظیم سے نجات پانیکے لئے کوشش کرے
تاکہ اُسکا خاتمہ بخیر اور اُسکی عاقبت نیک ہو اور اُسکا دل مرنیکے وقت خدا کی طرف متوجہ ہو
اور اُسی کی محبت اُسکے قلب میں جاگزیں ہو۔ اور یہ امر کثرتِ مجاہدہ پر موقوف ہے کہ نفس کو
خواہشاتِ دنیویہ سے باز رکھے فوراً محبتِ دنیا کو دل سے باہر کرے۔ گناہوں اور گناہگاروں
کے احوال اور اُن کے تصور و فکر سے نہایت درجہ اجتناب کرے اہلِ معصیت کی داستان
سننے سے پرہیز کرے بلکہ سوائے خدا کے کسی چیز کی محبت نہ رکھے خانۂ دل میں سوائے خدا کے
کچھ نہو۔ یادِ خدا کا اُسکو ملکہ حاصل ہوجائے بغیر اس اطمینان کے اُسکا خاتمہ بخیر نہیں ہوسکتا۔
جب آپنے معلوم کیا کہ مرنیکے وقت جو بیہوشی طاری ہوتی ہے وہ خواب کا حکم رکھتی ہے اب
ملاحظہ کیجئے اپنی حالت کو کہ خواب میں کسیوقت بھی محبتِ خدا کا اثر نہیں دیکھا جاتا اور کبھی
دل میں نہیں گذرتا کہ کوئی خالق صفاتِ کمال سے آراستہ ہے۔ بلکہ امورِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ
جنکی محبت دل میں ہے وہی خواب میں نظر آتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اُسوقت قبضِ روح ہو
جبکہ آپکا دل امورِ دنیویہ میں مشغول ہو اور معرفتِ خدا اور اُسکی محبت میں مستغرق نہو تو مرنیکے
بعد ہمیشہ وہی حالت طاری رہیگی گنہگاری و بدکاری دائمی نصیب ہوگی بعد اخوابِ غفلت سے

بیدار اور مستی طبیعت سے ہوشیار ہوکر محبت دنیائے دنی دل سے باہر اور دل کو محبت خدا سے آباد کیجئے دنیائے مستعار پر بقدر ضرورت اکتفا کرے کہ اُس منزل کی فکر لازم ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اس منزل میں جب ایکدن ترک کرنا ہے اُسیقدر غذا کافی ہے جس سے حیات کی حفاظت ہو کیونکہ آدمی کو زیادہ کھانا قرب پروردگار سے دور کرتا ہے۔ اور اسقدر لباس کہ جس سے بدن پوشیدہ ہو سکے کافی ہے اس سے زیادہ آدمی کو آخرت سے باز رکھتا ہے۔ ایسا مکان کہ جس سے بارش و آفتاب کی حفاظت ہو کفایت کرتا ہے اس سے زیادہ اُس مکان کو خراب کرتا ہے جہاں ہمیشہ کیلئے ہمکو رہنا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حد سے تجاوز کرے تو اُس کا کاروبار دنیا میں زیادہ ہوتا ہے اور اُسکا دل ہر لحظہ کسی نہ کسی فکر میں گرفتار رہتا ہے۔ ہر دم غم تازہ ہے اور ہر ساعت الم بے اندازہ ان آلام دنیا سے اُسے کبھی فرصت نہو گی۔ عقلمند وہی ہے جو اشغال دنیا سے الگ رہکر ایک لحظہ بھی یاد خدا سے غافل نہو۔ اپنی فکر کو دوسری طرف مائل نہونے دے اور مراتب بہجت دائمی و سعادت سرمدی پر فائز ہو جاے۔ لیکن افسوس صد افسوس ہم نے اس کوشش سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے دنیا کی فضولیات و لغویات میں مشغول ہو گئے ہیں جنکو نہ لقا ہے نہ وفا کسینے اپنے نصیب سے زیادہ حاصل نہیں کیا اور نہ یہاں سے کوئی چیز ساتھ لیگیا۔

تیسری صفت۔ رحمت خدا سے نا امیدی کی مذمت جسمیں تین فصلیں ہیں۔

واضح ہو کہ رحمت الٰہی سے یاس و نا امیدی کی صفت مہلکات عظیمہ میں سے ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ قرآن میں اسکی بھی صراحت ہوئی ہے چنانچہ فرماتا ہے (یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ) اے وہ بندو جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم و اسراف کیا ہے رحمت خدا سے نا امید نہو۔ پھر فرماتا ہے (مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ) سوائے گمراہ کے اور کون شخص رحمت خدا سے مایوس ہو سکتا ہے

بلکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ خدا سے مایوس ہونا موجب کفر ہے چنانچہ فرماتا ہے (وَلَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ) یعنے رحمت خدا سے مایوس نہیں ہوتا ہے مگر کافر۔ مروی ہے کہ ایک شخص کثرتِ گناہ سے اسقدر خائف تھا کہ بخشایشِ خدا سے ناامید تھا حضرتِ امیرالمومنین علیہ السلام نے اُس سے فرمایا کہ اے شخص رحمتِ خدا سے تیری مایوسی اُن گناہوں سے جو تونے کئے ہیں بدتر ہے۔ ایکروز حضرت رسول صلعم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اُسے جان لو تو بہت کم ہنسوگے اور بہت زیادہ روؤگے صحرا میں نکلوگے سینوں پر ہاتھ ماروگے۔ خداوندِ عالم سے پناہ مانگوگے پس حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو مجھ سے ناامید نکرو۔ مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک مرد تھا جو آدمیوں کو رحمتِ خدا سے ناامید کرتا تھا اُنکو بہت ڈراتا تھا پس قیامت میں خدا اُس سے فرمائیگا کہ آج میں تجھکو اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہوں جیسا کہ میرے بندوں کو تونے مجھ سے ناامید کیا پس اسیقدر مذمت صفتِ یاس میں کافی ہے کہ آدمی کو دوستیِ خدا سے جو تمام فضائل سے بالاتر ہے باز رکھتی ہے کیونکہ جبتک کوئی دوسرے سے امیدوار نہو اُسکو دوست نہیں رکھتا ایسا ہی خدا سے ظنِ بد رکھنا جیسا کہ مذکور ہوگا اس صفت کی مذمت پر دلالت کرتا ہے لہذا ہر کسی پر لازم ہے کہ اس صفت سے پرہیز کرے۔ اس کا علاج اُسکی ضد کی تحصیل میں جو رحمتِ خدا سے رجا و امیدواری ہے ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل (۱)

رحمتِ خدا سے امیدوار رہنے اور گمانِ نیک رکھنے کی شرافت

واضح ہو کہ یاس کی ضد امیدواری رحمتِ خدا ہے۔ اس صفت کو رجا کہتے ہیں۔ رجا اُس خوشی و سرورِ دل سے مراد ہے جو انتظار امرِ محبوب سے حاصل ہو۔ اس خوشی و سرور کو اسوقت میں

رجا و امید واری کا ذکر اور اُسکے حصول کے اسباب و حد

رجا و امید واری کہتے ہیں جبکہ آدمی نے محبوب تک پہنچنے کے بہت سے اسباب فراہم کئے ہوں۔ یہہ اُس شخص کے مانند ہے جو بے عیب تخم کی کاشت کرے اچھی زمین اسکے لئے انتخاب کرے اور وقتاً فوقتاً پانی دیتا رہے لیکن بغیر فراہمی اسباب کے توقع رکھنے کو رجا نہیں کہتے بلکہ اُسکا نام غرور و حماقت ہے اور اگر کوئی شخص بعض ایسے اسباب فراہم کرے جن سے مطلوب کا حاصل ہونا یقینی نہو بلکہ مشکوک ہو۔ اور ایسی حالت میں حصول مطلوب کی توقع رکھے تو اُسکا نام آرزو و تمنا ہے جب اسکو آپنے معلوم کیا تو واضح ہو کہ دنیا کھیتی آخرت کی ہے۔ آدمی کا دل زمین کا حکم رکھتا ہے ایمان مثل تخم اور طاعت مثل پانی کے ہے کہ زمین کو اُس سے سیراب کرنا چاہئے۔ گناہوں اور اخلاق ذمیمہ سے دل کا پاک کرنا کچرے اور پتھر اور گھانس سے جو زراعت کو خراب کرتا ہے زمین کو پاک کرنیکے مانند ہے۔ اور روز قیامت کاٹنے کا دن ہے۔ پس بندے کو بخشایش کی اُس صاحب زراعت کے مانند امید رکھنا چاہئے کہ جس نے تخم کو زمین پاک میں ڈالا ہو۔ اُسکو وقت پر پانی دیا ہو۔ پروردگار پر امید رکھکر بیٹھا ہوا اور غلہ کے گھر لیجانیکی رکھتا ہو۔ اس امید کو رجا کہتے ہیں عقلمندوں نے اسکو پسند کیا ہے اور اسکی تعریف کی ہے جبکہ بندے نے زمین دلکو اخلاق ذمیمہ سے پاک کیا۔ ایمان کے تخم کو اُسمیں بویا طاعت کو جو مثل پانی کے ہے اُسمیں جاری کیا تو پروردگار سے امید رکھہ سکتا ہے کہ سوء خاتمہ سے نگاہ رکھے اور اُسکو بخشے۔ ایسی امیدواری و رجا از روے عقل و شرع نیک ہے مگر جو شخص زراعت سے غافل رہا تمام عمر سستی و راحت میں بسر کی یا تخم کو اُس کھاری زمین میں جسمیں پانی نہیں ٹھہرتا ہے بویا اور اُسپر غلہ کے کاٹنے اور انبار کر کے گھر لیجانیکی توقع رکھتا ہے تو اُسکو حماقت و غرور کہتے ہیں یا اگر تخم یقین اور ایمان کو زمین دل میں نہ بویا اور بویا بھی تو دلکو صفات رذائل سے

پاک نہ کیا۔ طاعت کے پانی سے آبیاری نہ کی اور ایمان و مغفرت کی امید رکھی تو ایسا شخص مغرور و احمق ہوگا اس بیان سے معلوم ہوا کہ امیدواری اور رجا اُسوقت ہے جبکہ آدمی امید کسی محبوب کی رکھتا ہو اور تمام وسائل و اسباب جو اُسکے اختیار میں ہیں فراہم کئے ہوں کوئی چیز باقی نہو مگر اُسکے سوا جو اُسکی قدرت سے باہر ہے ایسا شخص فضل و کرم خدا سے امیدوار ہے کہ وہ اُسکو سوءِ خاتمہ سے اُسکے ایمان کو شیطان سے۔ اور اُسکے دل کو ہوا و ہوس سے محفوظ رکھے احادیث و اخبار جو ترغیبِ رجا و امیدواری و عفو و رحمتِ خدا میں آئے ہیں اُن لوگوں سے مخصوص ہیں جو لوگ امید کے ساتھ عملِ خالص رکھتے ہیں۔ اور دنیا و لذّاتِ دنیا میں مبتلا نہیں ہوتے۔ پس ہر صاحبِ عقل کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ شیطان اُسکو فریب نہ دے۔ طاعت و عبادت سے باز نہ رکھے۔ مبادا وقت آپہنچے اور تمام امور اختیار سے نکلجائیں۔ احوالِ انبیا و مقربانِ بارگاہ خدا کی عبادت پر نظر کرنا لازم ہے اُنھوں نے کیونکر اپنی عمر عبادتِ خدا میں صرف کی۔ رات دن اپنے بدن کو رنج و تکلیف میں ڈالا عبادت و طاعت میں مشغول ہوئے۔ لذّاتِ دنیویہ سے آنکھ بند کی شربتِ محبت و بلا کو نوش کیا۔ باوجود اسکے ہمیشہ خوفِ خدا سے لرزاں اور اُنکی آنکھیں گریاں تھیں۔ آیا وہ عفو و رحمتِ خدا کی امید نہیں رکھتے تھے یا اُسکی وسعتِ کرم سے آگاہ نہیں تھے خدا کی قسم اُنکی آگاہی مجھ سے اور آپ سے زیادہ اور اُنکی امیدواری بہت بڑھی ہوئی تھی لیکن جانتے تھے شعر تا بردہ رنج گنج میسر نمی شود ؎ مزد آں گرفت جانِ برادر کہ کار کرد ؎ اُنھیں معلوم تھا کہ رحمت کی امید بغیر دستاویز طاعت و عبادت کے حماقت و نادانی ہے اب ہم ابتدا میں بعض احادیث و آیات جو فضیلت میں رجا و امیدواری کے آئے ہیں بیان کرتے ہیں اُسکے بعد غرور و حماقت کی مذمت میں جو اخبار وارد ہیں اُنکا ذکر کیا جائیگا۔

اخبار باعثِ امیدواری بخدا | واضح ہو کہ آیات و اخبار جو سببِ رجا و امیدواری ہوتے ہیں اور

جن سے رجا و امید کی ترغیب ہوتی ہے بہت سے ہیں اور وہ چند قسم پر ہیں۔
پہلے وہ آیات و اخبار ہیں جنمیں یاس و نومیدی رحمتِ خدا سے امتناع کیا گیا جیسا کہ مذکور ہوا
دوسرے وہ احادیث ہیں جو رجا و امیدواری سے مخصوص ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ کوئی مرد
حالتِ نزع میں تھا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اسکے سرہانے موجود تھے۔ عرض کیا کہ اپنے
گناہوں سے ڈرنے والا اور رحمتِ پروردگار کا امیدوار پاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اسوقت
خوف و امید بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتے مگر یہہ کہ خدا اُسکی امید کے موافق پہنچاتا ہے۔
اور جس چیز سے ڈرتا ہے اُس سے بیخوف کرتا ہے۔ حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ
خداوند عالم بندے سے قیامت میں فرمائیگا کہ کون امر مانع ہوا کہ تو نے امر منکر کو دیکھا اور اُس سے
منع نہیں کیا۔ اگر اُسوقت یہہ عذر پیش کرے کہ پروردگار میں تجھہ سے اُمید رکھتا تھا اور
آدمیوں سے ڈرتا تھا۔ خدا فرمائیگا کہ میں نے تیرے اُس گناہ کو بخشدیا۔ پھر اُنھیں حضرت سے منقول
ہے کہ ایک مرد کو داخلِ جہنم کرینگے وہ ہزار سال عذاب میں رہیگا ایکروز یا حنّان و یا منّان کہکر
فریاد کریگا تو خداوندِ عالم جبرئیل سے فرمائیگا کہ جاؤ اُس بندے کو میرے نزدیک لاؤ۔ پس
جبرئیل اُسکو لاکر مقامِ عرضِ پروردگار پر کھڑے کرینگے پس خطابِ الٰہی پہنچیگا کہ اپنے مقام کو تو نے
کیسا پایا۔ وہ عرض کریگا کہ نہایت خراب مقام ہے۔ خطاب ہوگا کہ اُسکو پھر اُسی جگہہ لیجاؤ۔ جب وہ
بندہ جہنم کا راستہ لیگا اور روانہ ہوگا تو پیچھے پلٹ کر دیکھیگا۔ اُسوقت خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ پیچھے مڑکر
کیوں دیکھا۔ وہ عرض کریگا کہ میں تجھہ سے امید رکھتا تھا کہ جب مجھکو جہنم سے نکالا ہے تو پھر وہاں
نہیں بھیجیگا۔ اُسوقت خطاب ہوگا کہ اسکو پلٹاؤ اور بہشت میں لیجاؤ۔ و نیز حضرت رسول سے مروی
ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبادت کرنے والے اپنی عبادت پر مطمئن نہوں۔ اگر وہ عبادت
میں انتہا کی کوشش سے کام لیں اور تمام عمر اپنے نفس کو میری بندگی کی زحمت میں ڈالیں۔

پھر بھی قاصر ہونگے اور میری عبادت کا حق نہیں بجا لا سکینگے ہاں اگر میری کرامات و نعیم بہشت اور
میرے جوار میں درجات عالیہ کے امیدوار ہیں تو چاہئیے کہ میری رحمت پر ثابت قدم اور میرے
فضل و کرم کے امیدوار رہیں۔ مجھ سے گمان نیک رکھکر مطمئن ہوں میری رحمت اُنکو گھیر لیگی
میں اُنکو خوش کرونگا اور خلعت عفو اُنکو پہناؤنگا۔ تحقیق کہ میں خداوند رحمان و رحیم ہوں
اور رحیم میرے نام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کتاب علی ابن ابی طالب
میں میں نے دیکھا کہ لکھا تھا کہ حضرت پیغمبر نے منبر پر فرمایا کہ اُس خدا کی قسم ہے جسکے بغیر کوئی خدا
نہیں ہے کہ بعض مومنین کو خدا سے گمان نیک رکھنے اُسکے فضل و کرم کے امیدوار رہنے
حسن خلق رکھنے اور غیبت مومن سے پرہیز کرنیکی وجہ سے دنیا و آخرت کی نیکی عطا ہوئی ہے
اُس خدا کی قسم ہے کہ جسکے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ بندہ مومن کو توبہ و استغفار کے بعد خدا
عذاب نہیں کرتا مگر بسبب گمان بد اور کمی امیدواری خدا و بد خلقی و غیبت مومن کے نیز خدا
کی قسم ہے کہ کوئی بندہ گمان نیک نہیں رکھتا ہے مگر یہ کہ خدا اُسکے ساتھ اُسکے گمان کے موافق
رفتار کرتا ہے کیونکہ کریم ہے تمام نیکیاں اُسکے اختیار میں ہیں وہ شرم کرتا ہے کہ جب بندہ مومن
گمان نیک اُس سے رکھتا ہو اُسکے گمان کے خلاف کرے اُسکی امید نہ بر لائے۔ پس خدا پر گمان
نیک رکھئیے اور اُسکی طرف رغبت کیجئے؟

تیسرے۔ جو امور باعث امیدواری مومنین ہیں یہ ہیں کہ حسب تصریح آیات قرآنی و احادیث
نبوی ملائکہ مقربین و انبیاے مرسلین مومنین کے واسطے طلب مغفرت کرتے ہیں اور خدا سے
اُنکی آمرزش طلب کرتے ہیں پس اُنکی دعا ضرور مقبول درگاہ پروردگار ہے چنانچہ خداوند عالم
فرماتا ہے (وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ)
یعنے فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں اُس سے طلب آمرزش کرتے ہیں اُن لوگوں کے

واسطے جو دنیا میں حضرت رسول صلعم فرماتے ہیں کہ جسطرح میرا زمانۂ حیات تمھارے لئے بہتر ہے اُسیطرح زمانۂ ممات بھی کیونکہ زندگی میں تم سے احکامِ شریعت بیان کرتا ہوں طریقہ اور آداب تمکو سکھاتا ہوں۔ اور میرے مرنیکے بعد جو اعمال تم سے صادر ہوں۔ مجھ سے عرض کئے جاتے ہیں جبکہ دیکھتا ہوں کہ وہ نیک ہیں تو شکرِ خدا کرتا ہوں۔ اور جب دیکھتا ہوں کہ بد ہیں تو خدا سے طلب آمرزش کرتا ہوں۔

چوتھے۔ جب بندہ کوئی گناہ کرے تو ملائکہ اُسکے لکھنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ اِس خیال سے کہ شاید پشیمان ہو اور استغفار کرے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب بندہ سے کوئی گناہ صادر ہو تو صبح سے شام تک لکھنے میں تاخیر کیجاتی ہے۔ اگر توبہ کرلے تو نہیں لکھتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی گناہ کرے تو اُسکو سات گھنٹے کی مہلت دیجاتی ہے۔ اگر تین مرتبہ (اَستَغفِرُ اللهَ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الحَیُّ القَیُّومُ) کہا جائے تو وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔

پانچویں۔ وسیلۂ نجاتِ مومنان و باعثِ امیدواریِ گناہگاران و شفاعتِ شافعِ روزِ قیامت و عذر خواہیِ گناہگاران ہے۔ ہمارا پیغمبر رؤف و رحیم ہے اور اُسیطرح ائمۂ طاہرین جب عرصۂ محشر برپا ہوگا تو پیغمبر اور اُن کے اہلِ بیتِ طاہرین شفاعت پر کمر باندھیں گے۔ گناہگار اُمت کی طرف سے عذر خواہی کرینگے۔ اُنکی تقصیرات کے عفو کیلئے بارگاہِ احدیت سے سوال کرینگے اُنکی بخشایش خدا سے طلب کرینگے۔ چنانچہ خداوندِ مہربان نے اُن برگزیدوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ اُنکی شفاعت کو قبول فرماویگا (وَلَسَوفَ یُعطِیکَ رَبُّکَ فَتَرضٰی) یعنے البتہ قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھے اسقدر بخشش و عطا کرے کہ تو راضی و خوشنود ہو۔ اِس آیہ کی تفسیر میں آیا ہے کہ جناب محمد مصطفٰی صلعم اپنی اُمت کے ایک آدمی کو بھی جہنم میں داخل کرنا نہیں چاہینگے

حضرت رسول صلعم سے مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ (اَدَّخَرْتُ شَفَاعَتِی لِاَہْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی) یعنے مینے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے صاحبانِ گناہانِ کبیرہ کیلئے ذخیرہ کیا ہے۔ حقیقتاً یہہ وہ خوشخبری ہے جس سے مومنونکی آنکھیں روشن ہیں۔ اور انکا دل اس سے شاد و خرم ہوتا ہے۔

چھٹے۔ دوستوں کیلئے بہہ بشارتیں وارد ہوئی ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نرہینگے۔ انکو پیغمبر و اہلبیت کی دوستی عذاب سے نجات دیگی خواہ اُنھوں نے کسیقدر گناہ کئے ہوں اور کیسی ہی معصیت اُن سے سرزد ہوئی ہو۔

ساتویں۔ خداوندِ عالم نے آتشِ جہنم کو کفّار کے واسطے خلق کیا ہے بغیر دشمنانِ خدا کے کوئی شخص داخلِ جہنم نہوگا۔ خدا اپنے دوستوں کو اس سے ڈراتا ہے اور فرماتا ہے (ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ) یعنے آتشِ جہنم سے خدا اپنے بندونکو ڈراتا اور فرماتا ہے (وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِیْنَ) یعنے اُس آتشِ جہنم سے ڈرو جو کفار کیلئے خلق و مہیا کیگئی ہے۔ پھر فرماتا ہے (لَا یَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی) یعنے آتشِ جہنم میں نہیں ڈالا جاتا مگر وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔

آٹھویں۔ خصوصِ وسعتِ عفو و مغفرت و زیادتیِ رحمت کیلئے بہت سی آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ فرماتا ہے (وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ) یعنے بیشک تمھارا پروردگار کل آدمیوں کیلئے باوجود انکی نافرمانی کے بڑا بخشنے والا ہے۔ مروی ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرتِ پیغمبر صلعم پر وحی بھیجی کہ میں قیامت میں تیری اُمت کا محاسبہ تجھپر چھوڑ دونگا۔ حضرت نے عرض کیا کہ اگر تو اُن کے کئے مجھ سے

بہتر ہے اُنکا محاسبہ تجھہ سے ہی متعلق رہے خطاب ہوا کہ اُسوقت میں بھی تجھکو اُن کے
حق میں مخذول و منکوب نکرونگا مروی ہے کہ جسوقت بندہ کوئی گناہ کر کے استغفار کرتا ہے
توخدا یتعالی ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو؟ کہ گناہ اُس سے صادر ہوا لیکن
جانتا ہے کہ کوئی پروردگار ہے جو گناہوں کو معاف اور مواخذہ کرنیوالا ہے۔ پس میں
تمکو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اُسکو بخشدیا۔ حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ میں نے خلق
کو پیدا کیا کہ مجھہ سے نفع حاصل کریں۔ اور اُنکو اسلئے نہیں پیدا کیا کہ میں اُنسے فائدہ مندہوں
مروی ہے کہ اگر بندے گناہ نکرینگے توخدا دوسری خلق پیدا کریگا جو گناہ کرینگے اور خدا اُنکو
بخشیگا۔ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے وہ خدا جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جسطرح
ماں اپنے بچّوں پر مھربان ہوتی ہے خدا اُس سے زیادہ اپنے بندوں پر مھربان ہے۔ احادیث
میں وارد ہوا ہے کہ خداوندِ عالم محشر میں اسقدر بخشیگا جو کسیکے دل میں نگذرا ہو یہانتک کہ شیطان
کو بھی طمع ہوگی۔ آیات و اخبار اِس معنی میں اسقدر ہیں کہ جنکا حدّ و حصر نہیں۔
نویں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ دنیا میں جو بلا و ناخوشی و مرض مومن کو پہنچتا ہے یہانتک
کہ اُس کا پاوں کسی پتھر کے نیچے آئے تو وہ اُسکے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم نے
فرمایا ہے کہ بخار آتشِ جہنم کی بو ہے۔ آتشِ جہنم میں سے مومنوں کا حصہ اسیقدر ہے۔
دسویں۔ اخبار میں وارد ہوا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا جیسا کہ
کفر کے ساتھہ کوئی عمل نفع نہیں بخشتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا یتعالی بوجہ ذرہ ایمان کے
یا کسی عملِ نیک کے بندے کو بخشدیتا ہے اور داخلِ بہشت کرتا ہے۔
گیارہویں۔ خدا سے گمانِ نیک رکھنے کی ترغیب میں وارد ہوا ہے۔ کہ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا
کہ خدا یتعالی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھہ ہوں۔ اب وہ جیسا چاہے میرے

ساتھ گمان رکھے۔ نیز آنحضرت سے مروی ہے کہ آدمی کی موت خدا سے گمانِ نیک پر ہونا چاہیئے
منقول ہے کہ ایک عالم کو خواب میں دیکھا اُن سے پوچھا گیا کہ حق تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا کیا؟
اُنھوں نے کہا کہ جب میری روح قبض کیگئی تو خطاب ہوا کہ یَا شَیْخَ السُّوْءِ اے شیخ بدکردار
تو نے کیا کیا؟ پس اسدرجہ مجھپر خوف و دہشت غالب ہوئی جسکی حد نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ
اسطرح کی حدیث تیرے پیغمبر صلعم سے مجھکو نہیں پہنچی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کسطرح پہنچی میں نے
کہا کہ تیرے پیغمبر صلعم نے کہا کہ جبرئیل نے مجھ سے کہا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے
کے گمان کے ساتھ ہوں جس طریقہ پر وہ گمان کرے اُس سے سلوک کرونگا پس میرا گمان یہ تھا
کہ تو مجھکو عذاب نکریگا۔ اسوقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پیغمبر نے اور جبرئیل نے سچ کہا ہے تو بھی
سچ کہتا ہے۔ اے ملائکہ لیجاؤ اسکو داخلِ بہشت کرو۔

بارھویں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن کفار اور دشمنانِ اہلِ بیتِ رسالت
مومنین اور اُنکے دوستوں کا فدیہ ہونگے اور اُنکے دوستوں کے گناہوں کو اُنکے پاؤں پر لکھکر
اُنکے عوض اُنھیں جہنم میں لیجائینگے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میری اُمّت
اُمّتِ مرحومہ ہے آخرت میں انکے لئے کوئی عذاب نہیں ہے اور جس عذاب و عقاب کے وہ
سزاوار ہیں وہ اُنکو دنیا ہی میں مختلف بلیات و تکالیف کے ذریعہ سے پہنچ جائیگا۔ اور جب قیامت
کا دن ہوگا تو میری اُمّت سے ہر ایک کے لئے ایک کافر اہلِ کتاب میں سے قرار دیا جائیگا اور کہا
جائیگا کہ یہ تیرا فدیہ ہے۔ احادیثِ اہلِ بیت میں وارد ہوا ہے کہ ہمارے دشمنوں کو بہ سبب اُس
ظلم کے جو اُنھوں نے ہمارے دوستوں پر کیا ہے ہمارے دوستوں کا فدیہ قرار دینگے۔ حضرتِ
صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیامت میں ہمارا دوست جس نے ہماری دوستی کی
محافظت کی ہے اور اپنے دین میں تقیہ کیا ہے اور اپنے برادرِ مومن کے حقوق کو بجالایا ہے لیکن

طاعت وعبادت میں کوتاہی کی ہے اُسکے مقابلہ میں اُنکو یا اُس سے زیادہ نظر آئینگے اور کہینگے کہ یہہ تمام تیرے ... میں پس اُس ... کو بہشت میں لیجائینگے اور اُن دشمنوں کو داخلِ جہنم کرینگے۔ یہہ جو کچھہ بیان کیا گیا اسپر دلالت کرتا ہے کہ رجا و امیدواری رحمت و مغفرت خدا پر بعد طاعت و عبادت کے رکھنا چاہئے بغیر اسکے غرور و حماقت ہے آیات و اخبار اسمیں بیحد و نہایت ہیں چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ) یعنے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے بوجہ متابعتِ رسولؐ اپنے وطن سے ہجرت کی ہے۔ راہِ خدا میں کفار اور نفسِ امّارہ کے ساتھہ جہاد کیا ہے یہی لوگ رحمتِ پروردگار کے امیدوار ہیں اور مذمت میں ایک گروہ کی فرماتا ہے (فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا) خلاصہ معنی یہہ کہ گذشتہ لوگوں کے بعد کچھہ لوگ آئے انھیں کتاب خدا اپنے اسلاف سے پہنچی مگر انھوں نے دنیا کے مال و متاع کو اختیار کیا اور پھر یہہ کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخشے جائینگے حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ احمق وہ ہے کہ جو ہوا و ہوسِ نفسانی کی متابعت کرے اور خدا سے امید رکھے حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ کچھہ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رحمتِ خدا کے امیدوار ہیں وہ ہمیشہ اسی حالت میں ہیں یہانتک کہ موت آجائے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہہ لوگ جھوٹے ہیں انکو رجا و امید سے کوئی تعلق نہیں۔ بہ تحقیق جب کوئی کسی سے امید رکھتا ہے تو اُسکے حاصل کرنیکے دریے ہوتا ہے اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے اُس سے بھاگتا ہے۔ کسی نے حضرت سے عرض کیا ایک قوم آپکے دوستوں میں سے معصیت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم امیدوار ہیں ... حضرت نے

فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہیں ہمارے دوست نہیں ہیں۔ یہہ وہ قوم ہے کہ اُنکی امیدیں مضطرب ہیں کیونکہ جو کوئی کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو اسکے لئے عمل بھی کرتا ہے۔ پھر انھیں حضرت سے مروی ہے کہ مومن مومن نہیں ہے جبتک کہ خوف و امید نہ رکھتا ہو خوف و امید نہیں رکھتا ہے مگر اُسوقت میں جبکہ اُس چیز کیلئے عمل کرے جس سے ڈرتا ہے اور جسکی امید رکھتا ہے۔

فصل (۲) کس شخص کو خوف بہتر ہے اور کسکو رجا

خوف و رجا صفات و اخلاقِ فاضلہ ہیں۔ اور اُنکی فضیلت اسلئے ہے کہ انسان اُنکے سبب سے طاعت و عبادت پر ثابت قدم رہتا ہے اور یہی باعثِ علاجِ دلِ رنجور ہوتے ہیں لیکن خوف و رجا کے بارے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ کوئی ایسا ہے کہ بہ نسبت طمع و امید کے ترس و خوف سے اُسکا کام نکلتا ہے۔ ایسے شخص کیلئے صفتِ خوف ہی اصلح ہے۔ دوسرا شخص جو اسکے برعکس ہے اُسکا حکم بھی اسکے خلاف ہے۔ پس جس پر صفتِ امن عذابِ خدا سے غالب ہو اور وہ مکر اللہ سے ایمن ہوا ہو تو صفتِ خوف کے حاصل کرنے سے اُسکی درستی ہوتی ہے جس پر رحمت خدا سے یاس کا غلبہ ہوا ہو تو صفتِ رجا کے حاصل کرنے سے اسکی اصلاح ہوتی ہے۔ جو کوئی دریائے معصیت میں غرق اور دامِ شہواتِ دنیویہ میں گرفتار ہوا ہو اُسکو چاہئے کہ خوف کے حاصل کرنیکے درپے ہو اور جس نے معاصیِ ظاہریہ و باطنیہ کو ترک کیا ہو تو ترس و امید مساوی ہونے پر اُسکی درستی ہوگی۔ خلاصۂ مطلب یہہ کہ آدمی کو جو شئے بشیر منزل مقصود تک پہنچانیوالی ہو اُسی کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر دونو چیزیں مساوی طور پر منزلِ مقصود تک لیجاتی ہیں تو پھر اِن دونو صفتوں کو اعتدال کے ساتھہ مساوی طور پر حاصل کرنا چاہئے جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک جماعت کے وصف میں فرماتا ہے (يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا) وہ ترس و امید کے ساتھہ اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔ حضرت

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا کہ اے فرزند خدا سے اس درجہ خوف کرو کہ اگر تمام اہلِ زمین کی بھی اطاعت رکھتا ہے تو قبول نکریگا۔ اور اسطرح خدا سے امیدوار ہو کہ اگر تو نے تمام اہلِ زمین کے گناہوں کے برابر گناہ کیا ہے تو تجھکو بخشیگا۔ حارث بن مغیرہ کہتا ہے حضرتِ صادق علیہ السّلام سے میں نے عرض کیا کہ لقمان کی وصیّتیں کیا تھیں۔ فرمایا انہیں عجائبات میں تمام سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ اپنے پسر کو وصیت کی تھی کہ اسطرح خدا سے ڈر کہ اگر طاعتِ ثقلین کو اپنے ساتھ لیجائے تو ایسا سمجھ کہ تجھپر رحم نکریگا۔ اسکے بعد حضرت نے فرمایا کہ میرے باپ کہتے تھے کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہے مگر اُسکے دل میں دو نور ہیں ایک نورِ خوف دوسرا نورِ امید جس کسیکو بھی وزن کیا جائے تو دوسرے سے زیادہ نہوگا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ تین شخصوں کے واسطے صفتِ رجا صفتِ خوف سے افضل و بہتر ہے۔ (۱) وہ شخص کہ واجبات کو بجا لائے اور محرمات سے اجتناب کرے لیکن اُسکا نفس مستحبّات کے بجا لانے اور اپنی عمر کو طاعت میں صرف کرنے سے کاہلی کرے۔ ایسے شخص کو چاہئیے کہ خداوندِ عالم نے جو مقربین سے درجاتِ علّیین کا وعدہ فرمایا ہے اُسکی امید رکھے تاکہ اسطرح کی خوشی اُسکے دلکو حاصل ہو اور اُسکو تمام اعمالِ نیک پر قائم رکھے (۲) وہ شخص جس نے اپنی عمر گناہوں میں صرف کی ہو اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنے سے اپنی نجات سے مایوس ہو۔ اور جب توبہ و پشیمانی کا خیال اُسکے دل میں گزرے تو اُسکو شیطان ناامیدی کی راہ دکھائے اور کہے کہ تیری توبہ کہاں قبول ہوتی ہے۔ تیرے توبہ کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ اسوجہ سے توبہ و عبادت نکرے پس ایسے شخص کو چاہئیے کہ صفتِ رجا حاصل کرے ابلیس کا فریب نکھائے اور جانے کہ پروردگارِ عالم کا دریائے فیض و رحمت بے پایاں ہے۔ گناہانِ ہفتاد سالہ کو بخشدیتا ہے۔

(۳) وہ شخص کہ جس پر اسقدر خوف غالب ہو کہ ہلاکت پر آمادہ ہو اور کثرت خوف سے
اُسکے بدن پر نقصان کا گمان ہو اِن تین شخصوں کے علاوہ وہ شخص جو صاحب معصیت
ہو تو اُسکے لئے خوف و رجا کو مساوی طور پر حاصل کرنا چاہئے لیکن جو شخص فریب شیطان سے
مغرور اور رات دن لہو و لعب و سرور میں مشغول اور طاعت و عبادت میں کاہل ہو گناہوں
پر دلیر و شجاع ہو۔ نہ حرام و حلال کی فکر ہو اور نہ عقاب و عذاب کا اندیشہ جیسا کہ اس زمانہ
کے اکثر ابنائے روزگار ہیں پس اُنکو صفت رجا کی دوا دینا سمّ قاتل ہے کیونکہ زیادتی
رحمت کے سننے سے انسان کو گناہوں پر جرأت زیادہ ہوتی ہے لہذا واعظ کو ضرور ہے کہ پہلے
مرض کو پہچانے اُسکی علت اور مزاج کو جانے جس سے مرض دور ہو اُسی دوا سے علاج
کرے اور وہ دوا نہ دے جس سے اُسکا مرض زیادہ ہو لہذا اس زمانہ میں اسباب خوف کے
بیان میں کوشش کیجائے آدمیوں کو عذاب سے ڈرائیں نہ یہ کہ وعظ سے آدمیوں کی تالیف
قلوب کیجائے اور اُنکے آفرین و تحسین کی امید رکھے اسباب امیدواری کے تذکرہ سے خود
اور دوسروں کو ہلاکت میں نہ ڈالے مگر جس مقام میں یہ شرط بھی نہ ہو اور گناہوں کی جرأت کا
باعث نہ ہوتا ہو تو بندوں کو رحمت خدا کا امیدوار کرنا بہتر و افضل ہے کیونکہ جو طاعت امید سے
کیجائے وہ طاعت خوف سے بہتر ہے مقرب ترین بندگان خدا وہ ہے جو اُسکو زیادہ دوست رکھے
اور دوستی طمع و امید سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ ترس و خوف سے اسی وجہ سے خدا نے اُس
قوم کو سرزنش کی ہے جو خدا سے بدگمانی رکھتی تھی اخبار میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام
پر خداوند عالم نے وحی کی کہ مجھکو دوست رکھو کیونکہ جو مجھکو دوست رکھتا ہے وہ دوسروں کو
میرا دوست کرتا ہے عرض کیا کہ اے پروردگار کیونکر آدمیوں کو تیرا دوست کروں فرمایا کہ میری
نیکیاں اُنسے ذکر کرو میرے احسانات و انعام کو اُنسے بیان کرو اور اُنکو یاد دلاؤ ایک بزرگ

وہ ہمیشہ آدمیوں سے امیدواری خدا کا ذکر کرتا تھا جب وہ دنیا سے گزر گیا تو اسکو کسی نے
خواب میں دیکھا اُس بزرگ نے کہا کہ مجھکو مقامِ خطاب پروردگار پر کھڑا کیا گیا اور خطاب
ہوا کہ کس سبب سے ہمیشہ تو آدمیوں کو طمع و امیدواری کی دعوت دیتا تھا اُس نے عرض کیا کہ
اُن کے دلوں میں تیری دوستی قائم کرنا چاہتا تھا خداتعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تجھکو بخشدیا۔
پس کیونکر صفتِ رجا خوف سے افضل نہو کہ صفتِ رجا دریائے رحمت کی اور صفتِ خوف دریائے
غضب کی نہر ہے جو شخص صفاتِ لطف و رحمت کو ملاحظہ کرتا ہے اُسپر محبت غالب ہوتی ہے
اور کوئی مقام محبتِ الٰہی سے بالاتر نہیں ہے لیکن خوف چونکہ صفت غضب پر موقوف ہے
اُس سے اسقدر محبت حاصل نہیں ہوتی لیکن اس زمانہ کی مخلوق چونکہ گناہگار و مغرور ہے
لہذا انکی اصلاح خوف سے کرنی چاہیئے جسقدر ممکن ہو انکو طاعت پر رکھیں خواہشات دنیا
کو اُن پر تلخ اور اُن کے دل سے غرور دور کریں اُنکے دل کو علائقِ عالم سے سرد کریں یہہ علاج
تا نہ مرگ سے قبل کیا جاوے اور مرنے کے وقت ہر شخص کے لئے صفتِ رجا کا غلبہ اصلح ہے
کیونکہ خوف تازیانۂ عمل ہے اور اب چونکہ عمل کا وقت گزرچکا اسلئے ممکن ہے کہ صفتِ خوف کے باعث
دوستیِ خدا میں کمی واقع ہو ۔ الغرض ہر شخص کو محبتِ خدا کے ساتھ دنیا سے جانا چاہیئے تاکہ اُسکی
لقا کا شوق غالب ہو ایسا شخص دنیا سے خوش و خرم جاتا ہے کیونکہ کوئی مسرت اور خوشی ملاقات
محبوب سے زیادہ نہیں ہے ۔ اور کوئی رنج فراقِ محبوب سے بڑھکر نہیں ۔ پس مسکین و بیچارہ
وہ ہے کہ وقتِ مرگ فرزند عیال ۔ جاہ و مال کی دوستی اُسکے دل پر غالب ہو تمام دولت
اُسکے دنیا میں ہوں اور دنیا اُسکے لئے بہشت ہو کیونکہ بہشت وہ مقام ہے جہاں آدمی کی محبوب
اشیا موجود ہوں پس ایسا شخص گویا موت کے باعث بہشت سے باہر جاتا ہے ۔ اہلِ دنیا کیلئے
یہہ پہلا الم ہے جو مرنے کے وقت پہنچتا ہے باقی آلام اسکے علاوہ ہیں ۔ اور جس شخص کو دنیا سے

کوئی علاقہ نہیں تو دنیا اُسکے لئے قفس و زندان ہے۔ موت اُسے زندان سے رہا کرتی ہے۔ یہہ پہلی خوشی ہے جو موت سے اُسکو حاصل ہوتی ہے علاوہ اُن نعمتوں کے جو اُسکے لئے آخرت میں موجود ہیں۔

فصل (۳۲) تحصیل رجا کا طریقہ

جب آپنے فضیلت رجا کو اور اُسکے موقع کو معلوم کر لیا تو اب اِس صفت کے حاصل کرنیکا طریقہ یہہ ہے کہ ابتدا میں جیسا کہ کہا گیا۔ اسباب امیدواری میں غور کرے اُنکو اپنے دلمیں نقش کرے۔ مکرر اُنکا خیال کرے ہمیشہ اُنکو ذکر کرتا رہے پس جو نعمتیں اور کرامتیں بیشمار بندوں کو دیگئی ہیں اُنکو ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ عنایت الٰہیہ نے اسباب دنیویہ میں جس جس شئے کی ضرورت تھی کسی میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے حالانکہ یہہ دنیا خانۂ بلا و محنت ہے مقام سرور و راحت نہیں ہے پس ایسے مقام پر جب زینت و جمال کی جملہ اشیا پیدا کی ہیں تو خانۂ آخرت میں جو جائے فیض و نعمت و احسان و راحت ہے کیونکر بندوں کو مہمل و معطل رکھیگا۔ خود ارشاد فرماتا ہے (سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ) یعنے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لیگئی ہے۔ وہ دنیا میں باوجود اشتغال گناہ و لہو ولعب انسان کو نعمت سے سرفراز کر رہا ہے تو کیونکر آخرت میں جہاں انسان کیلئے بجز اُسکی درگاہ کے کوئی پناہ نہیں اُسے چھوڑ دیگا اور سب سے زیادہ باعث امیدواری بندگان یہہ امر ہے کہ خداوند عالم خیر محض ہے اُسمیں کوئی شر نہیں ہے۔ وہ فیاض علی الاطلاق و بخشندۂ مطلق ہے اُس نے خلق کو پیدا کیا تاکہ اُن پر جود و احسان کرے۔ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرے۔ البتہ وہ اشخاص جو اُسکی وحدانیت کے قائل ہیں اور اُسکے پیغمبر صلعم کی تصدیق کرتے ہیں اُن پر رحم کریگا اُنکو ہمیشہ عذاب میں نہیں رکھیگا۔

چوتھی صفت ضعف نفس کی علامت اور اُسکا علاج۔

واضح ہو کہ ضعفِ نفس کی علامت خبیثہ یہ ہے کہ آدمی نزولِ بلا و حوادث کے وقت عجز و زبونی و اضطراب ظاہر کرے اور ہر معمولی سے معمولی حادثہ کے وقت بھی متزلزل ہو جائے یہ صفت نہایت خبیث ہے۔ ایسا شخص عقلا کی نظر میں ذلیل و خوار ہے اسکا لازمہ ذلت و خوف ہے امورِ مہمہ کو یہ شخص انجام نہیں دیسکتا۔ امر بالمعروف و نہی منکر سے کنارہ کش ہوتا ہے تھوڑی سی بلا سے مضطر و خائف ہو جاتا ہے۔ اس صفت والا مرتبۂ بلند و منصبِ ارجمند سے محروم و مہجور اور ہر دو عالم کی بزرگی و عزت سے دور ہے۔ اسکا دل ہمیشہ مضطرب و لرزاں ہے ہمیشہ حادثۂ دنیا سے خائف و ترساں ہے۔ ہر ساعت تشویش و غم میں ہر لحظہ بیم و الم میں گرفتار ہے اسکی طبیعت لڑکوں کی طبیعت کے مانند ہے اور جبلت عورتوں سے مشابہ۔

اخبار میں وارد ہوا ہے کہ مومن کو ہر کام میں اختیار دیا ہے لیکن یہ اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے کو ذلیل و بیقدر کرے۔ خدا نے جو فرمایا ہے آیا اسکو نہیں سنا ہے (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ) عزتِ خدا و پیغمبر و مومنیں کے لئے ہے پس مومن کو چاہئے کہ اپنے کو عزیز رکھے ذلیل نکرے اور نیز پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو۔ پہاڑ کو تیشہ سے ٹکڑے کر سکتے ہیں مگر مومن کے دین میں سے کوئی چیز نہیں توڑی جا سکتی۔ علاج اس صفتِ بد کا جیسا کہ جبن و خوف میں گزرا اسکے ضد کا حاصل کرنا ہے۔

فصل (۱) قوتِ نفس کی شرافت اور اسکے تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ ضد صفت مذکورہ کی بزرگیِ نفس اور مضبوطیِ قلب ہے اسکی علامت یہ ہے کہ جو کچھ اسپر وارد ہو۔ اسے برداشت کرے مانند گھانس کے ہوا سے نہ ہلے۔ مثل موش و روباہ کے ادہر ادہر متحرک نہو۔ بلکہ مانند پہاڑ کے ایکجا قائم رہے ہوائے مختلف پر التفات نکرے مثل شیر قوی پنجہ کے دلیروں کے حملہ سے منہ نہ پھیرے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن صاحب صلابت و

مہابت وعزت ہے یہہ تمام بزرگی نفس وقوت کی تجریں ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کو خدا نے تین خلعت کرامت فرمائے ہیں (۱) دنیا و آخرت میں عزت (۲) دنیا و آخرت میں ظفر و رستگاری (۳) اہل ظلم و معصیت کے قلب میں اسکی مہابت یہہ صفت حقیقتاً سر آمد صفات ہے اس صفت والے کی نگاہ میں خواری و عزت اور مفلسی و ثروت یکساں ہے نہ ابنائے روزگار کی دوستی سے اسے خوشی نہ انکی دشمنی سے کوئی خوف۔ نہ انکی تعریف سے شاد نہ انکی مذمت سے غمگیں چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر تمام عالم تلوار کھینچکر گروہ گروہ مجھ پر حملہ کریں تو کوئی فرق میرے حال میں نہوگا بلکہ جس شخص کو یہہ صفت عنایت ہوئی ہو اسکو مرض و صحت بلکہ حیات و موت میں کوئی تفاوت معلوم نہوگا گردش روزگار و انقلاب لیل و نہار کا اسپر مطلق اثر نہیں ہوتا یہہ صفت فاضلہ ایسی نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو یہہ وہ چشمہ نہیں ہے کہ ہر بے سر و پا اس سے پانی پئے یہہ وہ سراپردہ نہیں ہے کہ ہر شخص اسکے اطراف گردش کرے بسوائے سوار معرکہ میدان کوئی یہاں گھوڑا نہیں دوڑا سکتا یہہ وہ راستہ ہے کہ سوائے نامداران شیر دل کے کوئی قدم اس جگہہ نہیں رکھسکتا۔ اس صفت کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو حصول صفت شجاعت و رفع خوف مذموم میں بیان کیا گیا

پانچوین صفت۔ پست ہمتی کی مذمت اور علو ہمتی کی فضیلت

واضح ہو کہ کارہائے بزرگ و امور عظیمہ کی تحصیل میں قاصر رہنا اور شغلہائے پست و اعمال حقیرہ پر قناعت کرنا۔ یہہ خراب صفت نتیجہ کم دلی و ضعف نفس ہے۔ اس صفت کی ضد علو ہمتی ہے یعنے مراتب و مناصب عالیہ کی تحصیل میں کوشش کرنا جس شخص کی ہمت بلند ہو وہ امور حقیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور منافع خسیسۂ دنیویہ کی طمع میں اپنے آپ کو آلودہ نہیں کرتا اور نقصان کے خوف سے مطلوب سے ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ دنیا و مافیہا اسکی نظر میں خوار اور لذت جسمانیہ اسکے آگے

بے اعتبار ہیں۔ نہ وہ دنیا کے حاصل ہونے سے شاد و فرحناک ہوتا ہے نہ اُسکے عدمِ حصول سے محزون و غمناک۔ بلکہ یہہ صفت والا راہِ طلب میں قدم رکھتا ہے اور حصولِ مقصود کے درپے ہوتا ہے تو اُسکو نہ جان کا خوف ہے نہ سر کی پروا۔ نہ شمشیر سے ڈرتا ہے نہ خنجر سے۔ شعر دست از طلب ندارم تا کام من برآید۔ یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید۔ جب یہہ صفت مرتبۂ کمال کو پہنچے تو اِس صفت والا مقصدِ اعلیٰ کا طالب ہوتا ہے اور حقیقتِ ایمان اُسکو حاصل ہوتی ہے۔ وہ معرفت کا مشتاق ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ موت سے بہتر اور کوئی تحفہ اُسکے نزدیک محبوب نہیں ہوتا۔ یہہ صفت بالاترین فضائلِ نفسانیہ و اعظمِ مراتبِ انسانیت ہے۔ اسلئے جو شخص مرتبۂ عالیہ پر فائز ہوا وہ اسی صفت کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اِس صفت والا ہرگز مرتبۂ پست پر راضی اور امورِ حقیرۂ دنیہ پر متوجہ نہیں ہوتا ہے جس کام کو طلب کرتا ہے اُسمیں کوشش و اجتہاد کرتا ہے اور مطلوب کو حاصل کرتا ہے (وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) یعنے جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں کوشش کرینگے ہم ضرور بالضرور اُنکو اپنا راستہ دکھلاینگے (مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَّ وَجَدَ) جو کوئی کسی چیز کو طلب کرے اور کمرِ اجتہاد باندھے البتہ اُسکو وہ پاتا ہے۔

واضح ہو کہ شہامت جو ایک صفتِ نیک ہے وہ نتیجۂ بلند ہمّتی ہے اور اُس سے مراد یہہ ہے کہ آدمی امورِ عظیمہ کو انجام دینے پر حریص ہو تاکہ صفحۂ روزگار میں اُسکا نام باقی رہے۔

چھٹی صفت بیغیرتی و بے حمیتی کی مذمت اور غیرت و حمیت کی شرافت

واضح ہو کہ بیغیرتی و بے حمیتی یہہ ہے کہ جن چیزوں کی مثلاً دین و ناموس و اولاد و اموال کی حفاظت و نگاہبانی کرنا لازم ہے اُسمیں کوتاہی و بے پروائی کیجائے۔ یہہ مرض مہلکاتِ عظیمہ و صفاتِ خبیثہ میں سے ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ یہہ دیوثی کی طرف منجر ہوجاتا ہے حضرت پیغمبر صلعم نے

فرمایا ہے کہ مردِ بےغیرت کا دل اُلٹا ہوتا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے اہلِ خانہ سے کوئی ایسا امر دیکھے جو منافیِ غیرت ہو اور اُسے غیرت نہ آئے تو خداوندِ عالم ایک مرغ کو بھیجتا ہے جسکو قندر کہتے ہیں۔ وہ اُسکے گھر پر چالیس روز بیٹھتا ہے اور فریاد کرتا ہے کہ خدا غیور ہے اور صاحبِ غیرت کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اُس مرد کو غیرت آئی اور جو کچھ منافیِ غیرت ہے اپنے سے دور کیا تو فبہا۔ ورنہ وہ پرواز کرتا ہے۔ اُسکے سر پر بیٹھتا ہے اور اپنے پرونکو اُسکی آنکھوں پر مارتا ہے اور اُڑ جاتا ہے۔ اِسکے بعد اُسکی روحِ ایمان مفارقت کرتی ہے اور ملائکہ اُسکو دیوث کہتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام جبکہ عراق میں تشریف رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے اہلِ عراق سنتا ہوں کہ تمھاری عورتیں مردوں سے شانہ بشانہ ہوکر چلتی ہیں! آیا تم لوگ حیا نہیں کرتے تمھیں غیرت نہیں آتی کہ تمھاری عورتیں بازار کو جاتی ہیں اور کافروں کے کاندھے سے کاندھا ملاتی ہیں کہ راستہ ملے اِس صفت کی ضد غیرت وحمیّت ہے جو نتیجہ شجاعت وقوّتِ نفس اور اشرفِ ملکات وصفاتِ فضائل ہے جو کوئی یہہ صفت نہیں رکھتا وہ مردوں کے زمرے سے خارج ہے اور اُسکو مرد نہیں کہتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوندِ تبارک وتعالےٰ غیور ہے اور غیرت کی صفت کو دوست رکھتا ہے اور یہہ اُسکی غیرت ہے کہ اُس نے تمام اعمالِ ناشائستۂ ظاہریّہ وباطنیہ کو حرام کیا ہے۔

فصل (۱)

طریقۂ غیرت متعلقِ دین وعیال واولاد ومال۔

جب آپکو معلوم ہوا کہ حمیّت وغیرت یہہ ہے کہ آدمی اپنے دین وناموس واولاد واموال کی نگاہبانی کرے تو انکی محافظت ونگاہبانی کا ایک طریقہ ہے کہ صاحبِ غیرت وحمیّت کو اُس سے تجاوز کرنا زیبا نہیں اب غیرت وحمیّت دینی یہہ ہے کہ بدعت کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ اور دین کے باطل کرنیوالے دعوی کو دفع اور شبہ منکرین کو رد کرے۔ اور رواجِ احکامِ دین میں لازمہ جدوجہد

کو عمل میں لائے۔ مسائلِ حلال و حرام کے ظاہر کرنے میں نہایت مبالغہ کرے۔ اور امرِ معروف اور نہی منکر میں دلیری سے کام لے۔ جو لوگ کہ ظاہراً معصیت کرتے ہیں اُنسے دوستی نکرے۔ اور بقدرِ ضرورت مخفی طور پر غضبناک ہو۔

ناموس و حرم میں غیرت یہہ ہے کہ اپنے اہلِ خانہ سے غافل ہو اور ابتدا میں ایسے امر میں بے پروائی نکرے جسکا نتیجہ فساد کی طرف منجر ہو۔ پس دیکھنے سے نامحرموں کے اپنی عورتوں کی حفاظت کرے۔ اُنکو کوچہ و بازار میں جانے سے روکے حضرت رسول صلعم نے حضرت فاطمہ علیہا سے فرمایا کہ عورتوں کے واسطے کیا بہتر ہے عرض کیا کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد بھی اُسکو نہ دیکھے پس حضرت نے فاطمہ علیہا کو اپنے سینہ سے لگالیا۔ اصحابِ پیغمبر نے مکان کے سوراخوں کو بند کرلیا تھا کہ اُنکی عورتیں غیر مرد و نکو نہ دیکھیں۔ ایکروز حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی عورت کو حمام وعروسی و عیدگاہ و مجالس میں جانے اور باریک لباس پہننے کی اجازت دے یا اُن امور پر راضی ہو تو خدا تعالی اُسکو جہنم میں اُلٹا لٹکائیگا۔ حضرت پیغمبر کے زمانے میں عورتیں مسجد میں حاضر ہوتی تھیں۔ اور مخصوص اُس زمانے کی عورتونکو حضرت نے اجازت دی تھی کیونکہ حضرت کو اُس زمانہ کی عورتوں کے احوال کا علم تھا اور جانتے تھے کہ اُنسے کوئی برائی صادر نہوگی۔ اس زمانہ کی عورتوں کو مسجد و قبرستان میں بغرض فاتحہ و زیارت جانے سے منع کرنا لازم و واجب ہے تو کوچہ و بازار و حمام و مجمعِ لہو و لعب کا کیا ذکر۔ کیونکہ عورتوں کا مکر حد سے زیادہ گزر گیا ہے۔ اسیوجہ سے حضرت پیغمبر کے بعد صحابہ نے یہہ رفتار مقرر کی اور فرمایا کہ اگر اس زمانہ کی عورتوں کے احوال سے پیغمبر مطلع ہوتے تو فرماتے کہ گھر کے باہر نجائیں۔ حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ عورتیں عید اور جمعہ کی نماز کو گھر کے باہر جاسکتی ہیں فرمایا کہ نہیں مگر وہ عورتیں جو بوڑھی ہوں۔ الغرض جو کوئی اس زمانہ کی عورتوں کے حالات سے آ

اور کسیقدر رگِ مردی وصفتِ غیرت وحمیت اُسمیں ہو تو عورتوں کو وہ ضرور ان امور سے
منع کریگا جن سے احتمالِ فساد و ناخوشی ہو مثلاً نامحرموں کو دیکھنا اور اُنکی آواز سُننا جبتک
ضرورتِ شرعیہ نہو وعلی ہذا القیاس خوانندگی کا سُننا بلکہ گھر کے باہر جانے سے اور غیر کے گھر کی آمد ورفت
سے اور حمام و مسجد اور کسی محفل یا مجلس میں جہاں تعزیۂ سید الشہدا ہو اور زیارتِ مستحبہ کے سفر کرنے
سے جبکہ اندیشۂ فساد ہو منع کریگا اسلیئے کہ غالب اوقات یہہ امور فساد سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر
کچھ بھی نہوں تو بھی اُنکی نظر نامحرموں پر پڑتی ہے جو طریقۂ عفت کے منافی اور شیوۂ غیرت سے دور
ہے۔ پس اس زمانہ کے مرد صاحبِ غیرت پر لازم ہے کہ اپنے اہلِ خانہ وحرم کی حفاظت میں حتی المقدور
کوشش کرے۔ اُنکو گھر کے باہر جانے سے روکے مگر سوائے اُن صورتوں کے جو از روے شرع
واجب ہوں مثلاً سفرِ حج واجب یا کسی عالمِ خداترس کے گھر میں مسائلِ واجبہ کے معلوم کرنیکیلئے
جانا جبکہ مرد مسائل معلوم کر کے عورت کو نہ پہنچا سکتا ہو۔ اسی طرح زیارتِ ائمہ یا عورتوں کے
تعزیہ خانہ میں یا اُنکے مثل جہاں فساد کا اندیشہ نہو شرکت کی اجازت دینے [illegible] ہے ایسا ہی بوڑھی
عورتوں کا جانا ان مقامات پر کوئی ضرر نہیں رکھتا۔ نیز مقتضاے غیرت یہہ ہے کہ عورتوں کو
حکایاتِ شہوت انگیز وسخنانِ عشرت آمیز کے سننے سے اور اُس بوڑھی عورت کی مصاحبت سے
جو مردوں کے پاس آمد ورفت رکھتی ہو منع کرے۔ اسیوجہ سے احادیث میں عورتوں کو سورۂ یوسف
کے پڑھنے اور سننے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۂ یوسف عورتوں کو
تعلیم نہ دو اور اُنکو پڑھاؤ سورۂ نور اُنکو یاد دلاؤ کیونکہ اسمیں وعظ ونصیحت ہے اور فرمایا کہ عورتوں کو
زین پر سوار نکرو۔ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو برآمدوں میں نہ بیٹھنے دو۔ اور لکھنا
نہ سکھاؤ اور اُنکو روئی کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور یاد دلاؤ۔ مرد صاحبِ غیرت کو سزاوار یہہ ہے کہ
اپنے تئیں عورت کی نظر میں باوقعت رکھے۔ کہ اُس سے ہمیشہ عورت ڈرتی رہے اور اپنی ہوا وہوس کی

پیروی نکرے کسیوقت عورت کو بیکار نہ بیٹھنے دے۔ بلکہ ہمیشہ کسی کام میں گھر کے یا کسی کسب میں مشغول رکھے کیونکہ بحالتِ بیکاری شیطان فکرِ باطل میں ڈالیگا۔ باہر نکلنے اور سیر و خود آرائی و خود نمائی کی خواہش ہوگی۔ لہو و لعب اور ہنسی اور کھیل کی رغبت ہوگی۔ آخر کار وہ خرابی پیدا کریگی۔ نیز مرد صاحبِ غیرت کو چاہئے کہ تمام ضروریاتِ خوراک و پوشاک اور تمام سامان ضروریِ خانہ داری مہیا رکھے۔ تاکہ اپنی ضروریات کے سبب سے مضطر ہو کر افعال و اقوال ناشایستہ کی مرتکب نہو۔ جاننا چاہئے کہ صفت غیرت کی اگرچہ بہتر اور از روی شرع و عقل مستحسن و مرغوب ہے مگر اسمیں زیادتی نکرے اور آدمی کو چاہئے کہ بے سبب اپنے اہلِ خانہ سے بدگمان ہو کر سختی سے کام لے۔ اور پوشیدہ طور پر اسکی نگرانی کرے۔ کیونکہ ایسا ہی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت مانند ٹیڑھی ہڈی کے ہے اگر اسکو سیدھا کرنا چاہتا ہے تو ٹوٹ جائیگی۔ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ بعض قسم کی غیرت ہے کہ خدا اور رسول اسکو دشمن رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ مرد بغیر وجہ کہ اپنے اہلِ خانہ سے غیرت کرتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ مخفی طور پر اپنے اہلِ خانہ کے احوال کا دریافت کرنے میں زیادتی کرنا نازیبا ہے اور طریقۂ شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ اسوقت میں مرد بدگمانی رکھیگا جو شرعاً مذموم ہے چنانچہ مذکور ہوگا۔

اب اولاد کے متعلق مقتضائے غیرت یہ ہے کہ ابتدا میں انکا خبرگیراں رہے۔ اور انکی پرورش کے لئے دایہ صاحبِ عفت و نیک کو معین کرے۔ غذائے حلال انکے لئے مہیا کرے کیونکہ جو طفل غذائے حرام سے پرورش پاتے ہیں انکی طبیعت خبیث ہوتی ہے۔ انکی طینت خباثت سے خمیر کیجاتی ہے جب کسیقدر تمیز پیدا ہو تو انکو آداب نیک اور آدابِ مجلس سکھانے چاہئیں انکو سیدھے ہاتھ سے کھانا اور شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا تعلیم دے۔ اپنے کھانے سے لقمہ اٹھائے اور دوسرے کے کھانے پر ہاتھ دراز نکرے اور نگاہ رکھے۔ جلدی سے غذا نہ کھائے

لقمہ اچھی طرح چبائے۔ لباس کو غذا سے آلودہ نکرے۔ زیادہ کھانے کی عادت نکرے لڑکوں
سے زیادہ کھانے کی مذمت کرنا چاہیئے۔ قناعت و کم خواری کی تعریف کرے۔ ایک ہی غذا
کی عادت نہو بلکہ جو کچھ میسر ہو اُسپر قناعت کرے۔ اُنکو خود آرائی و زینت سے منع کرے
اُسکی بُرائی ظاہر کرے کہ زینت و خود آرائی طریقہ عورتوں کا ہے مرد اُسکو برا جانتے ہیں اور ہمنشینی
سے اُن لڑکوں کی جو ناز و نعمت سے پرورش پائے ہیں حفاظت کرے۔ اور طریقہ بیٹھنے۔ راستہ
چلنے اُٹھنے۔ سونے کا اُنکو تعلیم دے۔ بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں پیٹھہ دوسروں کی طرف نہو
آدمیوں کے سامنے نہ تھوکے اور اُنگلی ناک میں نکرے اور نہ چھینکے۔ اگر ضرورت ہو تو پوشیدہ
طور سے ناک کو پاک کرے آدمیوں کے سامنے جمائی نہ لے۔ پاؤں پہ پاؤں نہ ڈالے ہاتھہ ٹھوڑی
کے نیچے نہ رکھے۔ ہر طرف نہ دیکھے۔ بصر کھلا نہ رکھے۔ ہمنشینوں سے تواضع اور فروتنی کے ساتھہ
پیش آئے۔ کشادہ روئی و خوش کلامی کو اپنا شعار قرار دے۔ بزرگوں کی اطاعت اور
اُنکی تعظیم کرے۔ اُنکے سامنے نہ کھیلے جھوٹ بولنے اور قسم کھانے سے روکے اگرچہ وہ راست
ہو۔ فحش و دشنام و لغو و مسخرگی سے منع کرے۔ اُسکو سچ کہنے اور سونچ کر بات کرنے اور سننے
کی عادت ڈالے۔ دو زانو بیٹھنے اور دوسرے کو جگہہ دینے اور باوقعت و خودداری کے
حرکات سکھائے۔ بری صحبت سے حفاظت کرے کہ اصل ادب یہی ہے۔ کسی سے کوئی چیز مانگنے سے
ڈرائے اور سمجھائے کہ عطا و بخشش میں بزرگی اور مانگنے میں ذلت و خواری ہے کُتّوں کی عادت
ہے کہ غذا کے انتظار میں اپنی دُم ہلاتے ہیں اور خوشامد کرتے ہیں کسی اُستاد دیانت دار کے سپرد
کرے کہ اُسکو قرآن پڑہائے نیکوں کی حکایات اُس سے بیان کرے اور فضول باتوں نے اُسکو
منع کرے۔ اور اُسکو تعلیم کرے کہ جب اُستاد مارے تو صبر کرے دوسروں سے متوسل نہو۔
اُسکو کہے کہ یہہ طریقہ جوانمردوں کا ہے اُسوقت میں مثل عورتوں اور غلاموں کے فریاد نکرے

ضرور ہے کہ جب مدرسہ سے فارغ ہو تو اُسکو کھیلنے اور سیر کرنیکی اجازت دے تاکہ اُسکا دل پژمردہ نہو جب اُسکو کسب تمیز ہو تو اخلاقِ نیک سکھانا اور صفاتِ رذائل سے دور رکھنا چاہئیے صفاتِ نیک مثلاً صبر شکر توکل رضا شجاعت سخا صدق صفا اُسے بتلائے اِن اوصاف والونکی اُس سے تعریف کرے اخلاقِ رذیلہ مثلاً حسد عداوت کبر دزدی خیانت کی اُس سے بُرائی ظاہر کرے ان اخلاق والونکو بُرا کہے اُسکو طہارت و نماز سکھائے ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی تاکید کرے اصولِ عقائد و آدابِ شریعت اُسکو تعلیم کرے اور آدمیوں کے سامنے اُسکو اچھا کہے اور اُسپر احسان کرے اگر کوئی بُرا فعل اُس سے ظاہر ہو تو پہلی دفعہ دیکھکر انجان ہو جاے اور اُس سے بیان نکرے اور ایسا ظاہر کرے کہ کبھی اُس کام کے کرنیکی پھر اُسکو جرأت نہ پیدا ہو اگر دوسرے وقت وہ کام اُس سے سرزد ہو تو پوشیدہ طور پر عتاب و خطاب کرے اور ظاہر کرے کہ اگر اُس سے یہ فعل ظاہر ہوگا تو آدمیوں میں رسوا ہوگا زیادہ تر اُس پر غصہ نکرنا چاہئیے باپ کو چاہئیے کہ اپنا وقار قائم رکھے اپنے کو لڑکے کی آنکھ سے نگرادے ماں کو ضرور ہے کہ باپ کا خوف دلائے اُسکو اعمالِ ناشایستہ سے منع کرے جب زیادہ تمیز پیدا ہو تو عبادت کرنیکی تاکید کرے اُسکی نظر میں دنیا کو ذلیل کرے اُسکو پروردگار سے امیدوار بنائے اُسکے سامنے آخرت کی تعریف کرے بزرگیِ خدا کو اُس سے ذکر کرے جب اسطرح عمل کرے تو یہہ اخلاق لڑکے کے دل میں مضبوط ہوتے ہیں بالغ ہونیکے بعد وہ زمرۂ اخیار میں داخل اور باپ کیلئے باقیاتِ صالحات ہوگا اگر اسکے برخلاف اُسکی تادیب میں بے پروائی برتی گئی تو وہ لڑکا بیہودگی میں پرورش پاتا ہے اُسے بے شرمی و فحش و شکم پرستی کی عادت ہوتی ہے وہ خبیث النفس ہوتا ہے ماں باپ کے لئے ناگوار بلکہ باعثِ رسوائی ہوتا ہے اور خود دنیا میں سختی و افلاس اور عقبیٰ

میں عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ پس مہربان باپ کو لازم ہے کہ تادیب فرزند میں سعی کرے
اور جانے کہ یہہ امانت منجانب خدا اسکو ملی ہے۔ اسکا دل پاک اور اسکا جوہر صاف ہے
جو قابلیت ہر نیک و بدکی رکھتا ہے جیسی تعلیم دیجاے اسمیں ترقی کرتا ہے۔ اسکا باپ
اسکے ثواب میں شریک ہے۔ پس اسکو ضایع و مہمل نچھوڑے اس سے غافل نہو۔ لڑکی کو
بھی لڑکے کے مانند تربیت کرے مگر اکثر امور میں تفاوت ہے اسکو پردہ نشینی و حجاب و حیا
اور انکے مثل تعلیم دے لڑکے کو ان آداب کی تعلیم کرنیکے بعد جس علم و صنعت کی قابلیت
و استعداد دیکھتا ہو اسکی تعلیم دے۔ کسی دوسرے امر میں جسکی استعداد نہو مشغول نکرے۔
کہ اس کی عمر ضایع ہو۔

مال کی غیرت یہہ ہے کہ جانے ہر شخص کو جبتک کہ دنیا میں ہے مال کی احتیاج ہے اور
اسپر حصول آخرت موقوف ہے۔ کیونکہ معرفت و طاعت بقاے بدن و حیات پر اور انکی
بقا غذا و قوت پر منحصر ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے جو مال حلال سے پیدا کرے اسکی حفاظت
میں کوشش کرے اس طریقہ پر کہ بغیر ضرورت کے صرف نکرے جسمیں فائدہ دنیا و آخرت
نہو اسمیں ہرگز خرچ نکرے۔ اور بغیر مستحق کے ندے۔ خودنمائی و خودفروشی میں خرچ نکرے
چور اور خیانت کرنیوالے سے حفاظت کرے۔ جہانتک ممکن ہو ظالموں کو اسپر مسلط نکرے اور
انکو مال پر قابو ندے۔ بلکہ مقتضاے غیرت مال یہہ ہے کہ جبتک آپ زندہ ہیں اپنا مال
صرف کرے تاکہ اسکا فائدہ اپنے کو حاصل ہو۔ وارث کے لئے نچھوڑے مگر سواے اس
صورت کے کہ لڑکا صاحب خلق ہو جسکا وجود بمنزلہ اپنے وجود کے ہو تاکہ اسکے ثواب میں
آپ شریک ہوسکے۔ صاحب غیرت و حمیت کیونکر راضی ہوگا کہ جس مال کے حاصل کرنیکے لئے
رنج و تکلیف اٹھائی ہو اور اسکے جمع کرنے میں اپنی اوقات ضائع کی ہو جسکا عرصہ محشر میں

حساب دینا ہوگا وہ اپنی عورت کے مرد کے لئے چھوڑ جاوے وہ اُسکو کھا کر قوت کرے اور اُس عورت سے ہم صحبت ہو حقیقت یہہ کہ وہ مخنث ہے اپنے کو مغفرت و وثوث بنا تا ہے ایسا ہی وہ لوگ بھی صاحب غیرت و حمیت نہیں جو اُن وارثوں کیلئے مال چھوڑ جاتے ہیں جو حق میت بیچارہ کو نہ جانیں اُسکو کبھی یاد نہ کریں بدگہر لڑکے داماد بھائی بھتیجے چچا وغیرہ۔ اگرچہ عورت کے شوہر کی طرح نہیں ہیں لیکن جبکہ یہہ صاحبانِ اخلاق حسنہ نہوں تو انکیلئے مال چھوڑنا سوائے فحش و دشنام حاصل ہونیکے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے۔

ساتویں صفت مذمتِ عجلت و شتاب کاری۔

واضح ہو کہ عجلت کے معنی یہہ ہے کہ بمجرد اسکے کہ کوئی امر آدمی کے دل میں گذرتے ہی بغیر نتیجہ کے سوچنے کے اُسکے کرنے پر آمادہ ہو جاوے یہہ صفت کم دلی و ضعف نفس کا سبب ہے اسی صفت میں بنی آدم ہلاک ہوتے ہیں۔ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ فرمایا کہ جلدی شیطان کی طرف سے اور دیری خدا کی جانب سے ہے۔ روایت میں وارد ہے کہ جب عیسی ابن مریم پیدا ہوئے تو شیاطین ابلیس کے آگے جو سب کا سردار ہے آئے اور کہا کہ آج تمام بت سرنگوں ہوئے ہیں۔ ابلیس نے کہا کہ کوئی حادثہ ضرور واقع ہوا ہے ٹھہر جاؤ کہ دریافت کروں پس وہ مشرق و مغرب میں تلاش کرتا ہوا پھرا یہانتک کہ عیسیٰ کے مقام تولد پر آیا۔ ملائکہ انکے اطراف کو گھیرے ہوئے تھے یہہ دیکھکر واپس ہوا اپنے لشکر سے کہا کہ آجکی رات ایک پیغمبر دنیا میں آیا ہے۔ امید نہ رکھو کہ آئندہ کوئی بت پرستی کریگا لیکن فرزندانِ بنی آدم کو جلدی و تیزی کرنے پر آمادہ کرو۔ اس صفت کی مذمت میں اخبار بہت ہیں۔ اس مذمت کا اصل مطلب یہہ ہے کہ ہر کسی کا فعل غور و فکر سے ہونا چاہئے کہ اُسکے نتیجہ کو دیکھے جو تامل اور دیر پر موقوف ہے اور یہہ صفتِ عجلت مانع تامل ہے بلکہ تجربہ کیا گیا ہے

کہ جو کام بغیر تامل کے کیا جاے وہ باعثِ خرابی و نقصان ہوتا ہے۔ اسکا کرنیوالا نادم و پشیمان ہوتا ہے اس صفت کی مذمت میں یہی بس ہے جلدی کرنیوالا ہر ایک کی نظر میں خوار و بے اعتبار ہے کوئی شخص ذرا غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دین کو دنیا کے ساتھ بیچنے اور بہشت آخرت و بادشاہی ابدی کو اس عاریت سرا کے فضولیات سے معاوضہ کرنیکا سبب جلدی و شتاب کاری ہے کیونکہ نفسِ انسان عالمِ امر سے متعلق ہے۔ اور سلسلۂ ایجاد میں یہہ تمامی مخلوقات کی بہ نسبت حضرت آفریدگار سے قرب رکھتا ہے۔ پس بالاترین لذاتِ انسان کے لئے لذتِ غلبہ و سروری و سرداری ہے جو صفاتِ کمالیہ پروردگار میں سے ہے۔ اور ہر شخص اسی کا طالب ہے یہہ طلب اور آرزو مذموم بھی نہیں بلکہ ہر بندے کو چاہئے کہ بادشاہی لازوال کا جویا ہو۔ اسی سعادت کا طالب ہو جسکی انتہا نہیں۔ ایسی بقا کا خواہاں ہو جسمیں شائبۂ فنا نہو۔ اُسی عزت کا متلاشی ہو جس کا انجام زیست پر منتہی نہو۔ اُسی غنا کی تحصیل میں سعی کرے جسمیں فقر کی آمیزش نہیں۔ اور اُسی کمال کو ڈھونڈے جسمیں نقص کی آمیزش نہو کیونکہ یہہ تمام صفاتِ خداوندی ہیں اور انکا طالب علو و کمال کا طالب ہے جو ممدوح ہے۔ اب طلب ریاست و علو کی جو مذمت وارد ہوئی ہے وہ اسلئے ہے کہ انسان نے معنی ریاست کے سمجھنے میں غلطی کھائی اور شیطان نے اُسے فریب دیدیا۔

توضیح اسکی یہہ کہ جب شیطانِ ملعون سجدہ نکرنے کے سبب سے مطرود و مردود ہوا تو حسد نے اُسے اس بات پر آمادہ کیا کہ فرزندانِ آدم کو فریب دے اور انھیں قربِ الٰہی سے دور کر دے پس بنی آدم کو اُس نے عجلت و شتاب کاری کے ساتھ فریب دیا اور اُنکی نظر میں ریاست عاجلِ فانیہ و سروری و بزرگی چند روزہ کو جلوہ گر کیا اور سلطنتِ ابدی و پادشاہیِ مخلد سے محروم کر دیا۔ بیچارہ انسان چونکہ عجول و شتاب کار خلق ہوا تھا اور اسی راہ سے شیطان فریب دینے کیلئے

آیا لہذا اُسکے فریب میں آکر طلب دنیا میں مشغول ہوا اور سلطنت و بادشاہی ابدی سے ہاتھ
دھو بیٹھا حیاتِ دو روزہ پر مغرور ہوگیا اور انجام کی خبر نہ رکھی لیکن جو لوگ کہ باطن امور سے
آگاہ ہیں اور توفیقِ ربانی انکے شاملِ حال ہے وہ اِس ملعون کے ساتھہ کنویں میں نہیں گرتے
اور اُس کی پیروی نہیں کرتے۔ اور چونکہ اس ملعون نے تمام انسانوں کیلئے یہہ جال بچھایا ہے
لہذا خداوندِ عالم نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ لوگوں کو اُسکے مکر سے خبردار کریں اُنکے قلوب کو
اس خانۂ مجازی سے الگ کرکے مملکتِ حقیقی اور وطن اصلی کی دعوت دیں۔ پس یہہ برگزیدہ
نفوس آئے اور اُنھوں نے کمرِ ہمت باندھکر تمام دنیا میں یہہ صدا بلند کی کہ اے لوگو جب
تمھیں راہِ خدا میں کوچ کرنیکو کہا جاتا ہے تو تم زمین گیر ہوجاتے ہو کیا تم حیاتِ دنیا پر راضی
ہوگئے۔ یہہ حیاتِ دنیا تو بہت ہی قلیل ہے۔ پس اِن مقدس نفوس نے دنیا و اہل دنیا کی
مذمت میں زبان کھولی اور لوگوں کے سامنے وعدہ و وعید بیان کئے۔ اور غرضِ کلی انکی بعثت
کی یہی تھی کہ لوگونکو مملکتِ بے پایاں کی دعوت دیں تاکہ تختِ پادشاہیِ حقیقی پر جلوہ گر ہوں۔
اب شیطان انسانوں کو عجلت اور شتاب کاری کی دعوت دیتا ہے سرداریِ دنیا کی طرف
بلاتا ہے۔ اسلئے کہ جانتا ہے کہ اسکو بقا نہیں اور جو کچھہ ہے بھی وہ بھی قسم قسم آلام و اسقام سے
مملو ہے۔ اور غرضِ اصلی اسکی یہی ہے کہ یہہ لوگ آخرت سے غافل ہوکر بندۂ شہوت و غضب
ہوجائیں شکم و فرج کی پرستش کریں یہہ چارپائے بن جائیں تاکہ وہ جس طویلہ میں چاہے
انھیں لیجائے۔ اس بیان سے معلوم ہوسکیگا کہ خسرانِ دنیا و آخرت عجلت و شتاب کاری
کا نتیجہ ہے۔ اس صفتِ بد کا علاج یہہ ہے کہ اسکے فسادِ انجام پر نظر ڈالیجائے۔ اور خیال کرے کہ
اس سے کسقدر خفت اور سبکی لوگوں کی نظر میں حاصل ہوتی ہے اور اس صفت کی ضد کی
شرافت پر نظر ڈالے جو وقار ہے اور جو اولیا و انبیا کی صفت ہے پس انسان کو اپنے اوپر

لازم کرلینا چاہئے کہ کوئی کام بغیر تامل کے نکرے اور ظاہر و باطن تمام اقوال و افعال میں وقار و سکون کو اپنا شعار قرار دے تاکہ یہہ صفت خبیث رفع ہو اور وقار و طمانیہ حاصل ہوجاے

فصل تعریف وقار

واضح ہو کہ صفت عجلت کی ضد وقار ہے اس سے مراد یہہ ہے کہ تمام گفتار و کردار و حرکات و سکنات اطمینان نفس و سکون قلب کے ساتھہ ہو اور ہر ایک کام فکر و تدبیر کے موافق پورا ہو۔ واضح ہو کہ کسی کام کے شروع کرنے سے قبل ٹہر جانے کو توقف کہتے ہیں اور اُسکے بعد تامل کرنے کا نام تانی و انائت ہے۔ پس وقار ان دونوں کو شامل ہے اور قوّت نفس و بُردلی کا نتیجہ۔ یہہ صفت اشرف صفات فضائل ہے بلکہ اخلاق حسنہ میں سے بہت ہی کم صفات ہیں جو اُسکی شرافت کو پہنچتے ہیں۔ اسیوجہ سے انبیا و اصفیا و برگزیدگان خدا کی مدح اسکے ساتھہ کیجاتی ہے۔ سردار پیغمبراں کو صاحب الوقار والسکینہ کہتے ہیں اخبار میں وارد ہے کہ مومن بالضرور صفت وقار سے متّصف ہوتا ہے۔ لوگونکی نظر میں انسانکو کوئی صفت اس سے زیادہ عزیز و محترم نہیں کرتی۔ پس مومن کو سزاوار ہے کہ ہمیشہ اس صفت کی بزرگی و نیکی نظر میں رکھّے اپنے اعمال و افعال و اقوال اس صفت کے موافق بجالائے تاکہ اُسکی عادت و ملکہ حاصل ہو۔

آٹھویں صفت۔ خدا و خلق سے بدگمانی و بددلی کی مذمّت۔

واضح ہو کہ یہہ صفت رذیلہ نتیجۂ بزدلی و ضعف نفس ہے کیونکہ جب کسی بزدل ضعیف النفس کے دل میں کوئی فکر فاسد گزرتی ہے تو اُسکی قوّت واہمہ اُسے گرفت کرلیتی ہے اور وہ اُسی وہم کی پیروی کرتا ہے۔ یہہ صفت بد مہلکۂ عظیمہ ہے خداوند عالم فرماتا ہے (یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ) اے مومنین ظنّ کثیر سے پرہیز کرو بتحقیق کہ بعض گمان گناہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے (وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ

وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا) تم نے گمان بد کیا اور تم ہلاک ہو گئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ برادر مومن کے کسی کام کو بہترین محامل پر حمل کرنا چاہئے۔ اور جو بات کسی برادر
مومن سے سرزد ہو جبتک کہ محمل نیک اسکے واسطے ملے گمان بد نکرنا چاہئے۔ مروی ہے کہ
خداوند عالم نے ہر مسلم کے خون کو اُسکے مال و آبرو کو اور اُسکے ساتھ گمان بد کرنیکو حرام قرار
دیا ہے۔ پس گمان بد کی مذمت میں یہی کافی ہے کہ مسلم کے کشت و خون اور اُسکی عزت
و آبرو میں دست اندازی کے ساتھ ساتھ اُسکا ذکر کیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں ہے کہ جو کوئی
دوسروں پر گمان بد کرتا ہے تو اُسکو شر و فساد سے نسبت دیتا ہے نظر حقارت کی نظر سے
اُسکو دیکھتا ہے حتی الامکان اُسکی تعظیم بجا نہیں لاتا اُسکے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ
غیبت اور اُس گمان بد کے اظہار میں دریغ نہیں کرتا ہے۔ یہہ تمام امور اُسکی ہلاکت کے
باعث ہوتے ہیں۔ کوئی شبہہ نہیں ہے جو کوئی گمان بد مسلمان پر کرتا ہے وہ خبیث النفس
و بد باطن ہے وہ ہر کسیکو اپنے مانند جانتا ہے۔ اُسکے باطن کی خرابی اُسکے ظاہر میں اثر کرتی ہے
مومن کا دل پاک طینت اور تمام علایق سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ وہ گمان بد کسی پر نہیں کرتا
ہاں کوزے سے وہی طراوت باہر آتی ہے جو اُسمیں ہے۔ مطلب یہہ ہے کہ گمان بد آدمیوں پر کرنا
علامت خباثت نفس ہے۔ شارع نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ سوائے خداوند عالم علام الغیوب
کے کوئی دوسرا باطن سے آگاہ نہیں۔ اور کسیکے دل کو دوسرے کے دل سے راہ نہیں پس کیونکر
ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو نہ جانکر اپنی آنکھ سے مشاہدہ نکر کے اپنے کان سے نہ سنکر غیر کے
حق میں اعتقاد کرے پس آدمی کسی پر جو گمان بد کرتا ہے یہہ شیطان اُسکے دل میں ڈالتا ہے جو
ہر بدکار سے زیادہ بدکار ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ (إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ
فَتَبَيَّنُوا) اگر کوئی بدکار خبر دے تو اعتبار نکرو۔ پس صاحب ایمان کو جائز نہیں ہے

کہ شیطانِ لعین کو سچا نہ سمجھے۔ اگرچہ بعضے ذرایعِ خارجیہ سے یقین کی حد تک پہنچے۔ پس جسوقت
کسی عالم کو گھر میں کسی امیر ظالم کے دیکھیں تو شیطان گمان ڈالتا ہے کہ وہ بسبب طمع کے اُس
مقام پر گیا ہے۔ آپکو چاہیئے کہ ایسا خیال نکریں کیونکہ شاید فریاد رسی کو گیا ہو۔ اگر کسی مسلمان کے منہ سے
بوے شراب آتی ہو تو اُس پر شراب پینے کا گمان نکریں کیونکہ ممکن ہے کہ اُسنے کُلّی کی ہو یا اُسپر ڈالی
گئی ہو یا اُسکے پینے پر مجبور رہا ہو یا تجویز سے حکیم حاذق کی بطور دوا کے پیا ہو۔ حاصلِ کلام افعال
و اموالِ مسلمین پر بغیر شہادت دو گواہِ عادل کے حکم نکرنا چاہیئے۔ اگر کوئی عادل کسی مسلم کی بدی
کی شہادت دے تو توقف کرنا ضرور ہے۔ نہ تکذیب اُس عادل کی کیجائے کہ دروغ گوئی تہمت فحش
یا عداوت یا حسد کا اُس پر گمان ہو۔ نہ اُسکی تصدیق کریں کہ شاید اُس مسلمان پر گمانِ بد عاید ہو سکے
چنانچہ خیال ہو سکتا ہے کہ اُس عادل نے سہو کیا ہو یا اُسپر مشتبہ ہوا ہو۔

واضح ہو کہ گمانِ بد کرنے سے مراد جو شرعاً مذموم ہے جسکی نسبت منع کیا گیا ہے یہہ ہے کہ اپنے دل میں
اُسکا خیال کرے اور اپنے نفس کو اُسکی طرف مائل کرے اور بدی کی طرف رجحان ہو یا اُسکا اظہار
کرے لیکن مجرد دلمیں گذرنیکے یا بغیر ترجیح کے کوئی شک ہو تو گمانِ بد نہیں ہے۔ گمانِ بد اور دلمیں
صرف گذرنے کا امتیاز یہہ ہے کہ جس کا تصور کیا گیا ہے آپ کے دل میں کوئی تغیر اُس شخص کی نسبت
واقع ہو مثلاً کوئی کراہت یا نفرت اس وجہ سے آپکو حاصل ہوئی یا آپکی خواہش اُس سے کم ہوئی ہو
یا آپکی رفتار میں اُس سے بہ نسبت سابق کے کوئی فرق ہوا جس پر گمانِ بد کیا ہے اُسکا دور کرنا لازم ہے
اگر کچھہ بھی فرق واقع نہوا ہو صرف دل میں گذرا ہو تو اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گمانِ بد سببِ ہلاکتِ ابدیہ ہے اسیوجہ سے شارع نے منع فرمایا ہے کہ جو امور باعثِ تہمت
ہوتے ہیں اور اُنکے سبب سے دوسرے بدگمان ہوتے ہیں اُنسے پرہیز کیا جائے جیسا کہ حضرت رسول صلعم
نے فرمایا ہے کہ (اِتَّقُوا مَوَاقِعَ التُّهَم) یعنے مقامِ بدگمانی سے پرہیز کرو حضرت امیر المومنین

علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے کو مقامِ ملامت میں ڈالتا ہے۔ اگر کوئی اُس سے بدگمان ہو تو وہ اُسکو ملامت نہیں کر سکتا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ صفیہ بنت حی بن اخطب حرمِ محترم حضرتِ رسولؐ نے حکایت کی کہ ایک وقت حضرتِ رسولؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں اُس جناب کے دیکھنے کو گئی اور سرِ شام اپنے گھر کو واپس ہو رہی تھی وہ جناب بھی تھوڑی دور کے فاصلہ پر میرے ہمراہ تشریف لاتے تھے اور تکلم کرتے تھے اُسوقت ایک انصاری اُسطرف سے گذرے تو حضرت نے اُنکو آواز دی اور فرمایا کہ یہہ میری عورت صفیہ ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ اِس اظہار کا کیا موقع تھا کہ میں نے آپ سے بدگمانی نہیں کی حضرت نے فرمایا چونکہ شیطان انسان کے رگ و خون میں موجود ہے کہیں ایسا نہو کہ تمھاری بدگمانی باعث ہلاکت ہو۔ یہہ فعل و ارشاد حضرت پیغمبرؐ کا امتؐ کے لئے ہے ایک یہہ کہ گمانِ بد سے نہایت پرہیز کرے۔ دوسرے یہہ کہ کوئی شخص اگرچہ کہ وہ مثل پیغمبر کے ہو اپنے کو مقام تہمت سے دور رکھے۔ اگر کوئی تمام عالم میں بہتری و دیانت میں پرہیزگار مشہور ہو تو بھی مغرور نہو کہ کوئی مجھپر گمانِ بد نہیں کرتا اور اِسوجہ سے مقامِ تہمت سے اپنی حفاظت نکرے کیونکہ جو کوئی زیادہ تر متقی و پرہیزگار و عالم ہو تمام اشخاص اُسکو ایک نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ ظاہر و باطن کو جانتے ہیں۔ اور تمام افعال کو بہتر سمجھتے ہیں اور بعض ایسے اشخاص ہیں کہ اُسکے عیب تلاش کرتے ہیں اور اُسپر اعتقاد نہیں رکھتے۔ یہہ لوگ بالضرور کوئی نہ کوئی تہمت اُسپر کرتے ہیں۔ دوستی کی آنکھ ہر ایک عیب کو پوشیدہ کرتی ہے لیکن عداوت و دشمنی کی آنکھ بدی کو ظاہر کرتی ہے۔ ہر دشمن دشمنی کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور بہتری کو پوشیدہ کرتا ہے اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے بالضرور دوسروں پر گمانِ بد کرتا ہے اُنکو اپنے مانند سمجھتا ہے اور رسوا کرتا ہے اُسکے عیبوں کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے کہ آدمی اُسکی عزت اور اُسکی تعریف نکریں۔ پس ہر مومن کو لازم ہے کہ اپنے کو

مقامِ تہمت سے دور رکھے کہ بندگانِ خدا اگمانِ بد اسپر نکریں اور گنہگار نہوں ورنہ یہہ شخص بھی انکے گناہ میں شریک ہوگا کیونکہ جو شخص دوسرے کے گناہ کا سبب ہوتا ہے وہ بھی اُسکے گناہ میں شریک ہے اسیوجہ سے خداوندِ عالم نے فرمایا ہے کہ اُن اشخاص کو جو سوائے خدا کے دوسرے کی پرستش کرتے ہیں انکو دشنام ندو ورنہ وہ خدا کو دشنام دینگے حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ جو کوئی دوسرے کے ماں باپ کو دشنام دے اور وہ دوسرا بھی اُسکے ماں باپ کو دشنام دے تو گویا اُسنے خود اپنے ماں باپ کو دشنام دیا ہے۔ خدا و خلق کی بدگمانی کا طریقۂ معالجہ یہہ ہے کہ اُسکی خرابی جو بیان ہوگئی اور اُسکی ضد گمانِ نیک کی جو شرافت ہے اُسکو ملاحظہ کرے جسوقت کسی کی طرف سے گمانِ بد آپکے دل میں گذرے تو اُسپر اعتنا نکریں اپنے دل کو اُس سے برا نگیں اپنی رفتار کو نہ بدلیں تعظیم و تکریم جسطرح ہمیشہ کرتے ہیں اُسمیں کمی نکریں۔ بلکہ بہتر یہہ ہے کہ تعظیم و دوستی اُس سے بڑہائیں۔ خلوت میں اُسکی نسبت دعا کریں کہ اِس سبب سے شیطان کو غیض آئے اور خوف سے زیادتی احترام و دعا کے دوسرے وقت گمانِ بد آپ کے دل میں نہ ڈالے اگر کوئی خطا و لغزش اُس سے معلوم ہو تو خلوت میں اُسکو نصیحت کریں ابتدا میں اُسکی غیبت و بدگوئی نکریں۔ اُسکی خطا سے اسطرح محزون ہونا چاہئے جیسا کہ اپنی خطا پر محزون ہوتے ہیں آپ کی غرض اُسکو نصیحت کرنے سے یہہ ہو کہ وہ ہلاکت سے خلاصی پائے جب آپ اس طریقہ کو اختیار کرینگے تو تین قسم کے ثواب آپکو حاصل ہونگے (۱) دوسرونکی خطا پر غمگین ہونیکا (۲) نصیحت کرنے کا (۳) اُسکی نجات کا۔

فصل (۱) خدا و خلق سے گمانِ نیک رکھنیکی شرافت

واضح ہو کہ بدگمانی کی ضد گمانِ نیک ہے۔ اُسکے فوائد بہت ہیں۔ گمانِ نیک خدا سے رکھنے کی فضیلت جو اِسکے قبل مذکور ہوئی کہ وہ باعثِ نجات ہے عبادت کرنے میں اس سے مسرت ہوتی ہے اور محبتِ الٰہی کا مقامِ اعلیٰ اس سے میسر ہوتا ہے لہذا ہر شخص پر لازم ہے کہ خدا کو ماں باپ سے ہزار مرتبہ زیادہ اپنے پر مہربان سمجھے۔ ایسا ہی لازم ہے کہ کسی

مسلمان پر کسیطرح کا گمانِ بد نکرے اُسکے اقوال و افعال کو بدی پر محمول نکرے۔ بلکہ جو عمل جس کسی سے دیکھے اور جو بات جس کسی سے سُنے تو اُسپر بہتری کا خیال کرے اُسکی تکذیب نکرے اگر اُسکے دل میں گمانِ بد گزرے تو اپنے کو خطا کار سمجھے اور اسی پر قایم رہے جب اسطرح چند روز گزریں تو اس صفت کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اُسکے دل سے بدگمانی مرتفع ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی کی نسبت گمانِ بد کیا جائے کہ اُس گمان کے سچا ہونیکی حالت میں کوئی ضرر دینی یا دنیوی لاحق ہوگا تو لازم ہے کہ حزم و احتیاط سے کام لیں اور اپنے اُمور دین و دنیا کو اُس پر نچھوڑیں تاکہ ضرر و نقصان سے محفوظ رہیں۔

نویں صفت اسباب غضب

واضح ہو کہ غضب وہ حالتِ نفسانیہ ہے جو غلبہ و انتقام کے لئے اندر سے باہر کی طرف باعثِ حرکتِ حیوانی ہوتی ہے جب اُسکی زیادتی ہو تو وہ زیادتی باعثِ حرکتِ شدید ہوتی ہے جس سے حرارتِ مفرط پیدا ہوتی ہے اور اُسی حرارت کے باعث سیاہ دھواں اُٹھتا ہے جو دماغ اور رگوں پر چھا جاتا ہے اور عقل کی روشنی کو پوشیدہ اور قوۂ عاقلہ کے اثر کو ضعیف کرتا ہے اسی وجہ سے غصہ والے کو کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ وعظ و نصیحت سے اُسکی سختی و شدت و حرکت قوۂ غضبیہ زیادہ ہوتی ہے یا بسبب یا کسی ایسے امر کے دفعیہ کے لئے جو ابھی وقوع میں نہیں آیا ہے بلکہ واقع ہونیکا احتمال ہے شعلۂ غضب جوش میں آتا ہے یا بسبب ایسے امر کے ہو جو واقع ہوا ہو تو یہہ حرکت انتقام کے لئے ہوتی ہے اگر انتقام ممکن ہو اور اُسپر قدرت رکھتا ہو تو غصہ کی حالت میں خون باطن سے ظاہر کی طرف میل کرتا ہے اور رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور اگر انتقام لینا ممکن نہو اور مایوس ہو تو خون باطن کی طرف میل کرتا ہے اسوجہ سے رنگ آدمی کا زرد ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ غصہ والے آدمی تین قسم پر ہیں۔ بعض کو غصہ کی اسقدر

زیادتی ہوتی ہے کہ اُنکو کوئی فکر و ہوش باقی نہیں رہتا یہانتک کہ عقل و شرع کے حکم سے باہر ہوجاتے ہیں بعض کو بالکل غصہ نہیں ہوتا جس جگہہ عقلاً و شرعاً غضب کرنا لازم ہے وہاں بھی بالکل غصہ نہیں ہوتا۔ بعض کا غصہ حدِ اعتدال پر ہوتا ہے کہ اُن کا غضب موقع پر اور اُنکی سختی بجا ہوتی ہے۔ غصہ کی حالت میں شرع و عقل کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ یہہ حدِ اعتدال مرغوب و مطلوب ہے۔ یہہ حقیقت میں غضب نہیں ہے بلکہ شجاعت و قوتِ نفس ہے اور کمیِ غضب اگرچہ غضب نہیں ہے لیکن وہ قبیح ہے اور نتیجہ بُزدلی و خواری ہے بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ غضب حدِ اعتدال پر ہونے سے صاحبِ تدبیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کسیکو غصہ نہیں ہوتا وہ بیغیرت ہے اور صاحبِ حمیّت نہیں ہے۔ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ جو شخص غضب کیوقت غضب میں نہیں آتا وہ گدہا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر دنیا کے واسطے ہرگز غضب میں نہیں آتے تھے لیکن جسوقت حق کے لئے غضبناک ہوتے تھے کسیکو نہیں پہچانتے تھے حضرت کا غضب دور نہیں ہوتا تھا جبتک کہ حق کی یاری نہیں کرتے تھے بہرحال بیانِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ غضبِ مذموم وہ ہے کہ حد سے زیادہ ہو کیونکہ اُس کا اعتدال ممدوح ہے اور اُسکی کمی غضب نہیں ہے اگرچہ وہ صفتِ خبیثہ ہے۔

فصل (۱) **مذمتِ زیادتیِ غضب**

واضح ہو کہ زیادتیِ غضب مہلکۂ عظیمہ و آفتِ جسیمہ ہے اور اکثر اوقات غضب باعثِ ہلاکت و شقاوتِ ابدیہ ہوتا ہے۔ مثل قتلِ نفس یا قطعِ عضو کے۔ اسیوجہ سے کہتے ہیں کہ غضب جنون ہے اور اکثر اوقات زیادتیِ غضب باعثِ مرگِ مفاجات ہوتی ہے۔ بعض حکما نے کہا ہے کہ وہ کشتی جو گرداب میں ہو بڑی بڑی موجیں اُسکو اطراف سے گھیری ہوں۔ ہوائے سخت اُسکو ہر طرف پھینکتی ہو۔ اُسکی خلاصی و نجات آسان ہے بہ نسبت اُسکے کہ جسکا شعلۂ غضب تیز ہوا۔ اخبار و آثار خصوص غضب کی مذمت میں بحد وارد ہوئے

ہیں حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ غضب ایمان کو اسطرح فاسد کرتا ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ایک شعلہ شیطانی ہے جو فرزند آدم کے باطن میں ہے جب کوئی شخص غضبناک ہوتا ہے تو اسکی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اسمیں داخل ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غضب ہر بدی کی کنجی ہے۔ پھر انھیں حضرت سے مروی ہے کہ غضب عقلمند کے دل کو ہلاک کرتا ہے جو کوئی اپنے غصہ کا مالک نہیں ہے وہ اپنی عقل کا بھی مالک نہیں ہے۔ واضح ہو کہ غضب علاوہ اسکے کہ صفات مہلکہ و اوصاف خبیثہ میں سے ہے اس پر چند لوازم و آثار بھی مترتب ہوتے ہیں جو تمام مہلک و قبیح ہیں۔ مثلاً دشنام فحش اظہار بدی و شماتت و اظہار راز و عیوب مسلمانان و مسخرگی سوائے ان کے دوسرے امور جو عقلمند سے صادر نہیں ہوتے نیز لوازم غضب سے یہ ہے کہ غضب کے دور ہونے کے بعد آدمی نادم و پشیمان افسردہ خاطر و غمناک و شکستہ دل ہوتا ہے۔ دوستوں کی دشمنی دشمنوں کی شماتت و خوشی رذائل و اوباش کی مسخرگی و غمگینی دل و تغیر مزاج کا سبب ہوتا ہے تعجب یہ ہے کہ بعض ایسا خیال کرتے ہیں کہ زیادتی غضب جوانمردی ہے باوجود اسکے جو افعال غصہ والے سے ظاہر ہوتے ہیں وہ افعال بچے اور دیوانوں کے ہوتے ہیں ایسے افعال عقلمند اور جوانمردوں کے نہیں ہوتے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ جسکو غضب زیادہ ہو حرکات خراب و افعال ناشائستہ دشنام و بیہودہ گوئی اور ہلکی باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ ماہ و خورشید و ابر و باد و باران وغیرہ کو دشنام دیتا ہے۔ اپنی اشیا کو توڑتا ہے جب کسی جگہ دسترس نہو تو اپنے جامہ کو پھاڑتا ہے۔ اپنے سر و صورت پر مارتا ہے۔ اپنے ماں باپ کو دشنام دیتا ہے کبھی مانند مستوں اور مدہوشوں کے ہر طرف دوڑتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر جاتا ہے

کیونکہ ایسے افعال جوانمردی کی علامت ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبرِ خدا نے فرمایا کہ شجاع وہ شخص ہے جو کوئی حالتِ غضب میں اپنے کو سنبھالے۔

فصل (۲) معالجۂ غضب

خرابیِ غضب کا علاج چند چیز پر موقوف ہے پہلا یہ کہ وہ اسباب جن سے ہیجانِ غضب ہوتا ہے اُنکے زائل کرنے میں کوشش کرے مثلًا فخر۔ کبر۔ عجب۔ غرور۔ استہزا۔ حرص۔ دشمنی۔ حبِّ جاہ و مال۔ یہہ تمام اخلاقِ ردّیہ و صفاتِ مہلکہ ہیں۔ اِن کے موجود رہنے پر غضب سے خلاصی ممکن نہیں ہے۔ پس ابتداءً انکو زائل کیجئے تاکہ غضب کا زائل کرنا سہل و آسان ہو۔

دوسرا۔ اُن اخبار و آثار کو ملاحظہ کیجئے جو مذمت میں غضب کے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا تیسرا وہ اخبار و حدیث جو مدح و ثواب میں غضب نکرنے کے وارد ہوئے ہیں۔ اور اُن کے فوائد کو نظر میں رکھے جیسا کہ حضرت پیغمبر سے مروی ہے کہ جو شخص آدمیوں پر غصّہ نکرے خدا روزِ قیامت عذاب اُسپر نکریگا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ توریت میں حضرتِ موسیٰؑ پر جو احکام نازل ہوئے اُنکے منجملہ یہہ بھی کلمہ تھا کہ اُپنے غصّہ کو سنبھالو میں نے تمکو صاحب اختیار کیا ہے۔ تاکہ میں بھی اپنا غضب تم پر نکروں۔ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے پیغمبروں پر خدا نے وحی بھیجی کہ اے فرزندِ آدم جسوقت تو غصّہ میں آئے تو مجھکو یاد کر تاکہ میں بھی تجھکو غصّہ کے وقت یاد کروں اور تجھکو ہلاک نکروں پھر اُنھیں حضرت سے مروی ہے کہ ایک مردِ صحرانشین نے خدمتِ حضرتِ پیغمبر میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں جنگل میں بیٹھتا ہوں مجھکو کوئی ایسی بات تعلیم کیجئے جو دنیا و آخرت میں کام دینے والی ہو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہرگز غضب نکرنا تین مرتبہ اُس اعرابی نے اسیطرح عرض کیا تو حضرت نے یہی جواب فرمایا۔ اُنھیں بزرگوار سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے غضب کو روکتا ہے خدا اُسکے عیوب کو ہر کسی سے پوشیدہ کرتا ہے۔ اس خصوص

ہیں اخبار بیحد و نہایت ہیں۔
چوتھا۔ ضدِ غضب جو حلم ہے اُسکے فوائد کو اور جو مدح اس خصوص میں وارد ہوئی ہے اُسکو ملاحظہ کیجئے پس اپنے کو اُسیطرح بنانے میں کوشش کیجئے اور حلم و بردباری کو اپنا شعار قرار دیجئے غصہ کو ظاہر نکیجئے اگرچہ دل میں غصہ ہو۔ اگر کوئی شخص تھوڑی مدت اسطرح کرے تو بتدریج عادت ہوتی ہے اور اُسکو حسنِ خلق حاصل ہوتا ہے۔
پانچواں۔ جو قول و فعل آپ سے ظاہر ہوا ابتدا اُسمیں فکر کیجئے آثارِ غضب کے صادر ہونیسے اپنی حفاظت کیجئے۔
چھٹا۔ جو لوگ صاحبِ غضب ہیں اور حلم نہیں رکھتے ہمیشہ انتقام کے درپے رہتے ہیں اسی کو مردی و شجاعت جانتے ہیں کسیکی سختی کے متحمل نہیں ہوتے اور صبر نہیں کرتے اُنکی مصاحبت سے پرہیز کیجئے بلکہ صاحبِ حلم و وقار کی صحبت کو اختیار کیجئے۔
ساتواں۔ تامل کیجئے اور جانئے کہ جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے بحکمِ قضا و قدرِ الٰہی ہے تمام موجودات اُسکے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جو کچھ بندے کے لئے خدا نے مقدر کیا ہے اُسمیں بالضرور خیر و صلاح ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ اُسکی مصلحت گرسنگی و بیماری یا فقر و احتیاج یا ذلت و خواری یا قتل میں ہے۔ جاننا چاہئے کہ دوسرے پر غضب کرنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا کیونکہ ہر ایک امر بجانبِ پروردگار ہے جو نیکی ہی نیکی چاہتا ہے۔
آٹھواں۔ بیماریِ دل و نقصانِ عقل سے غضب وقوع میں آتا ہے جو باعثِ ضعفِ نفس ہے شجاعت و قوتِ نفس نہیں ہے۔ اسیوجہ سے دیوانہ بہ نسبت عقلمند کے اور مریض بہ نسبت تندرست کے اور بوڑھے ضعیف المزاج بہ نسبت جوانانِ صحیح المزاج کے اور بداخلاق بہ نسبت صاحبانِ نیک اخلاق کے بہت جلد غصہ میں آتے ہیں جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ مذیل ایک

لقمہ ہے اور بخیل ایک پیسہ کے نقصان سے غضب میں آتے ہیں لیکن صاحب نفس تو یہ کا رتبہ اُنسے بہت بلند ہے۔ اگر کوئی شک ہو تو آدمیوں کے صفات و اخلاق میں نظر کیجئے کتب سیر و تواریخ کو دیکھئے کہ حلم و بردباری اور غصہ کے وقت اپنے کو سنبھالنا انبیا و اولیا و عقلا و حکما و بادشاہان ذوالاقتدار کا طریقہ ہے اور رذیل و اوباش و نادان و جہال جلد غصہ میں آتے ہیں۔

نواں جس شخص پر انسان غصہ کرتا ہے تو اُسے غور کرنا چاہئے کہ اس ضعیف و ناتوان پر جو قدرت اُسے حاصل ہے اُس سے بہت زیادہ خداوند قہار کا اُس پر تسلط ہے اور جسطرح یہہ ضعیف اُسکی قدرت کے ماتحت ہے اُس سے بہت بڑھکر یہہ قدرت خداوندی کے سامنے حقیر و ناتوان ہے پس حالت غضب میں اتنا خیال کر لینا چاہئے کہ خداوند قہار کہیں اسیطرح اپنا غضب جاری نکرے۔ بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اُسکے پاس ایک حکیم دانشمند رہتا تھا جسکے پاس ایک کتاب ہوتی تھی جسمیں لکھا تھا کہ زیردستوں پر رحم کرو؟ موت سے ڈرو؟ اور روز جزا کو نہ بھولو؟ جسوقت بادشاہ غضبناک ہوتا تو وہ حکیم اُس کتاب کو بتلاتا اُسکا غضب دور ہوتا۔

دسواں خیال کرے کہ اگر زمانہ اُس ضعیف کی جسپر آپ غضب کرتے ہیں موافقت کرے اور اُسکے سب کام راست آئیں اور آپکا وہ بالادست ہو جائے تو وہ انتقام لیگا۔

گیارہواں یہہ کہ حلیم و بردبار غالب و قاہر اور تمام کی نظر میں عزیز و محترم ہوتا ہے اور صاحب غضب ہمیشہ پریشاں حال و مغلوب اور ہر ایک نظر میں بے وقعت رہتا ہے۔

بارہواں یہہ کہ تصور کیجئے کہ غصہ کے وقت آپکی کس قسم کی بُری صورت اور آپکے اعضا کسطرح متحرک و مضطرب اور آپ کے افعال کسقدر بدنما ہونگے اور آپکی گفتگو کسقدر بیجا ہوتی ہے۔ منجملہ معالجات غضب کے ایک یہہ ہے کہ زیادتی غصہ کے وقت آدمی شر شیطان سے پناہ لیجائے اور (اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم) کہے اگر کھڑا ہو تو

بلاشبہ جاتا رہے اگر بیٹھا ہو تو پہلو کے بل لیٹ جائے آب سرد سے وضو کرنا اور غسل کرنا غصہ کی حالت میں مفید ہے اس سے غصہ فرو ہوتا ہے ایسا ہی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کسی ایسے شخص پر غصہ آئے جس سے قرابت رحم رکھتا ہو تو اسکے بدن پر ہاتھ رکھنے سے غصہ فرو ہوتا ہے

فصل (۳) حلم اور غصہ کے پینے کی ترغیب

واضح ہو کہ ضد غضب حلم ہے اور حلم عبارت ہے اطمینان نفس سے کہ قوۂ غضب بآسانی اسے حرکت میں نہ لا سکے اور مکروہات دنیا جلدی سے اسکو مضطرب نکریں کظم غیظ یعنے غصہ کو پینا اور حالت غیظ میں اپنے کو نگاہ رکھنا اگرچہ حلم نہیں ہے لیکن یہہ بھی ضد غضب ہے جس سے اثر غضب کا ظاہر نہیں ہوتا پس یہہ دو صفت نیک غضب کی ضد ہیں یہہ دونو اخلاق حسنہ و صفات فاضلہ ہیں لیکن صفت حلم بعد صفت علم کے اشرف کمالات نفسانیہ ہے بلکہ علم بغیر حلم کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے اسیوجہ سے جسوقت تعریف علم کیجاتی ہے حلم کا بھی ذکر کیا جاتا ہے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ خداوندا مجھکو علم سے بے نیاز کر اور صفت حلم سے مجھکو زینت دے۔ پھر انھیں حضرت نے فرمایا کہ پانچ چیزیں طریقۂ پیغمبران مرسل ہیں۔ اُنکے منجملہ ایک صفت حلم ہے۔ پھر فرمایا کہ مرتبہ بلند کو طلب کرو عرض کیا گیا کہ کس چیز سے حاصل ہوتا ہے فرمایا کہ جو کوئی تیری دوستی کو قطع کرے تو اُسکے ساتھ دوستی کر۔ جو کوئی اپنی نیکی سے تجھے محروم کرے تو اُسکے ساتھ نیکی و احسان کر۔ جو کوئی تیرے ساتھ طریقۂ نادانی اختیار کرے تو حلم سے پیش آ۔ بندۂ مسلمان حلم کے ذریعہ سے اُس شخص کے مرتبہ پر پہنچتا ہے جس نے دن کو روزہ اور رات کو عبادت میں بسر کی ہو اور فرمایا کہ خدا حلیم کو دوست رکھتا ہے اور فحش کہنے والے کو دشمن۔ فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو کوئی ان میں سے کوئی چیز نہ رکھتا ہو اُس کا کوئی عمل فائدہ نہیں بخشتا۔ ایک تقویٰ جو گناہوں سے باز رکھے۔ دوسرا حلم جو نادانوں کی زبان درازی سے بچائے

تیسرا خلق نیک جس کے ساتھ لوگوں میں زندگانی بسر کرے۔ انھیں جناب سے مروی ہے کہ جب قیامت میں خلائق جمع ہوگی تو ندا کیجائیگی کہ اہلِ فضل کہاں ہیں پس ایک گروہ اُٹھیگا اور بہشت کی طرف جلدی سے روانہ ہوگا ملائکہ اُن سے بہشت میں جانیکا سبب دریافت کرینگے تو وہ کہینگے کہ ہم اہلِ فضل ہیں پوچھینگے کہ کیا فضل و رعایت تم نے کیا ہے کہینگے کہ جسوقت کوئی ظلم ہمپر ہوا تو ہم نے صبر کیا جس نے ہمارے ساتھ بدی کی ہم نے اسکو عفو کیا جو کوئی ہمارے ساتھ نادانی سے پیش آیا ہم نے اُسکے ساتھ حلم اختیار کیا۔ ملائکہ کہیں گے کہ بیشک تم اہلِ فضل ہو بہشت میں داخل ہو جاؤ پھر انھیں حضرت نے فرمایا کہ کسیکو خدا نے جہل و نادانی کے سبب سے ہرگز عزیز نہیں کیا اور کسی کو حلم و بردباری کے سبب سے ذلیل نہیں کیا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کسیکی خیر و خوبی مال و اولاد کی زیادتی سے نہیں ہے بلکہ زیادتی عمل و علم کی وجہ سے خیر و خوبی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ علم ہر شخص کا ناصر و یاور ہے اگر علم نہیں رکھتا ہے تو حلم اختیار کرے۔ انھیں حضرت نے فرمایا کہ جب دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا واقع ہو تو فرشتے نازل ہوتے ہیں جو کوئی بیوقوفی و نادانی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ جو کچھ تو نے دوسروں کی نسبت کہا خود اُسی کا سزاوار ہے اور تجھکو اُس کا عوض ملیگا اور اگر اُنمیں سے ایک نے حلم اختیار کیا تو کہتے ہیں کہ تو نے حلم اختیار کیا اور صبر کیا تجھکو خدا جلد بخشیگا۔ ایکروز انھیں حضرت نے ایک غلام کو کسی کام کے لئے روانہ فرمایا اُس غلام نے دیر کی تو اُسکے عقب میں حضرت خود روانہ ہوئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کسی مقام پر سو گیا ہے حضرت نے اُسکے سرہانے تشریف فرما ہو کر اُسکو بیدار کیا جب وہ بیدار ہوا تو فرمایا کہ اے غلام خدا کی قسم ہے کہ اسقدر تو اختیار نہیں رکھتا ہے کہ رات دن سوئے رات تیری ہے اور دن میرا ہے

اب رہا (کظم غیظ) یعنے غصہ کا پینا اگرچہ اُسکی فضیلت و شرافت بقدر حلم کے نہیں ہے
لیکن جب کوئی شخص اُسکی عادت کرنا چاہے تو عادت ہوجاتی ہے اور اُسکو صفتِ حلم حاصل
ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ علم تعلیم سے اور حلم تحمل یعنے غیظ کو پینے
سے حاصل ہوتا ہے۔ خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں جو لوگ اپنے غیظ کو پیتے ہیں اُنکی مدح فرمائی
ہے اُسکی بزرگی میں احادیث وارد ہیں اور اُسکے اجر و ثواب بے انتہا ہیں۔ جناب پیغمبرؐ سے
مروی ہے کہ کوئی اپنے غصہ کو پئے تو خدا قیامت میں اُسکا دل خوشنودی و رضا سے بھر دیگا
انھیں حضرت نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ ایسا گھونٹ سوائے غیظ کے نہیں پیتا ہے کہ جسکا اجر
زیادہ ہو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بندہ اپنے غصہ کو برداشت نہیں
کرتا مگر یہ کہ خدا دنیا و آخرت میں اُسکی عزت کو زیادہ کرتا ہے۔ مروی ہے کہ جس نے تیرے
حق میں خدا کی معصیت کی ہو تو اُسکی مکافات اس سے بڑھکر کوئی نہیں ہے کہ تو اُس کے
حق میں خدا کی اطاعت بجالائے۔

دسویں صفت انتقام کی مذمت

واضح ہو کہ انتقام لینا یعنے جو کوئی کسیکے ساتھ بدی کرے تو وہ اُسکے مانند یا اُس سے بڑھکر
بدی کرنے پر آمادہ ہو۔ اگرچہ وہ شرعاً حرام ہو مثلاً غیبت کا غیبت سے فحش کا فحش سے بہتان
کا بہتان سے علی ہذا دیگر افعالِ محرمہ کا ایسے ہی افعال سے بدلا لینا شرعاً حرام ہے۔ اور کوئی
شک اسکی حرمت میں نہیں ہے۔ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر کوئی تجھکو اُس بدی کے سبب سے
سرزنش کرے جو تجھ میں موجود ہے تو تو اُسکو اُس عیب کے سبب سے سرزنش نکر جو اُس میں ہے
فرمایا کہ جب دو آدمی ایک دوسرے کو دشنام دیں تو گویا دو شیطان ہیں کہ ایکدوسرے کو نوچتے
ہیں ایکروز مجلسِ رسول میں ایک شخص نے کسی صحابی کو دشنام دی۔ دوسرے نے تھوڑی دیر

ساکت رہکر اُسکے عوض میں دشنام دینا شروع کیا حضرت اُٹھے اور فرمایا کہ جسوقت تو ساکت
تھا فرشتہ تیری طرف سے جواب دیتا تھا جب خود تو نے دشنام دینا شروع کیا تو فرشتہ
چلا گیا شیطان آگیا اور جس مجلس میں شیطان ہویں وہاں نہیں بیٹھتا لہذا مرد دیندار کو
لازم ہے کہ جسوقت کسی سے کوئی ظلم صادر ہو اگر از روے شرع اُسکی جزا و انتقام مقرر ہو
تو اُسپر اکتفا کرے اُسپر سختی نکرے اور بہتر یہہ ہے کہ اُس سے چشم پوشی کرے اُسکو عفو کرے
اگر شرعاً کوئی جزا معین نہو تو دائرۂ شرع سے قدم باہر نہ رکھے۔ اگر کوئی بات جواب میں کہنا
چاہے تو ایسی بات کہے جو حرام نہو اور جسمیں شرعاً کوئی مکافات نہو۔ مثلاً اے بیحیا۔ اے بدخلق
اے بے آبرو۔ اے بے شرم بشرطیکہ اُسمیں یہہ صفات ہوں۔ یا کہے کہ خدا تجھکو بدلا دے
یا خدا تجھہ سے انتقام لے یا تو کون ہے کہ تیرا جواب دوں۔ یا اے جاہل۔ یا اے احمق کیونکہ
یہہ دروغ نہیں ہے اور کوئی شخص جہل و حمق سے خالی نہیں جیسا کہ مروی ہے کہ تمام
آدمی ذاتِ خدا کے پہچاننے میں احمق ہیں اور بہتر یہہ ہے کہ زبان پر ایسے الفاظ بھی جاری
نکرے اور اُسکو رب الارباب کے حوالے کر دے کیونکہ جواب کے وقت اپنے کو نگاہ رکھنا
مشکل ہے۔ اور اکثر آدمی غصہ کی حالت میں ضبط کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر کسی مقام پر جواب
ندیا جائے تو بیغیرتی و بیحمیتی سمجھتے ہیں پس از روی شرع حلم و حوصلہ سے مکافات کرے
حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ بنی آدم کئی قسم کے ہیں۔ بعضے دیر میں غصہ میں آتے ہیں اُنکا
غصہ جلدی دور ہوتا ہے۔ بعضے جلد غصہ میں آتے ہیں اُنکا غصہ جلد فرو ہوتا ہے۔ بعضے جلد
غصہ میں آتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے۔ بعض دیر میں غصہ کرتے ہیں اور دیر میں خوشنود
ہوتے ہیں۔ انمیں وہ اشخاص بہتر ہیں جو دیر میں غضبناک ہوتے ہیں اور جلد خوشنود ہوتے
ہیں۔ اور بدتر وہ ہیں جو جلدی غضب میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ

کہ ترکِ انتقام کا علاج یہہ ہے کہ اُسکے نتیجہ کی بُرائی پر تامل کرے اگر انتقام کو پروردگار پر چھوڑ جائے تو بالضرور منتقم حقیقی اُس سے بدلا لیگا جیسا کہ مکرر مشاہدہ کیا گیا ہے اخبار و آیات اسپر دلالت کرتے ہیں علاوہ اِسکے اگر اُسمیں جس نے بدی کی ہے کسیقدر انسانیت ہے تو سکوت و مکافات نکرنے سے اُسکو زیادہ تنبیہہ و تادیب ہوتی ہے اور اُسکے الم و شرمساری و خجالت کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اگر انسانیت سے بے نصیب ہے تو بدلا لینا بھی اُسکو کچھہ اثر پذیر نہوگا بلکہ اُسکی حالت میں کوئی تبدیلی نہوگی بجز اُسکے مقابلہ و برابری سے اپنی بیوقعتی ہوگی نیز فوائدِ عفو پر غور کرنا چاہئے جو ضدِّ انتقام ہے جب مکرّر اسطرح کیا جائے تو اُسکو ملکہ و عادت ہوجاتی ہے

فصل (۱) **فضیلت عفو و بخشش۔** واضح ہو کہ انتقام کی ضد عفو و بخشش ہے آیات و اخبار اسکی تعریف میں بیحدّ و حصر ہیں۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ) یعنے طریقۂ عفو و بخشش کو نگاہ رکھو اور امر بالمعروف میں مصروف رہو پھر فرماتا ہے (فَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا) یعنے عفو کرنا چاہئے۔ نیز فرمایا ہے کہ (وَاَنْ تَعْفُوا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى) اگر عفو کریں تو تقوی و پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہوتے ہیں حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم ہے جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تین چیزوں کے لئے قسم کھا سکتا ہوں (۱) یہہ کہ صدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا (۲) یہہ کہ جس کسی پر ظلم ہوا اور وہ عفو کرے تو خدا اُسکی عزت روزِ قیامت زیادہ کرتا ہے (۳) کوئی ایسا نہیں ہے کہ سوال کرے اور اُسپر فقر و احتیاج کا دروازہ نہ کھولا جائے۔ نیز انھیں حضرت سے مروی ہے کہ عفو عزت کو زیادہ کرتی ہے پس عفو کرو کہ خدا تمکو عزیز رکھے۔ اُس جناب نے عقبہ سے فرمایا تو چاہتا ہے کہ اہلِ دنیا و آخرت کے افضل اخلاق سے تجھے خبر دوں۔ وہ یہہ کہ اُس سے نزدیکی کر جو تجھہ سے دوری اختیار کرے اُسپر بخشش کر جو تجھکو محروم کرے اور اُسکو عفو کر جو تجھہ پر ظلم کرے۔ مروی ہے کہ

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار کون بندہ تیرا عزیز ہے ارشاد ہوا جو کوئی باوجود قدرت و توانائی کے عفو کرے حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ روز قیامت خدا تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کریگا منادی کی ندا ہوگی کہ کون اہل فضل ہیں پس ایک گروہ اٹھیگا تو ملائکہ انکا فضل دریافت کرینگے وہ کہینگے کہ ہم اس سے توسل کرتے تھے جو ہم سے دوری کرتا تھا اسکو عطا کرتے تھے جو ہمکو محروم کرتا تھا جو ہم پر ظلم کرتا تھا ہم اسکو عفو کرتے تھے۔ ملائکہ کہینگے کہ راست کہتے ہیں کہ یہ اہل فضل ہیں داخل بہشت ہوں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ عفو کرنیکی پشیمانی نہایت آسان ہے بہ نسبت اس پشیمانی کے جو انتقام لینے سے ہوتی ہے۔ نیز فضل و شرافت عفو کے بیان میں یہی کافی ہے کہ وہ صفات پروردگار سے ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی مناجات میں فرماتے ہیں (اَنْتَ الَّذِیْ سَمَّیْتَ نَفْسَکَ بِالْعَفُوِّ فَاعْفُ عَنِّیْ) تونے اپنا نام عفو کرنیوالا رکھا ہے پس مجھکو عفو کر۔

گیارہویں صفت سختی و درشتی کی مذمت اور رفق و مدارا کی شرافت

واضح ہو کہ افعال و اقوال میں سختی کرنا کوئی شک نہیں کہ یہ صفت خبیث آدمیوں کی نفرت کا باعث ہے جس سے زندگانی میں خلل واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے آفریدگار عالم نے بمقام مہربانی میں اپنے پیغمبر کو ارشاد فرمایا (لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ) یعنے اگر تو بدخصلت سخت دل ہوتا تو آدمی تجھ سے دوری و کنارہ کرتے۔ بعضے اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ سختی کی خصلت ایمان کو سلب کرتی ہے اور شیطان کے داخل ہونیکا سبب ہوتا ہے لہذا ہر عاقل پر واجب ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کرے جو کام یا جو بات کرنا چاہتا ہے کرے لیکن پہلے اسمیں فکر کرے کہ کوئی سختی اور بدخوئی اس سے صادر نہ ہو نرمی کی فضیلت کو یاد کرے

اور اپنے کو اُس پر قائم رکھے تا کہ ملکہ حاصل ہو۔ اِس بُری صفت کی ضد افعال و اقوال میں نرمی و
ہمواری ہے۔ یہ صفات مومنوں اور نیکوں کی ہیں اسلئے سید رسل نے فرمایا ہے کہ اگر نرمی
کوئی دکھائی دینے والی چیز ہوتی تو دیکھتے کہ کوئی مخلوق اُس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔
نیز فرمایا کہ خدا مہربان و صاحبِ رفق ہے اور اِس صفت والے کو دوست رکھتا ہے جو کچھ
رفق و نرمی سے حاصل ہوتا ہے سختی سے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اُسی بزرگوار سے مروی ہے
کہ نرمی و مہربانی مبارک ہے اور سختی منحوس ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی نرمی
رکھتا ہے اُس کا ارادہ پورا ہوتا ہے نیز اُس حضرت سے مروی ہے کہ خدا جس خاندان کو دوست
رکھتا ہے اُسکو نرمی و ہمواری عطا فرماتا ہے نیز اُس جناب سے مروی ہے کہ جسکو نرمی دیگئی
ہے اُسکو دنیا و آخرت کی نیکی عطا کیگئی ہے اور جو نرمی سے محروم ہے وہ دنیا و آخرت کی نیکی
سے محروم ہے نیز فرمایا کہ نرمی کرنیوالے پر آتشِ جہنم حرام ہے حضرت کاظم علیہ السلام نے فرمایا
کہ آدمی کا نصف عیش و زندگانی نرمی ہے تجربہ اور مکرر ملاحظہ کیا گیا ہے کہ بہت سے امور نرمی و
مدارا سے بر آتے ہیں اور ہرگز سختی و درشتی سے انجام کو نہیں پہنچتے۔ جو بادشاہ اپنے لشکر و رعیّت
پر مہربانی و نرمی کرتا ہے اُسکی بادشاہت کا انتظام درست اور اُسکی بادشاہی ہمیشہ رہتی ہے
جو کوئی بادشاہ سختی سے پیش آتا ہے اُسکی بادشاہت میں خلل اور اُسکی رعیّت پریشان رہتی ہے
تھوڑے زمانہ میں ملک و دولت اُسکی برباد ہوتی ہے۔ تمام آدمی علما و امرا و صاحبانِ معاملہ
و صنعت اُسکے ملک سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ مدارا بھی نرمی کے قریب ہے۔
اور مدارا اُسکو کہتے ہیں کہ جو کوئی تکلیف کسی سے پہنچے تو اُسپر صبر کیا جائے اور اُس سے ظاہر
نہ کیا جائے یہ صفت تمام صفات سے بڑھکر آدمی کو دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے جو اشخاص
مرتبۂ عظیم پر پہنچتے ہیں اسی صفتِ نیک سے پہنچتے ہیں۔ اسلئے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ

پروردگار نے مجھکو حکم دیا کہ آدمیوں سے مدارا کروں جسطرح مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ واجبات کو بجالاؤں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ توریت میں جو احکام خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر نازل فرمائے انمیں لکھا ہے کہ اے موسیٰ اپنے دل میں میرے اسرار کو پوشیدہ رکھو اپنے ظاہر میں انکو آشکار انکرو وہ میرے اور اپنے دشمنوں سے میری طرف سے مدارا کرو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک گروہ نے آدمیوں سے مدارا کم کیا تو انکو خاندان قریش سے علیحدہ کر دیا گیا باوجودیکہ وہ خاندانِ قریش سے تھے اور اُن کے حسب و نسب میں کوئی عیب نہ تھا وہ گروہ جو قریش سے نہ تھے اور آدمیوں سے مدارا کرتے تھے انکو خاندان قریش میں محسوب کر لیا گیا پھر فرمایا کہ جس نے اپنے ایک ہاتھہ کو نگاہ رکھا تو بہت سے ہاتھہ اُس پر بار رکھے جاتے ہیں

بارہویں صفت کج خلقی کی مذمت اور خوش خلقی کی شرافت اور اُسکی تحصیل کا طریقہ

واضح ہو کہ وہ بھی سختی و بدخوئی کے قریب ہے ظاہر ہے کہ کج خلقی کا نتیجہ سختی ہے ایسا ہی مُنہ بگڑا رہنا اور دل تنگ ہونا اور بدکلامی کرنا بھی اس کا اثر ہے۔ یہہ صفت قوۂ غضبیہ کا نتیجہ اور آدمی کو خالق و خلق اللہ سے دور کرتی ہے۔ آدمیوں کی نظر سے گراتی ہے طبیعتوں کو اُس سے نفرت ہوتی ہے کج خُلق انسان ہمیشہ رنجیدہ روزگار رہتا ہے اور وہ کسی لحظہ رنج و الم سے خالی نہیں رہتا اس لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی بدخلقی کرتا ہے وہ اپنے کو عذاب میں ڈالتا ہے اکثر ہوتا ہے کہ کج خلقی سے اُسکو نقصانِ عظیم پہنچتا ہے اور بڑے بڑے فوائد سے محروم رہتا ہے اور انجام کار یہہ صفت آدمی کو عذابِ آخرت میں ڈالتی ہے۔ مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسولؐ سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت دن کو روزے رکھتی ہے اور رات کو عبادت کرتی ہے لیکن وہ بدخُلق ہے اور کج خلقی سے ہمسایہ کو آزار پہنچاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ اہلِ جہنم سے ہے انھیں حضرت نے فرمایا کہ بندہ کو بدخلقی ساتویں طبقۂ جہنم میں پہنچاتی ہے۔ پھر انھیں

حضرت نے فرمایا کہ بدخلق کی توبہ قبول نہیں کیجاتی اسکی وجہ دریافت کیگئی تو فرمایا کہ جسوقت گناہ سے توبہ کرتا ہے تو گناہ میں زیادہ پڑتا ہے۔ اور فرمایا کہ بدخلقی وہ گناہ ہے جو بخشا نہیں جاتا۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ فاسق فاجر جو خوش خلق ہو تو میں اسکی مصاحبت و ہمنشینی کو بہ نسبت عابد کج خلق کے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ اس بری صفت کا معالجہ بھی مثل تمام صفات بد کے یہی ہے کہ اُنکے مفاسد دنیا و آخرت کا تذکرہ کرے اور سوچے کہ یہ صفت خالق و خلائق کو اُسکا دشمن کرتی ہے پس اس صفت کو اپنے سے دور کرے۔ ہر قول و فعل میں لحاظ رکھے کہ کج خلقی اُس سے صادر نہو ہمیشہ حسن خلق سے پیش آئے تاکہ ملکہ اور عادت ہو۔ جیسا کہ مذکور ہوا اِس صفت مہلکہ کی ضد حسن خلق ہے جو بزرگ ترین صفات ہے عقل و نقل اُسکی مدح و خوبی پر دلالت کرتی ہے پیغمبر خدا نے فرمایا کہ قیامت میں میزان اعمال کے پلہ میں حسن خلق سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک روز اپنے بنی اعمام سے فرمایا کہ اے فرزندان عبد المطلب اگر اسقدر قدرت نہیں رکھتے ہو کہ اپنا مال دوسروں پر خیرات کرو تو کم از کم اُنکے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آؤ۔ اور فرمایا کہ خدا نے اپنے لئے دین اسلام کو خالص کیا ہے اور سوائے سخاوت و حسن خلق کے اور کوئی چیز اِس دین کی صلاحیت نہیں رکھتی پس اِس دین کو اِن دونوں سے زینت دو۔ اُس جناب سے عرض کیا گیا کہ کس مومن کا ایمان افضل ہے فرمایا جو خوش خلق ہو پھر فرمایا کہ مجھکو زیادہ دوست رکھنے والا اور روز قیامت میں مجھ سے نزدیکی کرنیوالا خوش خلق ہے۔ پھر فرمایا کہ حسن خلق گناہوں کو اسطرح کم کرتا ہے جیسے آفتاب برف کو پگھلاتا ہے۔ اُنھیں بزرگوار سے مروی ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ کم عبادت کرنیوالا ہو اور حسن خلق کے ذریعہ سے آخرت میں درجات عظیم و بزرگی منازل پر پہنچے۔ اُنھیں حضرت نے اپنی زوجہ امّ حبیبہ سے فرمایا کہ خوش خلق دنیا و آخرت کی خوبی حاصل

کرتا ہے۔ انھیں حضرت سے مروی ہے کہ حسنِ خلق اپنے صاحب کو اس شخص کے درجہ پر پہنچاتا ہے جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت میں مشغول ہو نیز آنحضرت نے فرمایا کہ جو نیک ہے وہ خوش خلق ہوتا ہے لوگ اطراف و جوانب سے اسکے پاس جمع ہوتے ہیں اسکی مصاحبت و محبت اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرد حضرت پیغمبر صلعم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھکو کوئی وصیت کیجیے۔ حضرت نے اسکو کئی وصیتیں فرمائیں منجملہ انکے ایک یہہ بھی تھی کہ برادر مومن کے ساتھ کشادہ روئی سے ملاقات کرو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نیکی و خوش خلقی شہروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ بتحقیق خدا یتعالی بندہ کو حسنِ خلق سے اُس شخص کا ثواب عطا کرتا ہے جو صبح و شام راہِ خدا میں مشغولِ جہاد رہتا ہے نیز آنحضرت سے مروی ہے کہ آدمیوں سے نیکی و احسان اور خوش روئی کرنا باعث دوستی ہے اور داخل بہشت کرتا ہے اور بخل و ترش روئی خدا سے دور اور داخلِ جہنم کرتی ہے خوش خلقی کی صفت افضلِ صفاتِ پیغمبراں و اشرفِ اخلاقِ برگزیدگاں ہے اسیوجہ سے خداوندِ عالم نے اپنے حبیب کی نسبت بمقامِ مدح و ثنا میں فرمایا ہے (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ) یہہ صفتِ فاضلہ سرورِ پیغمبراں و سیدِ انس و جاں میں بدرجۂ کمال تھی حتی کہ وارد ہوا ہے کہ ایکروز وہ حضرت اصحاب کی جماعت کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک کنیز کسی انصار کی داخل مسجد ہوئی اور اپنے کو اُس حضرت تک پہنچایا اور پوشیدہ طور سے حضرت کا گوشۂ دامن پکڑا جب حضرت کو اطلاع ہوئی تو اپنی جگہہ سے اُٹھے اور گمان کیا کہ کوئی کام ہوگا لیکن اُس کنیز نے کچھہ نہ کہا اور حضرت نے بھی اُس سے کوئی بات نکی اپنی جگہہ پر بیٹھہ گئے پھر وہ کنیز آئی اور حضرت کا گوشۂ دامن پکڑا اور پھر حضرت اُٹھے یہانتک کہ اُس

کنیز نے تین دفعہ اسیطرح عمل کیا اور حضرت کو انکی جگہ سے اُٹھایا چوتھی دفعہ حضرت پیغمبر
اُٹھے تو کنیز نے حضرت کا گوشۂ دامن تھوڑا سا پھاڑ لیا اور روانہ ہوگئی۔ اصحاب نے کہا
کہ اے کنیز یہہ کیا عمل تھا جو تو نے کیا حضرت کو تین دفعہ اپنی جگہ سے اُٹھایا اور کوئی بات بھی
آیا تیرا مطلب کیا تھا اُسوقت کنیز نے کہا کہ گھر میں ایک شخص بیمار ہے صاحب خانہ نے
مجھکو بھیجا ہے کہ حضرت کے جامہ کا ٹکڑا لیکر آؤں اس بیمار کو وہ ٹکڑا باندھیں کہ شفا پائے
میں ہر مرتبہ چاہتی تھی کہ تھوڑا ٹکڑا اُس حضرت کے جامہ کا حاصل کروں وہ خیال فرماتے تھے
کہ مجھکو کوئی کام ہے اور میں حضرت سے تھوڑا ٹکڑا جامہ کا طلب کرنیکے لئے شرم کرتی تھی۔

تیرہویں صفت عداوت و دشمنی اور اُسکے اقسام اور معالجہ

واضح ہو کہ عداوت و دشمنی دو قسم پر ہے۔
(۱) جو کوئی کسیکی عداوت دل میں پوشیدہ رکھتا ہو اور موقع ڈھونڈھتا ہو۔
(۲) یا ظاہر اُسکی ایذا و اذیت کے درپے ہو اور اُسکی عداوت کا اظہار کرتا ہو۔ پہلی قسم کو
کینہ کہتے ہیں جو عداوت کو پوشیدہ رکھنے سے مراد لیگئی ہے اور دوسری قسم کا نام عداوت
ہے۔ یہہ بھی پہلی قسم کا نتیجہ ہے کیونکہ جب کینہ قوت پکڑتا ہے تو سخت عداوت ہوتی ہے بغیر اسکے دل
اُسکی حفاظت سے عاجز ہوتا ہے۔ اور پہلی قسم غضب کا نتیجہ ہے کیونکہ جب آدمی دوسرے پر غصہ
ہوتا ہے اور بوجہ عاجزی انتقام یا کسی دوسری مصلحت کے اپنے غصہ کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ
دل میں پوشیدہ رکھتا ہے تو اُس سے کینہ حاصل ہوتا ہے۔ یہہ دونوں قسمیں مخرب اخلاق
میں۔ اخبار سے پایا جاتا ہے کہ مومن میں کینہ نہیں ہوتا ہے اکثر اوقات دوسرے صفات
مہلکہ بھی کینہ و عداوت سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً حسد غیبت۔ دروغ۔ بہتان۔ شماتت
اظہار عیب۔ دوری۔ استہزاء ایذا سوائے انکے دوسرے آفات و اعمال محرمہ جو آدمی کے

دنیا و دین کو خراب کرتے ہیں۔ اگر بالفرض کوئی بھی اِن میں سے حاصل نہ ہو تو خود وہی بغض و عداوت ایک مرض ہے جس سے نفسِ پاک بیمار اور روح اُس سے ہمیشہ غمگین و آزار میں رہتی ہے۔ آدمی کو بساطِ قربِ الٰہی سے دور اور رفاقتِ ساکنانِ عالمِ قدس سے مہجور کرتی ہے۔ شیوۂ اہلِ ایمان و طریقۂ اہلِ احسان سے روکتی ہے۔ یہہ صفت انسان اور بارگاہ قربِ ربانی کے درمیان پردہ ہو جاتی ہے۔ اسیوجہ سے اخبار و آثار میں اسکی مذمت بیشمار وارد ہوئی ہے۔ یہانتک کہ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ کسیوقت جبرئیل میرے پاس نہیں آئے مگر یہہ کہا اے محمد صلعم عداوت و دشمنی سے آدمیوں کی پرہیز کیجئے۔ اور فرمایا کہ جبرئیل نے جسقدر آدمیونکی عداوت سے پرہیز کرنیکی تاکید کی کسی اور امر میں اسقدر تاکید نہیں کی حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص تخمِ عداوت بوتا ہے وہی اُسکو کاٹتا ہے یعنے حاصل کرتا ہے۔

معالجۂ عداوت و دشمنی

اِس صفتِ خبیثہ کا معالجہ یہہ ہے کہ پہلے غور کرے کہ دشمنی و عداوت ایک درخت ہے کہ بجز اندوہ والم کے دنیا میں اسکا کوئی ثمرہ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک آگ ہے کہ بغیر دودِ کدورت کے اُس سے کچھہ ظاہر نہیں ہوتا۔ دشمن مسکین ہمیشہ اندوہ و غصہ و رنج و محنت میں مبتلا رہتا ہے۔ عداوت کے سبب سے خاندانِ قدیم برباد ہوئے۔ بہت سی دولتیں عداوت کے سبب سے ضائع ہوئیں۔ اور بہت سی عزتیں عداوت کی وجہ سے خراب ہوگئیں۔ بلکہ جو کچھہ کتبِ تواریخ و سیر سے حالت زمانہ کی معلوم ہوئی ہے یہہ ہے کہ کوئی دولت سوائے عداوت و دشمنی کے اور کسی چیز کے سبب سے برباد نہیں ہوئی اکثر ہوتا ہے کہ کینہ و عداوت سے اُس شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا جسے دشمن سمجھا جاتا ہے۔ پھر آخر میں اُسکا نتیجہ ملاحظہ کرنا چاہئے کہ آدمی کو عذابِ سخت میں گرفتار کرتا ہے جب انسان ان امور کو

پر غور کرے اور متنبہ ہو تو کوشش کرے کہ اُس شخص نے بوجہ عداوت جو کینہ رکھا ہے
طریقہ دوستانہ عمل میں لائے اُس سے مہربانی سے ملاقات کرے اُسکے ضروریات کے برلانے
میں کوشش کرے مجمع اور مجلسوں میں اُسکی نیکیوں کو بیان کرے بلکہ ہمیشہ مہر و لطف سے زیادہ
اُس پر نیکی و احسان کرے تاکہ نفس کو سزا ملے اور شیطان کی ناک خاک پر رگڑی جائے بعینہ
اس طریقہ پر عمل کرے کہ آثار عداوت دل سے دور ہوں۔ اس صفت کی ضد نصیحت ہے
جو دوسروں کی خیرخواہی و نیکی سے مراد لیگئی ہے وہ بھی دو قسم پر ہے۔

(۱) باطنی اس سے مراد یہہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر و خوبی طلب کرنیوالا ہو۔

(۲) ظاہری یہہ ہے کہ اُنکی خیر و نیکی کے امور بجالائے۔ اس صفت کی شرافت بہت
زیادہ اور اسکی فضیلت بیشمار ہے جیسا کہ صفت حسد کے بیان میں ذکر کیا جائیگا۔

فصل (۱)

لوازم عداوت ..

واضح ہو کہ آثار و لوازم جو کینہ و عداوت پر مترتب ہوتے ہیں۔ وہ ضرب و فحش و لعن و طعن ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ یہہ صرف
غضب سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اوباش و رذائل و بدکاران و جہال جنکو بیہودہ بکنے و
فحش بولنے کی عادت ہوتی ہے اُنکی مصاحبت سے یہہ افعال صادر ہوتے ہیں جنکو فحش
بکنے کی عادت ہوجاتی ہے اُنکی زبان پر بغیر دشمنی و غصہ کے بھی فحش جاری ہوتا ہے
کوئی شک نہیں کہ یہہ تمام امور مذموم و قبیح اور از روے شرع صراحتاً حرام ہیں جو اعمال
کو ضایع اور برباد کرتے ہیں۔ صاحبان شرع و حکما و عقلا اُسکی بُرائی پر متفق اور شرع
و عقل اُسکی حرمت پر دو گواہ صادق ہیں لیکن ضرب جو ہاتھہ یا لکڑی یا کسی اور ہتیار کے
ذریعہ مارنے سے مراد لیگئی ہے پس بغیر سبب شرعی اُسکی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے
کسی فرقہ بنی آدم نے کسیکو بغیر سبب شرعی کے مارنیکی تجویز نہیں کی۔ اخبار و آثار میں صاف طور پر

منع کیا گیا ہے۔ اور وارد ہوا ہے کہ جو کوئی کسیکو تازیانہ مارے تو خدائے تعالیٰ اُسکو آگ کا
تازیانہ ماریگا لیکن فحش و دشنام و بیہودہ گوئی و بدگوئی منشاے خباثتِ نفس و خرابی طبع ہے
جسکی زبان فحش پر کھلی ہوئی ہے بالضرور وہ خبیث النفس ہے اور وہ اراذل و اوباش
میں شمار کیا گیا ہے بلکہ بعضے اخبار سے پایا جاتا ہے کہ رذیل مخصوص کیا گیا ہے اس امر سے
کہ کسی بات کے کہنے اور سُننے میں پروا نکرے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی طعنہ و لعن
کرنیوالا اور فحش و بیہودہ بکنے والا ہو وہ مومن نہیں ہے نیز فرمایا کہ فحش دینے والے پر
بہشت حرام ہے۔ دوسری روایت میں انھیں حضرت سے مروی ہے کہ بیہودہ بکنا اور بھید کا
کھولنا نفاق کی شاخیں ہیں۔ انھیں حضرت سے منقول ہے کہ چار اشخاص ہیں جن سے
اہلِ دوزخ ایذا میں ہیں منجملہ اُنکے ایک وہ مرد ہے جس نے دنیا میں فحش بکا ہے ہمیشہ اُسکے
مُنہ سے پیپ جاری ہوگی نیز اُنھیں جناب سے مروی ہے کہ اُسپر بہشت حرام ہے جو کوئی
فحش و بیہودہ بکنے والا اور کم حیا ہو کوئی بات کہنے اور سُننے میں دریغ نکرے۔ اگر ایسے شخص کو
دریافت کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ ولد الزنا یا اُسکے باپ کا نطفہ اور نطفہ شیطان دونوں
مشترک ہیں۔ یعنے اُسکے باپ کے مجامعت کے وقت شیطان بھی شریک ہوا ہے۔ دوسری حدیث
میں ہے کہ اگر کوئی مرد کسی بات کے کہنے اور سننے میں کوئی پروا نہیں کرتا تو جانیں کہ وہ ولد الزنا
ہے یا شیطان کی اُس میں شراکت ہے نیز اُنھیں جناب سے مروی ہے کہ وہ شخص بد و شریر
ہے کہ بسبب فحش بکنے کے اُسکی ہمنشینی سے لوگ کراہت رکھتے ہوں اُنھیں حضرت سے مروی
ہے کہ مومن کو دشنام دینا بدکاری ہے اُسکا مار ڈالنا کفر ہے اُسکی غیبت معصیت ہے اور
اُسکے مال کی حُرمت مثل اُسکے خون کی حُرمت کے ہے۔ اور فرمایا کہ بدترینِ مردم خدا کے نزدیک
روزِ قیامت وہ شخص ہے کہ آدمی جسکے شر کے خوف سے اکرام و احترام کریں حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نطفۂ آدمی میں شرکت شیطان کی علامات کے منجملہ ایک یہہ ہے کہ وہ آدمی فحش کہنے اور سننے میں کوئی خوف نکرے۔ نیز آنحضرت نے فرمایا کہ جسکی زبان سے آدمی ڈریں وہ آتشِ جہنم میں داخل ہوگا۔ دشمن ترین مخلوقاتِ خدا خدا کے نزدیک وہ بندہ ہے کہ آدمی جسکی زبان سے پرہیز کریں۔ حضرت کاظم علیہ السلام سے اُن دو اشخاص کا حال جو آپس میں ایک دوسرے کو دشنام دیتے ہیں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو کوئی شروع میں دشنام دیتا ہے وہ ظالم ہے اور دوسرے کا گناہ بھی اُسی کے ذمہ ہے جبتک کہ وہ دوسرا ظلم و زیادتی نکرے۔ واضح ہو کہ امورِ قبیحہ کا بالفاظ صریح و الفاظ مجامعت و آلت جماع کے ساتھ ظاہر کرنے کو فحش کہتے ہیں۔ صاحبانِ فساد و بے شرم اُس کا ذکر الفاظِ مخصوصہ میں کرتے ہیں۔ اہلِ شرافت و صاحبانِ نفسِ پاک ان سے متعرض نہیں ہوتے۔ بلکہ جب ذکر ضروری ہو تو کنایہ و رمز میں بیان کرتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ خداوند عالم نے جماع کا ذکر از روی حیا کنایۃً بالفاظ لمس و لمس و مباشرت فرمایا ہے۔ اور یہہ بات کچھ جماع کے لئے نہیں ہے بلکہ ذکر بول و براز کو بھی بالفاظِ کنایہ مثل قضاے حاجت وغیرہ کہنا اولی ہے پس صاحبانِ حیا کو صراحتاً ایسے الفاظ جو عرفاً مکروہ و رکیک و مذموم ہوں زبان پر نہ لانے چاہئیں جب اپنی یا دوسرے کی عورت کی بات کو نقل کرنا چاہے تو میری عورت یا اُسکی عورت نے ایسا کہا نہ کہے بلکہ میرے گھر کے پردہ کی بیٹھنے والی یا اُسکے گھر والی یا بچوں کی ماں نے ایسا کہا یا گھر میں کہتے تھے کہے بلکہ عورتوں کے نام لینے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں عرفاً برا سمجھا جاتا ہے اور یہہ نہ دیکھے کہ پیغمبرؐ اور ائمہؑ کے اہلِ خانہ کے نام لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ سابق میں معیوب نتھا اور موافق طریقۂ سابق کے اس زمانہ میں بھی اُنکے نام لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے جیسا کہ کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔ اسیطرح کسیکے بدن میں کوئی عیب ہو اور اُسکے اظہار سے شرم

اگر ناہو تو اسکے ذکر کرنیکی ضرورت کے وقت تصریح نکرے کنایتہ کہے مثلاً اگر کوئی کوڑی
یا کھوتا ہو اسکا سبب یا وقت دریافت کرنا چاہے تو کسوقت میں کوڑہ ہوا یا تیرا سر کس سبب سے
گنجا ہوا نہ کہے بلکہ یہہ عارضہ کسوجہ سے تجھکو ہوا یا کسوقت یہہ ناخوشی پیدا ہوئی کہے کیونکہ یہہ
تمام تعبیرات داخل فحش ہیں۔ واضح ہو کہ تمام الفاظ جو بیشرمی و فحش پر دلالت کرتے ہیں وہ تمام
مذموم و قبیح ہیں مگر بعض زیادہ قبیح ہیں اور انکی برائی زیادہ ہے خواہ موقع دشنام واذیت میں
کہے جاویں یا شوخی اور ہنسی کے وقت چونکہ یہہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں لہذا بعض انمیں مکروہ
اور بعض حرام ہیں۔ اور بعضوں نے ان الفاظ کو جو مقام دشنام واذیت میں زبان سے نکلیں
حرمت کے ساتھہ مخصوص کیا ہے۔ اور مقام شوخی یا بیہودہ گوئی کی حالت میں حرام نہیں سمجھا
لیکن ممکن ہے کہ بعضے الفاظ جو نہایت ہی فحش ہیں حرام ہوں۔ اگرچہ وہ مقام دشنام میں نہوں
اسیطرح لعن جسکے معنی خدا سے دوری کے ہیں اسکی برائی میں کوئی شک نہیں ہے۔ شرعاً کسی
پر لعن کرنا جائز نہیں ہے مگر جبکہ وہ اس صفت کا متصف ہو اور بہ نص شریعت اُسپر لعن کرنا
جائز ہو۔ اخبار میں خصوص لعن کی نسبت سخت برائی بتلائی گئی ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
سے مروی ہے کہ ایکروز حضرت پیغمبر صلعم نے خطبہ میں بیان فرمایا کہ تم کو خبر دوں کہ کون اشخاص
بد ہیں عرض کیا گیا کہ ہاں یا رسول اللہ فرمایا کہ جو شخص دوسرے کو عطا نکرے اور اپنے غلام کو
مارے تنہا سفر کرے اُس وقت لوگوں کو گمان ہوا کہ خدا نے ایسی مخلوق سے بدتر اور کوئی
پیدا کیا ہے پھر حضرت نے فرمایا کہ چاہتے ہو کہ ان سے بھی بدتر اشخاص کو بتلاؤں عرض کیا گیا
کہ ہاں فرمایا کہ جسکے سامنے مومن کا نام لیا جاوے اور وہ اُسے فحش دے اور لعن کرے۔ اور
اگر اُسکا نام بھی مومن کے سامنے لیں تو مومنین اُسکو لعن کریں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
نے فرمایا کہ جب کسی کے منہ سے لعنت نکلے تو وہ اُسکے اور اُس شخص کے درمیان جسپر لعنت

لگیگئی ہے تردد کرتی ہے۔ اگر وہ شخص مستحق لعن ہو اسکے ساتھ معلق ہوجاتی ہے ورنہ لعن کرنیوالے
کی طرف وہ لعنت عاید ہوتی ہے۔ اِس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ اگر لعنت کا مستحق نہو تو وہ لعنت
کرنیوالے پر پلٹتی ہے۔ پس کسی پر سوائے اُن لوگوں کے جو ازروی شریعت مستحق لعن تجویز کئے
گئے ہیں لعنت کرنے سے نہایت پرہیز کرنا چاہئے ؛ کتاب جامع السعادات میں لکھا ہے کہ کافرین
وظالمین و فاسقین پر شریعت میں لعن تجویز کیا گیا ہے۔ ایسا ہی قرآن میں وارد ہوا ہے بطریق
عام کوئی شک نہیں ہے کہ اُن پر لعن جائز ہو۔ اسطرح پر کہ لعنۃ اللہ علی الکافرین یا علی الفاسقین
یا علی الظالمین کہے اور فرماتے ہیں کہ کسی شخص معین پر جو انمیں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو
تو اُسپر لعنت کرسکتے ہیں۔ رہا یہہ توہم کہ وہ شخص معین ممکن ہے کہ اِس صفت سے توبہ کرے۔
اور صاحب اسلام ہوجائے۔ یا توبہ کرنیکے بعد دنیا سے جائے تو اُس وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے
کیونکہ قرآن و احادیث سے پایا جاتا ہے کہ کسی شخص معین کو لعن کرسکتے ہیں۔ بلکہ اخبار سے معلوم ہوتا ہے
کہ بعضے اہل جحود و عناد پر لعنت کرنا بہترین عبادت ہے۔ خدا تعالیٰ حق میں کسی جماعت کے فرماتا ہے
(اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)
حق میں دوسری جماعت کے فرماتا ہے (اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ)
حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے جھوٹ کہنے والے پر لعنت کی ہے اگرچہ وہ جھوٹ مذاقاً کہا جائے
حضرت امیر المومنین نے ایک جماعت پر لعنت کی ہے۔ مروی ہے کہ آپ نماز واجبی کے قنوت میں
بعضوں پر لعن فرماتے تھے۔ اور اُن پر لعنت کرنا افضل عبادات جانتے تھے باوجود اسکے کہ
انکا حلم اور انکی پرہیزگاری سب سے بڑھی ہوئی تھی احادیث و اخبار میں روٴسائے اہل ضلال
پر جو مستحقین لعنت ہیں لعن کرنا پایا جاتا ہے۔ اور اہل نظر جانتے ہیں کہ یہہ طریقۂ دین ہے لیس
لعن سے جو امتناع کیگئی ہے پھر اُس شخص کے واسطے ہے جو مستحق لعن نہو۔ اور یہہ جو حضرت

امیر المومنین علیہم السلام سے مروی ہے کہ آپ اہل شام پر لعن کرنے سے منع فرماتے تھے اگر یہہ صحیح ہو تو شاید اس وجہ سے ہو گا کہ اُنمیں کوئی ایسا شخص ہو جو مستحق لعن نہو یا اُنمیں سے کسی کے اسلام لانے کی امید ہو۔ حاصل کلام یہہ کہ روساے ظلم وضلالت اور کفر و فسق کا علانیہ اظہار کرنے والوں پر لعن کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور سوائے اُنکے حرام ہے جب تک کہ اُسکی نسبت یہہ یقین نہو جائے کہ وہ صفات مذکورہ میں سے کسی صفت سے متصف ہے اور محض گمان پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ واضح ہو کہ اُن اشخاص پر جو مر گئے ہیں اور اُنکا مستحق لعن ہونا ثابت نہیں ہے اُن پر لعنت کرنے کا وبال بہت زیادہ ہے حضرت رسول صلعم نے فرمایا مردونکو دشنام ندہ۔ ایسا ہی جمادات و حیوانات پر لعن کرنا خوب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص زمین پر لعنت کرتا ہے تو زمین کہتی ہے کہ لعنت اُن پر جو گناہگار زیادہ ہیں۔ حضرت رسولؐ نے انکار فرمایا اُس عورت سے جس نے ناقہ پر لعنت کی۔ اور اُس مرد سے جس نے شیر پر لعنت کی۔

برادران دینی کو دعا دینے کے فواید

واضح ہو کہ دعاے بد و نفرین کرنا مسلمانوں کے لئے مثل لعن کرنے کے مذموم ہے اور بہتر نہیں ہے حتیٰ کہ اہل ظلم کے لئے بھی۔ مگر اُس صورت میں جبکہ اُنکے شر و ضرر سے مضطر و لاچار ہو۔ حدیث میں ہے کہ کبھی مظلوم ظالم پر اسقدر نفرین کرتا ہے کہ اُسکے ظلم کا عوض ہونیکے بعد زیادتی ہو جاتی ہے اور اس زیادتی کی نسبت قیامت میں ظالم اُس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسکی ضد دعاے خیر ہے جو برادر مومن کیلیے ہو یہہ بہترین طاعت و فاضل ترین عبادت ہے۔ اُسکا فائدہ بیحد اور اُسکا ثواب بے انتہا ہے۔ بلکہ حقیقت میں جو کوئی دوسرے کے واسطے دعا کرتا ہے تو گویا خود اپنے واسطے کرتا ہے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے برادر مومن کیلیے اُسکے غیاب میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے واسطے

بھی اسیطرح دعا ہوگی۔ اور فرمایا کہ جو دعا اپنے لئے مستجاب نہیں ہوتی وہ برادرِ مومن کے حق میں مستجاب ہو جاتی ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب بندۂ مومن اپنے برادرِ مومن کیلئے دعا کرتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں کہ خوب بھائی ہے جو اپنے بھائی کیلئے دعاے خیر کرتا ہے اور اُسکو نیکی سے یاد کرتا ہے حالانکہ وہ موجود نہیں ہے خدا نے تجھکو عطا کیا جو کچھ تو نے اُس کے لئے خواہش کی اور تیری ثنا کی جو کچھ تو نے اُسکی ثنا کی اور تجھکو اُسپر فضیلت ہے اِس خصوص میں اخبار بیحد ہیں۔ اس سے کونسی بزرگی بہتر ہو سکتی ہے کہ ہدیہ دعا و طلب آمرزش اُس برادرِ مومن کیلئے کیجائے جو خاک کے نیچے سویا ہے۔ غور کیجئے کہ اُسکی روح کسقدر شاد و خوش ہوگی کہ جسکے جو رو بچے مال و اسباب کو تقسیم کرتے ہیں اُسکے مال سے خوشی مناتے ہیں آپ اُسکو یاد کرتے ہیں اور خدا سے اُسکی بخشایش طلب کرتے ہیں اُسکے لئے ہدیہ بھیجتے ہیں پیغمبرِ خدا نے فرمایا کہ قبر میں میت اُسکے مثل ہے جو دریا میں غرق ہوتے ہوئے نجات کیلئے ہر چیز کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اپنے خویش و اقارب۔ بیٹے۔ باپ بھائی کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ زندوں کی دعا سے پہاڑ کے مانند نور اموات کی قبروں میں داخل ہوتا ہے۔ یہہ مثل اُس ہدیہ کے ہے کہ زندہ ایک دوسرونکو بھیجتا ہے جب کوئی شخص کسی میت کے لئے استغفار یا دعا کرے تو فرشتہ اُسکو ایک طبق میں رکھکر اُس میت کے لئے لیجاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہہ ہدیہ تیرے فلاں بھائی نے یا تیرے فلاں خویش نے تیرے لئے بھیجا ہے۔ وہ میت اُس سے شاد و فرحناک ہوتی ہے۔ اور مسلمان پر طعن کرنا بھی اعمالِ ذمیمہ و افعالِ سیئہ میں سے ہے اور باعثِ ضررِ دنیوی و عذابِ اخروی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص مومن پر طعن نہیں کرتا مگر یہہ کہ وہ بُری حالت سے مرتا ہے۔ واضح ہو کہ جو کچھہ ذکر کیا گیا۔ اُسکی ضد سکوت و خاموشی ہے جسکی تفصیل آیندہ بیان کیجائیگی۔

چودہویں صفت مذمتِ عُجب وخود بینی

واضح ہو کہ صفت عُجب متعلق قوۂ غضبیہ ہے اس سے مراد یہہ ہے کہ آدمی کسی کمال کے باعث اپنے کو بزرگ سمجھتا ہو۔ خواہ وہ کمال اُسکو حاصل ہو یا نہو نیز وہ صفت جس پر وہ نازاں ہے فی الحقیقت کمال ہو یا نہو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عجب وہ ہے جسکو کوئی صفت یا نعمت حاصل ہو جسے بہت بڑا تصوّر کرے اور نعمت دینے والے کو بھول جائے عُجب وکبر کے درمیان فرق یہہ ہے کہ تکبّر کرنیوالا اپنے کو دوسروں سے بزرگ جانتا ہے اور اپنے مرتبہ کو زیادہ سمجھتا ہے اور عُجب کرنیوالے کو دوسرے سے تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پر ناز کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔ اپنے کو اُس صفت میں بہت بڑا آدمی جانتا ہے اور اُس صفت کے عطا کنندہ کو فراموش کرتا ہے پس اگر کسی صفت پر اِس راہ سے خوش ہوں کہ یہہ نعمت منجانب خدا کرامت ہوئی ہے جسوقت وہ چاہے لے سکتا ہے اُس نے اپنے فیض ولطف سے عطا کیا ہے ہم کوئی استحقاق نہیں رکھتے جب تو یہہ عُجب نہوگا۔ اور اگر یہہ خیال کرے کہ ہم خدا پر حق رکھتے ہیں اور اِسی حق کی وجہ سے خدا نے یہہ نعمت عطا فرمائی ہے اور خدا کے نزدیک ہمارا مرتبہ بزرگ ہے اور اِس نعمت کا سلب ہونا اُس سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ اُسے اپنا حق سمجھتا ہے پس اِس صفت کو غمزہ وناز کہتے ہیں یہہ عُجب سے بھی بدتر ہے کیونکہ اِس صفت والا عجب بھی رکھتا ہے اور اُس سے بالاتر بھی۔ اب عجب جسطرح کہ ایسی صفت کے سبب سے ہوتا ہے جس میں فی الحقیقت کوئی کمال نہو اسیطرح ایسے عمل کے سبب سے بھی ہوتا ہے جس پر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا اور وہ بیچارہ غلطی سے اُسے بہتر سمجھتا ہے۔ واضح ہو کہ تمام صفاتِ مہلکہ وارذل الملکات سے بدتر یہہ بُری صفت ہے حضرت رسوؐل نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مہلکہ ہیں (۱) بخل (۲) ہواوہوس (۳) عُجب۔ اور فرمایا جسوقت آدمی بخل سے کام لیں۔ اپنے ہواوہوس کی پیروی

کریں اور اپنی رائے پر نازاں ہوں اُسے صواب سمجھیں تو انکی ہمنشینی سے پرہیز لازم ہے
انھیں حضرت سے وارد ہوا ہے فرمایا کہ اگر کوئی گناہ بھی تم سے صادر نہو تو میں اُس چیز سے
ڈرتا ہوں جو ہر گناہ سے بدتر ہے۔ اور وہ عُجب ہے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس شیطان
رنگ برنگ کا جامۂ پشمینہ پہنے ہوئے آیا اور سلام کیا حضرت نے کہا تو کون ہے اُسنے کہا میں
ابلیس ہوں چونکہ خدا کے نزدیک آپکا بڑا مرتبہ ہے اسلئے سلام کو حاضر ہوا ہوں حضرت نے
اُس جامۂ پشمینہ رنگ برنگ کی نسبت دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ اسکے ذریعہ سے فرزندان
آدم کے دل کو اپنی طرف کھینچتا ہوں حضرت موسیٰ نے کہا کہ آدمی کون سے گناہ کا مرتکب
ہوتا ہے جسکے باعث تو اُسپر غالب ہوتا ہے۔ اس نے کہا جب آدمی عُجب کرے جو طاعت
اُسنے کی ہو اُسکو باوقعت سمجھے اور اُسکے گناہ اسکی نظر میں حقیر ہوں۔ پروردگارِ عالم نے
حضرت داؤد پیغمبر پر وحی فرمائی کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو اور صدیقوں کو خوف دلاؤ
عرض کیا کہ کیونکر گناہگاروں کو خوشخبری دوں اور طاعت کرنیوالوں کو ڈراؤں پس ارشاد
ہوا کہ گناہگاروں کو خوشخبری دو کہ میں توبہ کو قبول کرتا ہوں اور گناہونکو بخشتا ہوں صدیقونکو
ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر عُجب نکریں کہ کوئی بندہ نہیں ہے کہ جس سے محاسبہ کیا جائے اور وہ ہلاک
نہو۔ حضرت باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ دو آدمی داخلِ مسجد ہوئے ایک عابد دوسرا فاسق جب
یہہ دونوں مسجد سے باہر نکلے تو فاسق زمرۂ صدیقین میں اور عابد زمرۂ فاسقین میں داخل ہوگیا
اسکی وجہ یہہ ہے کہ جب عابد مسجد میں آیا تو اُسنے اپنی عبادت پر ناز کیا اور فاسق اپنے گناہ ہوں کی
پشیمانی اور استغفار میں مصروف رہا۔ حضرتِ صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ خدا جانتا تھا کہ
مومن کا گناہ کرنا عُجب کرنے سے بہتر ہے اگر یہہ وجہ نہوتی تو کوئی مومن گناہ میں ہرگز مبتلا
نہوتا اور فرمایا کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے اور پشیمان ہوکر عبادت کرتا ہے تو شاد و فرخناک ہوتا ہے

اسیوجہ سے پشیمانی کم ہوتی ہے اور گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ اگر عبادت نکرکے اُسی حالت
اول پر رہتا تو بہتر ہوتا۔ مروی ہے کہ ایک عالم عابد کے پاس آیا اور پوچھا کہ تیری نماز کیسی ہے
عابد نے کہا کہ مجھ جیسے شخص کی نماز کے بارے میں پوچھتے ہو۔ میری عبادت ایسی ہے ایسی ہے
عالم نے کہا کہ تیرا رونا کسطرح ہے اُس نے کہا اسقدر روتا ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری
ہوتے ہیں۔ عالم نے کہا کہ وہ ہنسی جس میں خوف شامل ہو تیرے اِس رونے سے جسپر تو ناز کرتا ہے
بہتر ہے۔ نیز مروی ہے کہ پہلی سزا جو صاحب عُجب کو ملتی ہے یہہ ہے کہ اسے اُس نعمت سے
محروم کر دیا جاتا ہے جسپر وہ عُجب کرتا تھا تاکہ وہ خود اپنی عاجزی و تہیدستی کی گواہی دے
اور حجّت پوری ہو جیسا کہ ابلیس سے کیا گیا۔ اور عجب ایک گیاہ ہے جسکا تخم کفر جسکی زمین
نفاق جسکا پانی فساد ہے جسکی ڈالیاں جہل و نادانی جسکے پتّے گمراہی و ضلالت ہیں جسکا میوہ
لعنت و آتشِ جہنم ہے۔ اب جس شخص نے غرور کا تخم بُویا اور اُسے پرورش کیا تو بالضرور اُسکا
ثمرہ پائیگا۔ نیز مروی ہے کہ ملکوں کی سیاحت کرنا حضرت عیسیٰ کی شریعت میں داخل تھا۔ ایکمرتبہ
آپ سفر کر رہے تھے اور ایک مرد کوتاہ قد آپ کے اصحاب میں سے آپکے ساتھ تھا عیسیٰ علیہ السلام
نے بسم اللہ کہا اور پانی پر روانہ ہوئے جب اُس مردِ کوتاہ قد نے یہہ حال دیکھا تو اُس نے
بھی بسم اللہ کہا اور پانی پر روانہ ہوا جب عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اُسوقت دل میں عُجب کیا
اور کہا کہ یہہ عیسیٰ روح اللہ ہیں پانی پر چلتے ہیں۔ میں بھی پانی پر چلتا ہوں پس اُنکی فضیلت مجھ پر
کسوجہ سے ہے جب اُسکے دلمیں اسطرح گزرا تو پانی میں ڈوبنے لگا۔ اور حضرتِ عیسیٰ سے استغاثہ
شروع کیا حضرتِ عیسیٰ نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکالا اور کہا کہ تو نے کیا خیال کیا اُس نے
جو کچھ دلمیں گزرا تھا بیان کیا تو حضرت نے کہا کہ تو اپنے حد سے بڑھ گیا تھا اِسلئے خدا نے تجھپر غضب کیا
توبہ کر پس اُسنے توبہ کی تو اُسکی حالت پہلے کی طرح ہو گئی۔ واضح ہو کہ عُجب باوجود صفتِ خبثیہ ہونیکے

دوسرے آفات وصفات کا یہی منشا ہوتا ہے مثلاً کبر جیسا کہ آئندہ حوالۂ قلم کیا جائیگا اور ایک سبب کبر کا عُجب ہے مثلاً گناہوں کا بھولجانا۔ اُنکا خیال دلمیں نہ لانا۔ اگر کبھی خیال بھی دل میں گزرے تو اُنکی کچھہ وقعت نہو۔ اُنکے تدارک میں کوشش نکرے بلکہ یہہ گمان کرے کہ خدا بالضرور اُسکو بخشیگا۔ اگر کوئی عبادت اُس سے ظاہر ہو تو اُسکو بہت بڑی سمجھے اُس سے خوشحال ہو۔ خدا پر احسان رکھّے۔ خدا کی مہربانیوں کو بھولجائے اُسوقت اپنے اعمال کے بھی آفات وعیوب سے غافل ہو کیونکہ اُنکی آفتیں کو وہ شخص سمجھتا ہے جو توجہ کرے اور جو متوجہ ہوتا ہے خائف وترساں ہوتا ہے عُجب رکھنے والا مغرور اور مکرِ خدا سے بیفکر رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اپنا مرتبہ خدا کے پاس ہے۔ اُسپر اپنا کوئی حق ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ آپ اپنی تعریف کرتا ہے اگر اپنی عقل وفکر وعلم میں نازاں ہو تو دریافت کرنے سے باز رہتا ہے مشورت تعلّم میں کوتاہی کرتا ہے کبھی اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے کسیکی نصیحت نہیں سُنتا اسیوجہ سے اُسکو نقصان پہنچتا ہے۔ یہانتک کہ وہ رسوا ہوتا ہے۔ پس بہتر طریقہ یہہ ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کو خطاوار جانے اور اُسپر اتہام رکھّے۔ اُسپر اعتماد ووثوق نکرے تو عقلمندوں سے رجوع کرے اور اُنسے مدد چاہے۔

فصل (۱) واضح ہو کہ مرضِ عُجب کے دو معالجہ ہیں۔

معالجۂ مرضِ عُجب (۱) اجمالی۔ (۲) تفصیلی۔ معالجۂ اجمالی یہہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچانے اور اپنی معرفت حاصل کرے۔ اور جانے کہ بزرگی وکمال وعزت وجلال سوائے اُسکے کسیکو نہیں ہے کہ خود تمام ذلیلوں سے ذلیل اور تمام ضعیفوں سے ضعیف ہے۔ ذلت وخاکساری اپنے لایق ہے عُجب وبزرگی سے کیا کام خود ایک ممکن شئے ہے اور ہر ممکن بحیثیتِ ممکن عدمِ محض ہے پس یہہ تمام کمال وآثارِ وجودیہ واجب الوجود تعالیٰ شانہٗ

کے متعلق ہیں۔ وجودِ خداوندِ عالم سے تمام وجود مستند ہیں۔ تمام کمالات اُسکے کمالات کے انتہا کا سایہ ہیں۔ تمام کائنات اُسکی بندگی میں مصروف ہے طوقِ ذلت و خواری سب کی گردن میں پڑا ہے۔ اگر کوئی فخر و مباہات کرنا چاہتا ہے تو اپنے پروردگار پر افتخار کرے۔ اور اپنی ذات کو سب سے حقیر و سبک سمجھے بلکہ عدمِ محض جانے اِس حالت میں تو تمام ممکنات اِسکے شریک ہیں لیکن وہ ذلت و خواری جو اِس مسکین کے لئے مخصوص ہے وہ حد سے متجاوز ہے حقیقت یہہ ہے کہ اُسکی ابتدا نطفۂ نجس ہے۔ اُسکا انجام جثۂ گندیدہ ہے اور درمیان آغاز و انجام یعنے بحالتِ حیاتِ دنیوی حمالِ نجاسات ہے۔ ایک پیشاب گاہ سے دوسری پیشاب گاہ میں داخل ہوا اور پھر اُسی پیشاب گاہ سے اُسے باہر آنا پڑا۔ غرض تین مرتبہ اُسے پیشاب گاہ سے گزرنا پڑا۔ اگر کوئی بصیرت ہو تو قرآن کا ایک آیہ اُسکو خوابِ عجب سے بیدار کرتا ہے۔ اور اُسکی ہمت کو توڑتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے (قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ) خلاصۂ معنی یہہ کہ انسان قتل ہو جائے کونسی چیز اُسے کفر پر اُبھارتی ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اُسکو کس چیز سے خدا نے پیدا کیا اُسکی پیدائش پانی کی بوند سے مقدر کی اُسکے بار اُنے کا راستہ آسان کیا اُسکو جاندار کیا پھر اُسکو قبر میں بھیجا۔ اِس آیۂ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے آدمی عدم میں تھا کوئی چیز نہ تھا اُسکے بعد اُسکو نجس و کم قدر چیز سے کہ نطفہ کہا جاتا ہے پیدا کیا اُسکے بعد اُسکو جسم بدبو دیا۔ اگر تھوڑا سا غور کریں تو جان سکتے ہیں کہ کیا چیز پست و ردی ہے اُس چیز سے جسکی ابتدا عدم اور جسکا مادۂ پیدائش تمام چیزوں سے زیادہ نجس اور جس کا انجام تمام اشیا سے زیادہ بدبو ہو پھر وہ مسکین بیچارہ درمیانِ حیاتِ دنیوی عاجز و ذلیل ہے نہ اُسکو پورا اختیار ہے نہ اُسکو کسی کام کی قدرت ہے اُسپر کیا واقع ہوگا اسکی خبر نہیں رکھتا

زمانہ کل کے روز کیا کریگا نہ اسکی اطلاع ہے طرح طرحکی بڑی اور سخت بیماریاں اُسکے لئے موجود ہیں جسوقت کوئی ارادہ کرتا ہے تو کوئی نکوئی آفت کسی نکسی طرف سے آجاتی ہے اُسکے جسم میں چار عناصر متناقض جمع ہیں ہر ایک دوسرے کی ضد میں بدن کو ویران کرنیکے لئے تیار ہے وہ بیچارہ اپنے سے غافل ہے ہر گھڑی بدن میں کچھ نہ کچھ حادثہ ظاہر ہوتا ہے اُسکے اختیار میں نہ بھوک ہے نہ تشنگی نہ صحت نہ موت اُسکے ارادہ میں ہے۔ نہ وہ اپنی زندگی و نفع کا مالک ہے نہ اپنی شر و نیکی پر اختیار رکھتا ہے کسی امر کو جاننا چاہتا ہے تو نہیں جانسکتا اور جب کسی چیز کو بھول جانا چاہتا ہے تو اُسکا خیال دل سے دور نہیں ہوتا اُسکی فکر ہر طرف جاتی ہے اُسکے روکنے کی قدرت نہیں رکھتا جو غذا مار ڈالنے والی ہے اُسکے کھانے میں بے اختیار ہے جس دوا سے حیات حاصل ہوتی ہے اُسکو وہ ناگوار ہے کوئی ساعت حادثۂ زمانہ سے بیفکر نہیں ہے نہ کسی لحظہ آفت سے مطمئن ہے۔ اگر ایکدم اُسکی آنکھ اور کان لیلئے جائیں تو ہاتھ اور پاؤں تک نہیں ہلا سکتا اگر ایک طرفۃ العین میں اُسکے عقل و ہوش لے لیں تو وہ بالکل مجبور ہو جائے۔ اگر کارکنانِ عالم ایک گھڑی اُس سے غافل ہوں تو اُسکے تمام وجود کے اجزا ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ اگر نگاہبانِ خطۂ اعلیٰ اُسکی خبر نہ رکھیں تو اُسکا نشان تک باقی نہ رہے (عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ) پس آپ خود انصاف کیجئے کہ اس سے پست و ذلیل تر کونسی چیز ہے اور کہاں لایق ہے کہ وہ عجب و ناز کرے جو کوئی باوجود غور کرنیکے پھر اپنے کو کچھ سمجھے تو عجب بے شرمی و بے انصافی ہے۔ یہ انسان بیچارے کی حالت ہے آخر اُسکو مرنا ہے۔ اِس عارت سرا سے گزرنا ہے۔ اُسکا بدن مردار و بدبو ہوتا ہے اُسکے وجود کی کتاب کا شیرازہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اُسکی صورتِ زیبا متغیر و تبدل ہوتی ہے اُسکا بند بند ایکدوسرے سے جدا ہوتا ہے اُسکی ہڈیاں گلجاتی ہیں اُسکے بدنِ نازک کو کیڑے کھاجاتے ہیں سانپ بچھو اُس کے

بدن کے اطراف احاطہ کرتے ہیں پس وہ جسم جسکی ناز و نعمت سے پرورش کی جاتی ہے کیڑوں کی خوراک ہوتا ہے۔اس صورت سے وہ مٹی ہوجاتا ہے کبھی اُس مٹی کو کاسہ و کوزہ کبھی اینٹ کبھی عمارت کے بنانے میں کام میں لاتے ہیں کبھی اُسکی مٹی کو کھود کر ایک جگہ سے دوسری جگہہ ڈالتے ہیں۔ہائے ہائے کیا بہتر ہوتا کہ اگر اُس خاک کو اُسی حال پر چھوڑتے دوسرے وقت اُس سے کوئی کام نہ لیتے جب ایک زمانہ اُسی حالت سے گزر جائے تو پھر اُسکو زندہ کرتے ہیں تاکہ شدید آفتوں کا مزا چکھائیں۔اُس متفرق مٹی کو جمع کرکے پھر اُسکو صورتِ اول پر بناتے ہیں اُسکو قبر سے نکالکر میدانِ قیامتِ ہولناک میں لاتے ہیں۔آہ آہ اُسوقت میں کیا کیا رنج دیکھتا ہے۔آسمان پھٹا ہوا زمین گداختہ۔پہاڑ پراگندہ۔ستارے سیاہ۔آفتاب و مہتاب تاریک۔دوزخ کی آگ روشن۔اُسوقت ہر طرح کے عذاب ہونگے۔دفتر اعمال کھولے جائینگے اُنکی طرف حساب لیا جائیگا۔یکایک اپنے کو معرضِ محاسبہ و مواخذہ میں دیکھیگا۔ملائکہ عذاب کنندہ کھڑے ہونگے۔نامۂ اعمال اُسکے دائیں یا بائیں ہاتھہ میں دینگے جو کچھہ اُس نے دنیا میں کیا ہے اُسمیں لکھا ہوگا۔اگر اُسکی نافرمانی نیکیوں پر غالب ہوگی تو اُسکو مقامِ مواخذہ و عذاب میں لائینگے تو اُسوقت کتے اور سور کی حالت پر حسرت لیجائینگے اور کہینگے (یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا) کاش ہم خاک ہوتے اور یہہ روزِ سیاہ نہ دیکھا جاتا۔کوئی شک نہیں کہ بندۂ گنہگار سے حال چارپایوں کا بہت بہتر ہوگا کیونکہ اُنھوں نے پروردگار کا کوئی گناہ نہیں کیا۔وہ مقامِ مواخذہ و عقاب میں گرفتار نہیں ہوئے آہ آہ کیا مواخذہ کیا عذاب ہوگا اگر اہلِ دنیا کسی عذاب شدہ کی حالت کو دیکھیں تو فریاد کھینچیں۔اگر اُسکی بدبو سونگیں تو سب مرجائیں پس تعجب ہے اُس شخص سے جو عجب و ناز کرے اپنے حال سے غافل رہے اپنے انجام کو بھولجائے۔اگر خدا کے عذاب سے نجات ہوئی دوزخ کی آگ سے خلاصی ہوئی

تو یقین کیجئے کہ یہہ خداوند عالم کی بخشش ہے کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے گناہ نہیں کیا
ہر گناہگار مستحق عذاب ہے اُسکو عذاب نکیا جاے تو خدا کی بخشش ہے اور یہہ بخشش وہ چیز ہے
جسے آدمی نہیں جانتا کہ اُسکو نصیب ہوگی یا نہیں اسلئے اُسکو ہمیشہ محزون و ترساں رہنا ہے
نہ یہہ کہ عجب و بزرگی کرے۔ غور کیجئے کہ اگر کسی نے پادشاہ کی نافرمانی کی ہو تو وہ لائق سیاست
ہوگا اُسکو قید خانہ میں محبوس کرینگے کہ پادشاہ کے سامنے لیجاکر سیاست کریں وہ نہیں جانتا
کہ جب اُسکو پادشاہ کے سامنے لیجائینگے تو وہ اُسکو عفو کریگا یا نہیں۔ کیا ایسا شخص اُس حالت میں
کوئی غرور و عجب کرسکتا ہے۔ پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو اور
جو لائق سیاست پروردگار نہو۔ وہ قید خانۂ دنیا میں اُسوقت تک محبوس ہے کہ اُسکو مقام
حساب پر لیجائیں۔ وہ نہیں جانتا کہ اُسکا کیا حال ہوگا وہ کیونکر عجب و بزرگی کرسکتا ہے جو
بیان کہ گزرا وہ عجب کا معالجۂ اجمالی تھا معالجۂ تفصیلی یہہ ہے کہ جس سبب سے عجب کرتا
اُسکا اسطرح علاج کرے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے زیادتی علم معرفت۔ عبادت اور کمالات
نفسانیہ مانند زہد۔ شجاعت سخاوت۔ حسب نسب۔ جمال۔ مال۔ جاہ۔ عقل۔ سبب
زیادتی عجب ہیں علم میں عجب کرنا اُسکے دفع کا علاج یہہ ہے کہ معلوم کرے کہ علم حقیقی وہ ہے
کہ آدمی اُس سے پہچانا جائے اُسکو خطر و تشویش سے خاتمہ کے اور اُسکو عظمت و عزت و جلال
خداوندی سے آگاہ کرے اور سمجھے کہ وہ سزاوار بزرگی کبریا ہے اور بس۔ سوائے اُسکے جو کچھ ہے
وہ ہیچ و نابود ہیں بکمال وصفات جلال اُس سے مفقود ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ علم خوف و ذلت
و خواری کو زیادہ کرتا ہے آدمی اپنے قصور و تقصیر کا اعتراف کرتا ہے۔ اسیوجہ سے کہتے ہیں کہ
جسکا علم زیادہ ہے اُسکا دردِ دل زیادہ ہے جو علوم آدمی کو اُسیطرح نہیں کرتے وہ علوم دنیویہ ہیں
وہ حقیقتاً علوم نہیں۔ بلکہ حرف و صنائع میں یا اُنکا جاننے والا خبیث النفس و بداخلاق ہے۔

دل کو پاک کرنے اور خباثت کو زائل کرنے کے بغیر مشغول علم ہو تو گویا دل کی کھاری زمین
میں اُس درخت کو بویا ہے پس سوائے میوہ بدی کے اُسکو کوئی دوسرا ثمرہ نہیں دیگا۔
علم مانند بارش کے ہے کہ آسمان سے نیچے آتی ہے جو نہایت صاف و خوشگوار ہے تمام
درخت و گیاہ اُس سے سیراب ہوتے ہیں پس وہ درخت جسکا میوہ شیرین ہے اُسکو
وہ پانی ملا تو زیادہ شیرین ہوتا ہے۔ ایسا ہی علم بھی جب زمین دل پر متاثر ہو تو دل
ناپاک و خبیث کو زیادہ تر خبیث و سیاہ کرتا ہے۔ اور دل پاک کی صفا و روشنی کو زیادہ
کرتا ہے جب آدمی کو علم حاصل ہوا تو معلوم کریگا کہ علم میں عُجب کرنا حمق و جہالت ہے
علم کا ثمرہ یہہ ہے کہ معلوم کرے کہ جو کوئی عُجب کرتا ہے اُسکو خدا دشمن رکھتا ہے خدا کو
ذلت و پستی و حقارت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ خدا نے فرمایا ہے
کہ جب تو اپنے کو بیقدر کریگا تو میرے نزدیک تیرا قدر و مرتبہ بلند ہوگا۔ اور جب تو اپنی قدر
جانیگا تو میرے آگے تیری کوئی قدر نہوگی۔ پھر فرمایا کہ اپنے کو حقیر و سبک سمجھو تا میں تمکو عظمت
دوں۔ پس عالم کو ضرور ہے کہ ایسا یہہ رویّہ اختیار کرے اور جانے کہ اسپر خدا کا حکم زیادہ شدید
اور اُسکی حجت زیادہ محکم ہے۔ جاہل سے جو کچھہ درگزر کیا جاتا ہے اسکا دسواں حصہ بھی عالم
سے درگزر نہیں کرینگے کیونکہ اگر عالم سے لغزش ہو تو ایک جماعت کثیر سے لغزش ہوتی ہے۔
جو کوئی علم و معرفت رکھنے کے بعد معصیت کرے تو معلوم ہوا کہ اُسکے باطن میں بالضرور
زیادہ خباثت ہے۔ اسیوجہ سے حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ عالم کو قیامت میں لائینگے اُسکو دوزخ
کے اطراف پھرا کر جہنم میں اسطرح ڈالینگے کہ اُسکی انتڑیاں جسم سے باہر آئینگی جسکو تمام اہل جہنم
مشاہدہ کرینگے جب اُسکی وجہ دریافت کیجائیگی تو وہ کہیگا کہ میں آدمیوں کو بخوبی تعلیم دیتا تھا
اور خود عمل نہیں کرتا تھا سب کو بدی سے منع کرتا تھا اور خود اسکا مرتکب ہوتا تھا خداوند عالم نے

قرآن مجید میں عالم بیہود کی مثال گدھے سے دی ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ستر گناہ جاہل کے بخشے جائینگے قبل اسکے کہ عالم کا ایک گناہ بخشا جائے جو عالم آدمیوں کو فروتنی و انکساری کا حکم دے کبر و عجب سے منع کرے اور خود تکبر و عجب کرنیوالا ہو تو البتہ وہ اُن علما اور اُن اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا اور بیجہ اُن صاحبانِ عذاب میں سے سمجھا جائیگا جنکی نسبت بیجہ اخبار آئے ہیں علاوہ اُن گناہوں کے جو اُس سے صادر ہوتے ہیں اس زمانہ میں کون عالم پایا جاتا ہے کہ جسنے اپنے علم پر عمل کیا اور حکم پروردگار کو تسلیم کیا ہو اپنے تمام اعمالِ ظاہرہ و صفاتِ باطنہ کی صحت کی ہو۔ لہذا اُسکی تشویش و تکلیف دوسروں سے زیادہ ہے۔ ایکروز حذیفہ نے نمازِ جماعت پڑہا کر کہا کہ دوسرا امام اپنے لئے تلاش کر لو یا تنہا نماز پڑہا کرو کیونکہ میرے دل میں گذرا ہے کہ تم لوگوں میں سوائے میرے کوئی بہتر نہیں ہے جب اُنکے مانند کسی نے شیطان سے خلاصی نہیں پائی تو کیونکر کم درجہ والے امت کے اُسکے مکر سے نجات پاسکتے ہیں خصوصاً اس زمانہ میں کوئی عالمِ آخرت نہیں ہے۔ ہاں عالمِ آخرت کی علامت یہہ ہے کہ وہ عالم اپنی حالت کو درست کرکے خدا کی عبادت میں مصروف رہکر ابنائے روزگار اور دوستوں سے کنارہ کش ہو۔ دنیا اور اُسکی نعمت سے دور رہے۔ دنیا کی عزت اُسکی نظر میں خوار و بیقدر ہو۔ اُسکو خدا کا خوف اندہیری راتوں میں بستر سے اُٹھائے طاعتِ خدا بجالانے میں کسی تکلف و بلا کا شکوہ نکرے کسی درد کی اُسے شکایت نہو۔ اُسے فکر ہو تو اسی بات کی اور اُسکی زبان پر ذکر ہو تو اسی امر کا۔ افسوس اس زمانہ آخری میں ایسے لوگ کہاں ؎ حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند ٭ تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند ٭ بلکہ اس زمانہ میں ایسا عالم کم ہے جو سوائے صاحبِ دولت و اہلِ دنیا کے کسی کے ساتھ فروتنی و تواضع سے پیش آئے فقیروں اور

غریبوں سے تکبر نکرے اُسکا مطلب تحصیل علم سے قرب و رضائے خدا ہو پس علما کو ضرور ہے
کہ اپنے کردار و گفتار میں تامّل کریں جب اُنسے سوال کیا جائے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ اپنے نفس کی
خرابی کو پہچانیں عُجب و تکبر نکریں۔ اب اگر عبادت و طاعت کے سبب سے عجب لاحق ہو تو جاننا
چاہئے کہ عبادت کی غرض یہہ ہے کہ نفس انسانی اظہارِ ذلت کرے اور ذلت و خواری کا ملکہ
پیدا ہو تاکہ بندگی کے معنی اور اُسکی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔ چونکہ عُجب اُسکے منافی
ہے اور عبادت کو باطل کرتا ہے پس اُسکے باطل ہونیکے بعد پھر اُسپر عُجب کرنا کیا معنی رکھتا ہے
بلکہ وہ عبادت جسپر عُجب کیا جائے اُس سے ترکِ عبادت بہتر ہے ؎ گنہگارِ اندیشناک از خدای
بسی بہتر از عابدِ خود نمای۔ علاوہ اسکے عبادت کے شرائط و آداب بہت ہیں اور بغیر کسی ایک
کے بھی عبادت فاسد و بے اعتبار ہوتی ہے اور وہ خرابیاں جنکے باعث عبادت ضایع ہوتی ہے
بیشمار ہیں۔ لہذا جس عبادت کی شرط میں احتمالِ خلل یا کوئی آفت عارض ہو تو اُس سے فاسد ہونیکا
احتمال باقی رہتا ہے۔ پس ایسی عبادتِ مشکوک پر عاقل کیونکر عُجب کرسکتا ہے اور کون شخص دعوی
کرسکتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اُسکی عبادت تمام شرائط و آداب کے موافق اور تمام خرابیوں سے
مبرّا ہے بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں اور اُسکی حقیقت سے جاہل۔ علاوہ اسکے اگر تمام اہل عالم
اپنی عمر کو طاعت و عبادت میں صرف کریں تو اُنکی عبادت درگاہِ خداوندی میں کوئی وقعت
نہیں رکھتی۔ بالفرض اگر کوئی عبادت کسی خرابی سے پاک بھی ہو اور اُسکا انجام و عاقبت نیک بھی
ہو مگر اپنے آخر وقت تک کیونکر کسیکو اطمینان ہوسکتا ہے۔ پس عبادت و طاعت میں اگر عُجب کیا
جائے تو وہ عبادت و طاعت نہیں ہے بلکہ حمق و جہالت ہے۔ اسیطرح زہد و تقوی۔ صبر و شکر
شجاعت و سخاوت اور سوائے اسکے دیگر صفاتِ کمالیہ نفسانیہ میں عُجب ہو تو اُسکا معالجہ یہہ ہے
کہ یہہ صفات اُسوقت نافع و موجبِ نجات ہوسکتے ہیں جب عُجب نکیا جائے اور اگر عُجب کیا گیا

تو صفاتِ مذکور ضایع و فاسد ہو جائینگے۔ پس وہ کون عاقل ہے جو اس خراب صفت کی پیروی
کرے جس سے تمام صفاتِ نیک ضائع ہوں۔ اور کیونکر فروتنی و ذلت اختیار نکرے جس سے اُسکی
فضیلت زیادہ اور عاقبت نیک ہو۔ غور کرنا چاہئے کہ منجملہ صفاتِ مذکورہ کے جو صفتِ نیک
بھی کسی میں ہے اُسمیں اور بہت سے لوگ بھی اُسکے شریک ہیں پس ایسی شئے جس میں اکثر مردم شریک
ہوں کیونکر باعثِ عُجب و غرور ہو سکتی ہے پس اسطرح غور کرنا باعثِ زوالِ عُجب ہوتا ہے
کہا جاتا ہے کہ ایک شجاعِ روزگار لڑائی کے وقت جب دشمن کے مقابل میں آتا تھا تو اُسکا رنگ
زرد ہو جاتا تھا اُس کا دل پریشان ہوتا تھا اور اُسکے ہاتھ پاؤں کانپتے تھے۔ اُس سے دریافت کیا
گیا کہ باوجود شجاع نامدار ہونیکے پھر تیری کیا حالت ہے اُس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دشمن
کی آزمایش نہیں کی شاید وہ مجھ سے زیادہ شجاع ہو علاوہ اِسکے غلبہ و عاقبت نیک اُس شخص
کے لئے ہے جو اپنے کو ذلیل و خوار سمجھے نہ یہہ کہ آپ اپنی قوّت و شجاعت پر مغرور ہو (اِنَّ اللہَ
عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُہُمْ) خدا شکستہ دلوں کے نزدیک ہے۔ دوسرا علاج عُجب کا یہ ہے
کہ تامّل کرے کہ یہہ صفت جسپر عُجب کرتا ہے کہاں سے حاصل ہوئی ہے اُسکے حصول کی توفیق
کسکی جانب سے ہے اگر ایسا جانے کہ تمام یہہ نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں تو اُسکے جود و کرم پر عُجب
کرنا اور اُسکے فضل و توفیق پر شاد و فرحناک ہونا چاہئے جس نے بغیرِ استحقاق کے ایسی فضیلت
اُسے کرامت فرمائی ہے۔ اور اگر ایسا جانیگا کہ بطورِ خود اپنی قوّت سے یہہ صفت حاصل کی ہے
تو عُجب و جہل و نادانی ہے۔ بعضے روایات میں وارد ہوا ہے کہ جسوقت حضرت ایوب پیغمبر علیہ السلام
مبتلا ہوئے ایک زمانہ بعید طرح طرح کی محنت و بلا و رنج میں گزرا تو ایک روز عرض کیا کہ اے
پروردگار تو نے مجھکو اس بلا میں مبتلا کیا ہے اور کوئی امر میرے واسطے ظاہر نہیں ہوا لیکن ہمیشہ
میں نے تیری رضا کو طلب کیا اور تیری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم سمجھا۔ پس ایک ٹکڑا

ابر کا اُن کے سر پر آیا اور اُس میں سے دس ہزار آواز یں نکلیں کہ اے ایوب یہہ صفت تجھکو کہاں سے حاصل ہوئی پس ایوب نے تھوڑی خاک اپنے سر پر ڈالی اور کہا (مِنْكَ يَا رَبِّ) اے پروردگار یہہ بھی تیری عنایت کی ہوئی ہے اسیوجہ سے سید رسل نے فرمایا ہے کہ کوئی ایسا نہیں کہ اسکا عمل و طاعت اُسکی نجات کا باعث ہو عرض کیا گیا کہ آپ بھی اسطرح میں فرمایا میں بھی ایسا ہوں مگر یہہ کہ خدا کی رحمت مجھکو گھیرے ہوئے ہے اب حسب و نسب پر عجب کرنیکے علاج میں چند چیز کا جاننا ضرور ہے۔

(۱) یہہ کہ جاننے دوسرے کے کمال پر فخر و بزرگی کرنا نادانی و بیوقوفی ہے کیونکہ جو کوئی خود ناقص و بے کمال ہو اُسکو باپ دادا کا کمال کیا فائدہ بخشتا ہے بلکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کہتے کہ یہہ فضیلت ہماری ہے تجھکو کیا فضیلت حاصل ہے۔ تیری حقیقت یہہ ہے کہ اُنکے فضلہ کا ایک کیڑا ہے جو کیڑا آدمی کے فضلہ سے اور جو گدھے کے فضلہ سے پیدا ہو دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں جسکے باپ دادا کو کوئی کمال حاصل ہو اُسکو دوسرے پر جسکا باپ دادا کمال نرکھتا ہو کیا شرف حاصل ہو سکتا ہے شرافت خود انسان میں ہونا چاہئے اسیوجہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ میں بذاتِ خود صفتِ فضیلت رکھتا ہوں اور میری کنّیت میرا ادب ہے خواہ عجم سے ہوں یا عرب سے بہ تحقیق کہ جوانمرد وہ ہے کہ کہے کہ میں وہ شخص ہوں نہ یہہ کہ کہے کہ میرا باپ ایسا یا ویسا تھا مروی ہے کہ ایکدن حضرت رسول صلعم کی خدمت میں ابوذر نے کسی شخص سے کہا کہ اے سیاہ زادہ۔ حضرت نے فرمایا کہ اے اباذر۔ سفید زادہ کو سیاہ زادہ پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اباذر نے تواضع کی اور اُس مرد کے پاؤں چومے۔ جب بلالِ حبشی نے فتح مکہ کے روز بامِ کعبہ پر اذان کہی ایک جماعت نے کہا کہ اس حبشی نے اذان دی ہے اُسوقت یہہ آیہ نازل ہوا کہ (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ) خدا کے نزدیک زیادہ کریم و بہتر وہ ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے۔ ایک بزرگ یونان نے کسی غلام پر

فخر کیا تو اُس غلام نے کہا اگر تیرا فخر تیرے باپ دادا سے ہے تو وہ لوگ بہتر ہیں نہ کہ تو اگر سبب
اُس لباس کے ہے جو تو نے پہنا ہے تو شرافت تیرے لباس کی ہے نہ کہ تیری نہ اگر اُس گھوڑے کی وجہ سے
کی ہے جسپر تو سوار ہوا ہے تو فضیلت تیرے گھوڑے کی ہے تیری نہیں ہے۔ پھر کس چیز پر تو عجب و
افتخار کرتا ہے اسیوجہ سے صاحبِ مکارمِ اخلاق و سید اہلِ آفاق نے فرمایا کہ اپنے حسب
و نسب کو میرے پاس نہ لاؤ بلکہ اپنے اعمال کو لاؤ۔

(۲) یہہ کہ تامل کیجئے اگر آپ اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں تو کسلئے اپنے نسب حقیقی کو فراموش
کرتے ہیں۔ بدر نزدیکی آپکا نطفۂ خبیث ہے اور آپکا جدِ اعلیٰ خاکِ ذلیل سے پیدا کیا گیا ہے
خداوند عالم نے اصل نسب کو ہر کسی کے بیان فرمایا ہے کہ (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ) خلاصہ معنی یہہ کہ
خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور نطفہ اُسکی نسل کا آبِ خراب سے مقرر کیا جسکا دادا ذلیل
و حقیر اور جسکا باپ ہر چیز کو نجس کرنیوالا ہو کیا مرتبہ و منزلت اُسکو حاصل ہوگی۔

(۳) یہہ کہ اُن بزرگوں پر نظر کیجئے جنپر عجب و افتخار کیا جاتا ہے اگر وہ نیک و صاحب
مکارمِ اخلاق اور بزرگی و شرافت تھے تو کوئی شک نہیں کہ اُنکا طریقہ ذلت و شکستہ نفسی
ہوگا پس اگر اُنمیں یہہ صفتِ نیک تھی تو کسواسطے آپ میں وہ صفت نہیں ہے۔ اور اُنکی پیروی
نہیں کرتے۔ اور اگر یہہ صفتِ پسندیدہ اُنمیں نہ تھی تو پھر کسواسطے اُنپر افتخار کیا جاتا ہے جبکہ اُنپر
بھی وہی عجب طعن عاید ہوتا ہے اور اگر وہ واقعی نیک تھے بلکہ یہی بزرگی ظاہری و شوکتِ
مستعار اُن کو بھی حاصل تھی مثلاً بادشاہ و حکامِ ظالم و امیرِ بے دیانت مثل صاحبانِ مناصب
دنیویہ تو اُنپر افسوس ہے جو ایسوں پر افتخار کرتے ہیں اور اُنپر وائے ہو کہ ایسے اشخاص کو باعثِ
بزرگی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ بہ نسبت اُنکی قرابت کے چارپایوں اور کتے اور سؤر کی قرابت

بہتر ہے۔ اور کیونکر ایسا نہو در آنحالیکہ وہ خداوندِ عظیم سے دور اور عذاب میں ہیں اگر انکی صورت جہنم میں دیکھیں اگر انکی خرابی کو ملاحظہ کریں تو ضرور انکی قرابت سے بیزاری اختیار کیجائیگی۔ اسیوجہ سے حضرت پیغمبر نے فرمایا ہے کہ جو قوم اپنے باپ دادا پر فخر کرتی ہے پس وہ اگر اہلِ جہنم میں اور خدا کی درگاہ سے دور ہیں تو انکو ترک کرنا چاہئے۔ مروی ہے کہ دو آدمی حضرت موسیٰ کے سامنے افتخار کرتے تھے ہر ایک کہتا تھا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں یہانتک کہ نو پشت تک ہر ایک کا نام بتلاتا تھا خدا نے حضرتِ موسیٰؑ کو وحی کی کہ انسے کہے کہ وہ تمام اہلِ جہنم سے ہیں اور تم بھی۔ اب حسن و جمال پر عجب کرنیکا علاج یہہ ہے کہ سوچ لے کہ اسکو بہت جلد زوال ہوتا ہے تھوڑی بیماری و علّت میں جمال زائل اور حُسن باطل ہوجاتا ہے کون عاقل ایسی چیز پر عُجب کرسکتا ہے کہ جسکو ایک رات کا بخار زائل کردے۔ یا ایک دنبل اور پھوڑا اُسے فاسد کر ڈالے اور اگر کوئی بیماری و مرض بھی زائل نکرے تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ جوانی کے جانے پر اور پیری کے آنے پر اس بہارِ حسن و جمال پر بھی خزاں آجائیگی وہ چاشنیِ موت جسکا مزہ سبکو چکھنا ضرور ہے اسکو تباہ و برباد کریگی۔ غور کیجئے جو صورتِ زیبا و قامتِ رعنا و بدنِ نازک ہے کیونکر خاک میں خراب و بدبو ہوگا جس سے ہر ایک نفرت کریگا۔ علاوہ اسکے اپنے حسن و جمال پر نظر کیجئے کہ کونسی اخلاطِ بدبو جمع ہوکر خون اور پیپ بنکر ایک شکل حاصل ہوئی ہے جو کوئی اپنے حسن و جمال پر ناز کرتا ہے عُجب و غرور سے کام لیتا ہے اگر وہ نظرِ عقل سے دیکھے تو غرور کو ترک کردیگا۔ اوّل خود اپنے کو دیکھے کہ انسان کا کونسا عضو کثافت سے لبریز نہیں ہے۔ منھ ایک پانی کا چشمہ ہے۔ اگر کوئی چیز اس میں آلودہ ہو تو خود آپ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ آپکی ناک کثافت سے بھری ہے۔ اگر ظاہر ہو تو خود شرمندہ ہوتے ہیں۔ اگر آپکے جسم کے پوست کو کسی جانب سے شگافتہ کریں یا کسی عضو کو کاٹیں تو خونِ نجس اور پیپ

باہر آتی ہے معدے اور انتڑیوں میں فضلہ اور مثانہ پیشاب سے بھرا ہوا ہے پیٹ میں کیڑے
اور پتّے میں صفرا اور باطن میں بلغم موجود ہے۔ روزانہ کم از کم دو وقت حاجتِ ضروری کی ضرورت
ہوتی ہے۔ جو ہاتھ اپنے حسن و جمال پر پھیرا جاتا ہے اُسی ہاتھ سے نجاست کو پاک کرتے ہیں
جو کچھ باہر آتا ہے اُسکے دیکھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ اُسکو نہیں سونگھ سکتے یا ہاتھ نہیں
نہیں لے سکتے۔ اگر ایکروز متوجہ نہوں اور اپنے کو پاک نکریں تو میل اور بدبو جسم سے آتی ہے۔
اور لباس میں جوئیں پڑ جاتیں ہیں۔ یہہ حال درمیانی ہے آپکی ابتدائی پیدائش تمام اشیائے
کثیف اور نجس سے ہے کیونکہ آپکا مادۂ خلقت منی و خونِ حیض ہے مقامِ گذر و قرار پیٹ اور
عضوِ مخصوص و رحم ہے۔ اگر اپنے آخر کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مردار گندیدہ اور تمام نجاسات
سے مملو ہے جسکے حسن و جمال کی حقیقت یہہ ہو اُسکو عُجب و غرور سے کیا کام ہے اب مال میں
رفعِ عُجب کا علاج یہہ ہے کہ مال کی خرابیوں کو نظر میں لائیے اور فکر کیجئے کہ مال کو زوال و
فنا ہے بقا نہیں ہے۔ کبھی ظلم و ستم سے چھین لیا جاتا ہے کبھی آگ میں جلتا ہے کبھی پانی میں ڈوب جاتا ہے
کبھی چور لیجاتے ہیں کبھی کوئی دہوکا دیکر کہا جاتا ہے سوائے اِن کے آفتِ سماوی و ارضی سے
مال غارت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بہت سے یہود و ہنود مالدار ہیں اُسکی شرافت پر تُف
ہے جسکے باعث یہود و ہنود زیادہ تر مالدار ہوں جسکو چور لیجائے۔ مالدار کو مفلس و ذلیل
بنائے علاوہ اِسکے جو آیات و اخبار مذمّتِ مال و حقارت میں مالداروں کے آئے ہیں نیز
اُنکی فضیلت میں جو فقر و عُسرت کے سبب سے روزِ قیامت مستحقِ بہشت ہونگے۔ اُنکو ملاحظہ کیجئے
جیساکہ اِسکے بعد اُسکے مقام پر بیان کیا جائیگا کیونکر عاقل دیندار مال سے شاد و خوشحال
ہوسکتا ہے اور اُسپر عُجب کر سکتا ہے۔ درانحالیکہ بہت سے حقوق منجانب پروردگار اُسکے
متعلق ہیں۔ اور اُن تمام سے عہدہ برآ ہونا نہایت دشوار و مشکل ہے اُسکے حلال میں حساب

مرتبہ روز قیامت دخول حساب ہے اُسکے حرام میں مواخذہ و عذاب ہے بلکہ مال کے جمع و
خرچ کی فکر میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں حقیقتاً قیمت مرد کی کمال و ہنر سے ہے سیم و زر سے
نہیں ہے بزرگی و شرف خداوند عالم کی بندگی سے ہے۔ فوج و لشکر سے نہیں ہے اسیطرح
قوت و قدرت پر عجب کرنیکا علاج یہہ ہے کہ خیال کیجئے کہ امراض و تکالیف کو خدا نے بدن پر
مسلط کیا ہے اور ایک رات کے بخار میں آپکی قوت ضعیف اور آپکا بدن لاغر و نحیف ہوتا ہے
اگر بدن کی ایک رگ باہر آئے تو عاجز ہو جائینگے۔ وہ شخص احمق ہے جو اپنی قوت و قدرت
پر ناز کرے حقیقت یہہ ہے کہ اگر چونٹی آپکے کان میں داخل ہو تو رات دن فریاد کرینگے۔ اگر کوئی
کانٹا آپکے پاؤں میں چبھے تو عاجز ہونگے۔ اگر کچھہ خاک آپکی آنکھہ میں پڑجائے تو آپ بیچین ہونگے
آپکو جو کچھہ قوت و گنجی ہے گدھے گائے۔ اونٹ سے زیادہ نہو گی۔ کیا عجب و افتخار۔
اسمیں ہو سکتا ہے جبمیں گدھے گائے آپ سے زائد و بہتر ہیں۔ علی ہذا جاہ و منصب
و قرب پادشاہ و کثرت انصار و اولاد و خویشان و خدم حشم کے باعث عجب کرنیکا علاج
یہہ ہے کہ یہہ ایک مرض ہے کہ اہل دنیا اس میں مبتلا ہیں۔ اسیوجہ سے زیر دست و مساکین
انکے غرور سے تکلیف میں ہیں۔ وہ ماتحتوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں ہر کسی سے امید
خوشامد و عاجزی رکھتے ہیں۔ اس امر سے غافل ہیں کہ تمام ریاست دنیوی فنا و زائل ہونے
والی ہے جو شخص عقل سے کام لے تو معلوم ہو گا کہ یہہ جاہ و منصب مانند سراب کے ہے۔ جو
جنگل کے پیاسوں کو فریب دیتا ہے ایک پلک مارنے میں تخت و تاج و جاہ و ریاست
چھوٹ جائینگے۔ خانہ گور میں تنہا و ذلیل خاک پر سونا ہو گا اُسوقت کوئی فریاد رس نہو گا نہ مال
نہ دولت و جاہ و حشم۔ فرزند و اقارب تھوڑی دور آکر داخل قبر کرکے کیڑوں اور سانپ
بچھو کے سپرد کرکے گھر کو واپس ہو جائینگے۔ حالانکہ دنیا میں اُنکی خواہشات پورا کرنے میں

کیسی کیسی تکالیف برداشت کیگئیں روپیے پیسے جان و مال سے اُنکی اعانت و یاری میں مصروف رہے جب آپ نے اُنکو سالہا سال تک نعمت سے سرفراز اور اُنکی تمام ضروریات کو مہیا کیا تو خوشامد کرتے رہے اور جب کسی روز اُنکی خواہش پوری نکی تو آپکی اطاعت سے مُنہ موڑا بلکہ دشمنی پر آمادہ ہوکر ہر ایک سے آپکی عیب جوئی اور غیبت کرنی شروع کر دی جیسا اِس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے پس ایسی چیزوں پر مغرور ہونا عاقل کا کام نہیں ایسا ہی زیادتی عقل پر عُجب کرنا بھی علامتِ بیعقلی و بیوقوفی ہے کیونکہ عاقل عُجب نہیں کرتا بلکہ اپنی عقل کو حقیر سمجھتا ہے اگر کسی مقام میں اُسکی تدبیر نیک اور پوری ہوئی تو اُسکو منجانب خدا سمجھتا ہے شکر کرتا ہے اپنی رائے اور تدبیر پر عُجب کرنا بدترین اقسامِ عُجب ہے صاحبانِ عقل و ہوش کے نزدیک اگر وہ رائے غلط ہی ہو تو اُسکی نظر میں بلحاظ جہلِ مرکب ٹھیک اور صحیح دکھائی دیتی ہے اُسکا ہی سبب ہے کہ تمام اہلِ بدعت و ضلال اپنی گمراہی و ضلالت پر مصر ہیں اور اپنی آرائے فاسدہ پر عُجب و افتخار کرتے ہیں اسیوجہ سے بہت سی اُمتیں ہلاک ہوئی ہیں اسلئے کہ ہر ایک نے اپنی رائے مختلف پیدا کی ہے اور ہر ایک عُجب سے کام لیتا ہے (کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ) پیغمبر خدا نے خبر دی ہے کہ اس قسم کا عُجب اہلِ آخر الزماں پر غالب ہوگا اسکا علاج تمام اقسام سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس صفت والا اپنی غلطی سے غافل اور اپنی خطا سے جاہل ہوتا ہے ورنہ وہ ہرگز اُسے اختیار نکرتا اب کوئی اپنے مرض کو ہی نہ جانے تو کیونکر اپنا معالجہ کریگا پس یہ مغرور و خود پسند دوسروں کی بات ہی نہیں سنتا بلکہ اُن پر تہمت رکھتا ہے فی الجملہ علاج اِس مرض کا یہ ہے کہ آدمی اپنے ذہن پر بہتان کرے اُسپر مطمئن و مغرور نہو جبتک کہ حجتِ قوی عقل و شرع کے ماتحت نہ رکھتا ہو اور دلائلِ قطعیہ کو عقل و شرع سے اور متعلقاتِ سہو و خطا کو براہین سے نہ پہچان سکتا ہو اور یہ پہچاننا ملاحظہ قرآن و حدیث

ومصاحبت اہلِ علم وعقلِ کامل پر موقوف ہے لیکن باوجود اسکے بھی خطا و غلطی ہوتی ہے
پس بہتر یہہ ہے کہ آدمی اپنی فکر و اہلِ مذہب فاسدہ کی متابعت نکرے اور طریقۂ خاندانِ
رسالت سے قدم باہر نرکھے۔

فصل (۴) اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھنے کی شرافت

واضح ہو کہ صفتِ عُجب وخود نمائی کی ضد اپنے کو حقیر و ذلیل جانتا ہے
یہہ صفت بہت بہتر ہے اسکا فائدہ دنیا و آخرت میں بحیات ہے
یہہ صفت مرتبہ بلند پر پہنچاتی ہے جس نے اپنے کو ذلیل سمجھا تو
خدا نے اُسکو عزیز کیا جس نے اپنے کو حقیر جانا تو خدا نے اُسکو سرفراز کیا۔ خدا شکستہ دلوں میں ہے
اور شکستہ دلوں کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ دو ملک
ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے اپنے کو بزرگ سمجھا اور سر اُٹھایا تو وہ ملک کہتے ہیں کہ اے خدا اسکو ذلیل کر
اور اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا تو کہتے ہیں کہ ایخدا اسکو سرفراز و بلند کر۔ مروی ہے کہ خدا نے
موسی بن عمران کو وحی کی کہ اے موسی تمکو کس واسطے برگزیدہ اور تکلّم کے لئے انتخاب کیا۔ عرض کیا
کہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ میں تمام بندوں کے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں میں نے
کسیکو اِس لایق نہیں سمجھا۔ بہ تحقیق کہ ہر وقت تو میری نماز پڑھتا ہے اور اپنے مُنہ کو خاک پر رکھتا ہے
بعضے روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب خداوند عالم نے پہاڑوں پر وحی کی کہ میں نوح کی کشتی کو
کسی پہاڑ پر ساکن کرونگا تو تمام پہاڑوں نے اپنا سر بلند کیا۔ مگر جودی پہاڑ جو اپنے کو حقیر سمجھا تھا
کہنے لگا کہ بمقابلہ اِن پہاڑوں کے کہاں وہ کشتی مجھپر ٹھہرے گی۔ پس وہ کشتی اُس پہاڑ پر
ساکن ہوئی شکستہ نفسی کا بہت بڑا فائدہ یہہ ہے کہ ایسا شخص تمام آدمیوں کے نزدیک بزرگ
و محترم رہتا ہے سب اُسکو دوست رکھتے ہیں بخلاف اُس شخص کے جو اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے
بالضرور اُس سے تمام آدمی نفرت کرتے ہیں۔

پندرہویں صفت حقیقتِ تکبر اور اُسکا فساد

واضح ہو کہ صفتِ تکبر تمام صفاتِ خبیثہ سے بُری ہے اِس صفت والا اپنے کو دوسرے سے بلند مرتبہ
والا اور بہتر سمجھتا ہے تکبر و عُجب کے درمیان فرق یہہ ہے کہ صاحبِ عُجب محض خود پسند ہوتا ہے
وہ دوسرے پر فوقیت کا خیال نہیں کرتا لیکن صفتِ تکبر میں دوسرے پر فوقیت کا خیال ضرور
ہوتا ہے اور وہ اپنے کو دوسروں سے بہتر اور بلند جانتا ہے یہہ صفت ایک حالتِ باطنی ہے
جسکے چند علامات و ثمرات ہوتے ہیں مثلاً دوسرے کو حقیر سمجھنا اپنے کو دوسرے پر بزرگ جاننا
یا کسی کے ساتھ ہمنشینی نکرنا یا ایک جگہہ نہ کھانا کسی کے بازو نہ بیٹھنا یا رفاقت نکرنا دوسرے کے
سلام کا منتظر رہنا کسی کے آگے چلنے میں سبقت اور بات کرنے میں بے التفاتی کرنا یا حقارت سے
بات کرنا کسی کی نصیحت کو بے وقعت سمجھنا اور خراماں خراماں چلنا یہہ تمام علاماتِ تکبر ہیں
کبھی بعض افعال حسد و کینہ یا ریا بھی اُس سے صادر ہوتے ہیں اگرچہ اپنے کو آدمی بسبب بعض
حالت کے بلند مرتبہ والا نہیں سمجھتا واضح ہو کہ اس صفت کی خرابیاں بیحد ہیں بہت سے
خاص و عام اُسکے ذریعہ سے ہلاک ہوئے ہیں بہت سے بزرگانِ دہر اُسکے سبب سے دامِ
شقاوت میں گرفتار ہو چکے ہیں یہہ ایک پردہ ہے کہ آدمی کو حصولِ فیض و مشاہدۂ جمالِ
سعادت سے باز رکھتا ہے کیونکہ یہہ صفت اخلاقِ حسنہ سے مانع ہوتی ہے جب اس
صفت کے ذریعہ آدمی اپنے کو بڑے رتبہ والا سمجھتا ہے تو تواضع و حلم و قبولِ نصیحت و ترکِ
حسد و غیبت سے باز رہتا ہے اسیوجہ سے آیات و اخبار میں اسکی بیحد مذمت کیگئی ہے
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے (یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ) خلاصۂ معنی
یہہ ہے کہ خدا تکبر کرنے والے کے دلپر مُہر لگا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ (اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْمُتَكَبِّرِیْنَ) خدا تکبر کرنیوالونکو دوست نہیں رکھتا ہے پھر فرماتا ہے (سَاَصْرِفُ

عَنْ آیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ) تکبّر کرنیوالونکا مُنہ اپنے آیات سے جلد پھیر دینگے
پھر فرماتا ہے (اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ)
جہنّم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ ہمیشہ اس میں رہو بیشک تکبّر کرنیوالوں کی جگہ بہت خراب
ہے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے کو بزرگ سمجھے اور راستہ چلنے میں تکبر کرے یعنے اکڑ کر چلے
تو پروردگار اُسپر غضبناک ہوگا خداوندِ عالم نے فرمایا کہ کبریائی و بزرگی و عظمت و برتری میرے لئے
سزاوار ہے اِنمیں سے کسی چیز میں بھی جو کوئی میرے ساتھ برابری کریگا تو اُسکو جہنّم میں ڈالونگا
فرمایا ہے کہ قیامت میں جہنّم سے ایک فرشتہ باہر نکلیگا جسکی گردن آگ سے بنی ہوگی جو دو کان
و دو آنکھ ایک زبان آگ کی رکھتا ہوگا اور کہیگا کہ میں تین طایفوں پر مُوکّل ہوں۔

(۱) جو تکبّر کرنے والے ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو سوائے خدا کے دوسرے کی پرستش کرتے ہیں۔

فرمایا کہ تین آدمی ہیں کہ خدائے تعالیٰ قیامت میں جنکے ساتھ بات نکریگا اُنکا عمل پاک نکریگا اور اُنکے
لئے عذاب سخت ہوگا۔

(۱) بوڑھا زناکار۔

(۲) بادشاہ جبّار و متکبّر۔

(۳) تکبّر کرنے والا۔

پھر انھیں حضرت سے مروی ہے کہ وہ بندہ خراب ہے جو تکبر کرے اور خدائے تعالیٰ کو
فراموش کرے۔ وہ بندہ خراب ہے جو لہو ولعب میں زندگی بسر کرے اور قبرستان کو اور
بدن کے بوسیدہ ہونیکو بھولجائے۔ نیز اُس جناب سے روایت ہوئی ہے کہ میرے زیادہ
دشمن آخرت میں اور مجھ سے زیاد دور رہنے والے فضول گو نزاکت سے بات کرنیوالے

اور تکبر کرنیوالے ہیں۔ نیز فرمایا کہ تکبر کرنیوالے قیامت میں باریک چیونٹیوں کی صورت میں محشور
ہونگے اُنکو تمام آدمی پائمال کرینگے کیونکہ وہ خدا کے نزدیک نہایت ذلیل و بیقدر ہیں۔ پھر
فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے اُسکو ہبہب کہتے ہیں۔ ہر جبار و متکبر کو اُسمیں جگہ دیجائیگی
کلام عیسیٰ ابن مریم میں ہے کہ زراعت زمین نرم میں اوگتی ہے سخت پتھر پر نہیں اوگتی ایسا
ہی دانائی و حکمت صاحبِ تواضع و فروتنی کے دل میں جگہ پکڑتی ہے۔ اور تکبر کرنیوالے
کے دل میں نہیں پکڑتی۔ نہیں دیکھتے ہو کہ جو کوئی سر اُٹھاتا ہے اُسکے سر کو چھت لگتی ہے۔
اور جو کوئی اپنے سر کو نیچے جھکاتا ہے اُسکے سر پر چھت سایہ کرتی اور اُسے چھپالیتی ہے۔
جب حضرت نوحؑ کا وقت رحلت قریب آیا تو اپنے فرزندوں کو طلب کیا اور کہا کہ تم کو
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہنے کا حکم دیتا ہوں اور ترک
بخدا اور تکبر سے منع کرتا ہوں ایکروز حضرت سلیمان ابنِ داؤد علیہ السلام نے مرغان
و جن و انس کو حکم کیا کہ بساط پر بیٹھیں جنکے ہمراہ ہزار نفر بنی آدم اور ہزار نفر جن تھے انکی
بساط اسقدر بلند ہوئی کہ ملائکہ کی تسبیح کی صدا آسمانوں سے اُنکے کان میں آتی تھی پھر
اسقدر نیچے آیا کہ اُنکے پاؤں دریا تک پہنچے۔ پھر ایک صدا بلند ہوئی کہ اگر تم میں سے کسی
کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوتا تو بلند ہونے سے پہلے اُسے زمین میں غرق کردیتا۔ حضرت
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ تکبر کرنیوالوں کے لئے جہنم میں ایک وادی ہے جسکو
سقر کہتے ہیں اُسنے زیادتیِ حرارت کی خدا سے شکایت کی۔ اور اجازت چاہی کہ نفس لے
پس ایک سانس لیا جسکے باعث جہنم جلگیا۔ پھر فرمایا کہ آسمان میں دو ملک ہیں جو بندوں پر
مؤکل ہیں جو کوئی تواضع کرتا ہے اُسکا بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ جو کوئی تکبر کرتا ہے اُسکا مرتبہ
پست کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ شخص جبار ملعون ہے جو خدا سے جاہل ہوا اور آدمیوں کو

حقیر سمجھتا ہو۔ فرمایا کہ کوئی بندہ نہیں ہے مگر یہہ کہ اسکو حکمت و دانائی دیگئی ہے ایک ملک اس حکمت کا نگہبان ہے اگر اُسنے تکبر کیا تو وہ کہتا ہے کہ خدا تجھکو ذلیل کرے لیکن وہ اپنی نظر میں اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے اور سب کی نظر میں حقیر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی نے تواضع و فروتنی کی تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ بلند کرے۔ پس جو اپنے کو سب سے حقیر سمجھتا تو اُسکا مرتبہ آدمیوں کی نظر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

فصل (۱) اقسام و مدارجِ تکبر

واضح ہو کہ تکبر کی تین قسمیں ہیں۔

پہلا خدا سے تکبر کرنا جیسا کہ نمرود و فرعون نے کیا یہہ بدترین اقسامِ تکبر ہے۔ بلکہ اعظم ترین کفر ہے۔ اِس کا سبب جہل و نافرمانی ہے اِس قسم کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے (اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ) بہ تحقیق میری بندگی سے جو لوگ تکبر و گردن کشی کرتے ہیں وہ ذلت و خواری کی حالت میں بہت جلد جہنم میں داخل ہونگے۔

دوسرے پیغمبرانِ خدا سے تکبر کرنا اپنے کو اُن سے بلند مرتبہ سمجھنا۔ اور اُنکی اطاعت سے باز رہنا مثلاً ابوجہل ایسے ہی اشخاص کہتے تھے (اَھٰؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنْ بَیْنِنَا) کیا یہہ وہی لوگ ہم میں سے ہیں جن پر خدا نے احسان کیا ہے اور کہتے ہیں (اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا) کیا ہم اپنے ہی جیسے آدمیوں پر ایمان لائیں یہہ قسم بھی خدا سے تکبر کرنیکی ہے۔

تیسرے بندگانِ خدا پر تکبر کرنا اپنے کو اُنسے بزرگ سمجھنا اور اپنے مقابل اُنکو پست و حقیر جاننا اگرچہ یہہ قسم برائی میں پہلی قسم سے بہت کم ہے لیکن یہہ بھی مہلکہ عظیمہ ہے بلکہ اکثر یہہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص خدا سے مخالفت کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے کیونکہ اس صفت والا جب کبھی امرِ حق کو کسی سے سنتا ہے تو اپنے کو اُس سے بزرگ سمجھکر اُسکی پیروی سے

عار و ننگ کرتا ہے۔ حالانکہ عظمت و تکبر و برتری و ناز و غرور ذاتِ پاکِ خداوند علی اعلی کے واسطے مختص ہے پس متکبر گویا خدا سے منازعہ کرتا ہے اور اپنے کو اُسکا شریک گردانتا ہے اور جسطرح تکبر کی تین قسمیں ہیں اُسیطرح اُسکے تین درجہ بھی ہیں۔

پہلا درجہ یہہ ہے کہ یہہ بُری صفت اُسکے دل میں قائم ہوجائے۔ وہ اپنے کو دوسروں سے بہتر و بزرگ سمجھے اور اُسکو اپنی گفتار و کردار میں ظاہر کرے مثلاً مجلس میں مقامِ صدر پر بیٹھے اپنے کو دوسروں پر مقدم رکھے اُن سے منہ پھیرلے ترش روئی کرے جو کوئی اُسکی تعظیم میں کوتاہی کرے اُس سے ناراض ہو فخر و مباہات سے کام لے اُن پر مسائلِ علمیہ و افعالِ عملیہ میں غالب ہونیکی کوشش کرے۔ یہہ درجہ بدترینِ درجات میں سے ہے کیونکہ درختِ کبر کی جڑ اُسکے دل میں جگہ پکڑتی ہے اُسکے شاخ و برگ بلند ہوتے ہیں۔ اور اُسکے تمام اعضا و جوارح کو گھیر لیتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہہ ہے کہ اُسکے دل میں کبر ہو اور تکبر کرنیوالوں کے افعال بھی اُس سے صادر ہوں لیکن وہ زبان پر نہ لائے یہہ ایک شاخہ درخت بہ نسبت پہلے درجہ کے کم درجہ رکھتا ہے۔

تیسرا درجہ یہہ ہے کہ دل میں اپنے کو بزرگ سمجھے لیکن گفتار و کردار میں کچھ ظاہر نکرے اور تواضع و فروتنی میں نہایت کوشاں رہے اُس شخص نے درختِ کبر کے شاخ و برگ کو قطع کیا ہے۔ مگر اُسکی جڑ اُسکے دل میں موجود ہے۔ ایسا شخص بھی ممکن ہے کسی نہ کسی وقت برتری کی طرف میل کرجائے لیکن اگر مقامِ مجاہدہ میں ہو تو اُسپر کوئی گناہ نہیں ہے خدائے تعالے اُسکی توفیق کرامت فرماتا ہے۔

فصل (۲)

آپکو معلوم ہوا کہ کامل ترین مہلکات و مانعِ وصولِ سعادت کبر ہے

معالجۂ تکبر | اس کا سبب حمق و سفاہت و بیخبری و غفلت ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور جو انکے درمیاں موجود ہے بمقابل مخلوقات کے ہیچ و بیمقدار ہے ایسا ہی زمین بہ نسبت آسمان کے اور موجوداتِ زمین بمقابل زمین کے اور حیوانات بمقابل انکے جو زمین پر ہیں اور انسان بہ نسبت حیوانات کے۔ پھر یہ غریب بیچارہ تکبر کرنیوالا بمقابل افرادِ انسان کے کیا چیز ہے کہ اپنے کو بزرگ و برتر سمجھے۔ آپ اپنے قدر و مرتبہ کو پہچانیں اور دیکھیں کہ آپ کون ہیں؟ دوسروں پر کیا بزرگی رکھتے ہیں؟ انسان اپنی ہستی پر غور کرے تاکہ ظلم و تکبر سے خلاصی ہو۔ آپ کی طرح خدائی میں بہت سے جانور ہیں اپنی ابتدا و آخر کو دیکھئے؟ اپنے باطن میں مشاہدہ کیجیے؟ ایک قطرۂ گندیدہ۔ ایک جسم نجس۔ ایک جانور متعفن۔ ایک عاجز بے دست و پا جو ہزار ضرورتوں میں مبتلا ہے۔ آپ کہاں اور تکبر کہاں۔ ایک جوں آپکا خواب و آرام لے لیتی ہے چوہا آپکو اپنی جگہ سے اٹھا دیتا ہے۔ ایک گھڑی کی بھوک آپکو بیقرار کر دیتی ہے اکثر ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں آپ اپنے سایہ سے ڈرتے ہیں آپکو تکبر کرنیکی کیا ضرورت ہے معالجہ میں اس مرض کے کوشش کیجیے؟

واضح ہو کہ اسکا علاج مانند معالجۂ عجب کے ہے۔ اسلئے کہ تکبر عجب کے معنی ہی رکھتا ہے اور علاج مخصوص مرض تکبر کا یہ ہے کہ آدمی مذمت میں اس صفت کی نیز مدح و خوبی میں اسکی ضد کے جسکو تواضع کہتے ہیں جو آیات و اخبار آئے ہیں انکو ملاحظہ کرے۔ علاوہ اسکے غور کرے کہ دوسرے سے اپنے کو بہتر سمجھنا نہایت جہل و نادانی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اخلاق کریمہ وہ بھی رکھتے ہوں۔ اور آپکو کیا معلوم کہ انکا مرتبہ خدا کے نزدیک بلند و بہتر ہو۔ صاحب بصیرت کیونکر جرات کر سکتا ہے کہ اپنے کو دوسرے پر ترجیح دے۔ باوجود اسکے انجام سے مطلب ہے اور سوائے خدا کے کسی کا انجام کوئی نہیں جانتا نیز تمام اشخاص

ایک ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ایک ہی درگاہ کے بندے ہیں۔ دریاے جود و کرم
خداوند مجید کے تمام قطرے ہیں۔ پس لازم ہے کہ کسی کو نظر بد و عداوت سے نہ دیکھے بلکہ
سب کو چشم خوبی و دوستی سے ملاحظہ کرے۔ اِس سے یہہ مطلب نہیں ہے کہ عالم پرہیزگار
فاسق شراب خوار سے بہ ذلت و انکساری پیش آئے اُسکو اپنے سے بہتر سمجھے باوجود اسکے کہ
فسق و فجور میں ظاہر اُسکو مشغول دیکھے اور اسکے زہد و تقوی کا یقین کرے۔ یہہ کیونکر
جائز ہو سکتا ہے کہ مرد دیانت دار کسی گمراہ یا کافر یا فاسق و فاجر کو دوست رکھے حالانکہ
اُسکو خدا دشمن رکھتا ہے جسکی نسبت بغض عند اللہ میں احادیث متواتر آئے ہیں کیونکہ
تواضع و فروتنی اُسکو نہیں کہتے کہ ہر مقام پر نہایت ذلت و انکساری سے کام لیا جائے
اور نہ تواضع کے یہہ معنی ہیں کہ اپنے کو کسی امر میں کبھی دوسرے پر فضیلت نہ دیں۔ کیونکہ
یہہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی عاقل عالم میں اپنے کو جاہل سے بہتر نہ سمجھے۔ بلکہ حقیقت تواضع یہہ ہے
کہ اپنے کو فی الواقع بہتر و خوب اور خدا کے نزدیک مقرب نہ جانے جس سے وہ دوسرے
پر مستحق بہتری ہو اور اُس سے تکبر کرنیوالوں کے آثار ظاہر ہوں کیونکہ مطلب حسن انجام
سے ہے اور کوئی شخص دوسرے کے انجام کو نہیں جانسکتا۔ شاید کافر ستر سال دنیا
ایمان پر جائے اور عابد صد سالہ کا خاتمہ بخیر نہو۔ حاصل کلام یہہ کہ قرب خداوند تعالی
و حسن انجام ہی سعادت ہے۔ نہ کہ وہ امور جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اب رہا بغض للہ
اِسکی توضیح یہہ ہے کہ ہر شخص کو اس حیثیت سے کہ وہ مخلوق خداوند عالم ہے دوست رکھنا
چاہئے لیکن اگر اُس سے فسق و فجور سرزد ہو تو بوجہ فسق و فجور اُس سے دشمنی کرنا کچھہ ضرر
نہیں رکھتا کیونکہ یہہ غصہ و دشمنی خدا کے لئے ہے۔ نہ کہ اپنے واسطے۔ اور اسی نے اِس کا
حکم دیا ہے لیکن اس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ اُسکے ساتھہ تکبر کیا جائے اور اُسے اہل جہنم سے

اور اپنے آپکو اہل بہشت سے سمجھیں بلکہ انسان کو سزاوار ہے کہ اپنے پوشیدہ گناہوں پر نظر کرکے اُن سے خوف زدہ رہے بعض للہ اُسکی مثال یہہ ہے کہ کسی بزرگ کے ایک بیٹا ہو ایک غلام۔ وہ غلام کو اپنے فرزند پر معین کرے کہ اُسکو ادب سکھائے جب قاعدہ کے خلاف کوئی بات اُس سے ظاہر ہو تو اُسکو تادیب کرے اور مارے۔ پس اگر وہ غلام خیرخواہ و فرمانبردار ہے تو جس وقت اُس فرزند سے کوئی امر نالایق سرزد ہوگا تو بوجہ اطاعت آقا اُس فرزند کو تادیب کریگا اور اُسپر برتری و تفوق کا طالب نہوگا بلکہ تواضع و فروتنی سے پیش آئیگا اور اپنے مرتبہ کو بہ نسبت اُس فرزند کے مرتبہ کے بزرگ نہیں جانیگا۔ واضح ہو کہ مرض کبر کا علاج ایک یہہ عمل بھی ہے جسکی عادت کرنا چاہیے جو اُسکی ضد تواضع ہے اختیار کرے خدا و خلق اللہ سے فروتنی کرے۔ تواضع کرنیوالوں کے اعمال کی پیروی کرے کہ تواضع کا ملکہ حاصل ہو اور اُسکے دل سے درخت کبر کی جڑ اُکھڑ جائے۔

فصل (۲۳) انسان کو سزاوار ہے کہ شیطان کا فریب نہ کھائے اپنے آپکو متواضع اور مرض کبر سے مبرا نہ سمجھے جب تک امتحان و آزمایش کبر و تواضع کے علامات۔ میں مبتلا نہو کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ آدمی کبر نہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہہ مرض اُسکے نفس میں پوشیدہ ہے۔ اگر نفس امارہ کے فریب میں آگیا اپنے کو متکبر نہ سمجھا تو معالجہ و مجاہدہ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ کبر و تواضع کے لئے چند علامات ہیں جو وقت امتحان معلوم ہو سکتے ہیں۔

پہلی علامت یہہ کہ جب اپنے ہمرتبہ والوں کے ساتھہ مسائل علمیہ میں گفتگو کرے اگر اُنکی زبان پر حق جاری ہو جس کا اقرار کرنا اُسکو ناگوار تھا اُسکا اقرار اور اُنکی شکرگزاری کرے جنہوں نے حق سے آگاہ کیا ہے اور غفلت سے نکالا ہے پس یہہ علامت تواضع کی ہے۔ اگر اسکا قبول

اور اقرار کرنا اُسپر گراں ہو تو معلوم ہوا کہ تکبر رکھتا ہے۔ اب اُسکے نتیجہ کی بُرائی اور اپنے نفس کی عجز ذلت میں بغور تامل کرنا اور اُسکے معالجہ کے درپے ہونا چاہئیے۔ اپنی عاجزی و قصور کا قائل ہو خدوند عالم سے دعا کرے کہ یہہ صفت کبر اُس سے دور ہو اور جس نے آگاہ کیا ہے اُسکا احسان مانے اکثر ہوتا ہے کہ خلوت میں حق کو قبول کرتا ہے لیکن مجمع میں آدمیوں کے گراں ہوتا ہے تو اسوقت تکبر کرنے والا نہ سمجھا جائیگا لیکن مرض ریا میں مبتلا ہوگا اُس کا علاج اُس طریقہ پر کرنا چاہئیے جو کہ صفت ریا میں بیان کیا جائیگا۔

دوسری علامت یہہ کہ جب محفل و مجمع میں آئے تو اسکو گراں نہو کہ اُسکے ہمرتبہ دائے مقامِ صدر میں بیٹھیں۔ وہ اُنسے نیچے بیٹھے اُسکی حالت میں ہرگز تفاوت نہو ایسا ہی راستہ چلنے میں مضائقہ نکرے سب کے پیچھے راستہ چلے اگر ایسا کریگا تو صفت کبر رکھنے والا نہوگا۔ ورنہ تکبر کرنیوالا ہوگا اپنا علاج کرنا چاہئیے ہمرتبہ والوں سے نیچے بیٹھے اُنکے پیچھے راستہ چلے تاکہ اس مرض سے نجات حاصل ہو حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ تواضع وہ ہے کہ آدمی دوسروں سے پست مقام پر بیٹھے جس سے ملاقات ہو سلام کرے اگرچہ وہ حق پر ہو لیکن مجادلہ نکرے اور اس امر کا خواہاں نہو کہ تقوٰی و پرہیزگاری پر لوگ اُسکی مدح کریں۔ بعضے تکبر کرنیوالے مقامِ صدر کے خواہاں رہتے ہیں اور عذر یہہ پیش کرتے ہیں کہ مومن کو نچاہئیے کہ اپنے کو ذلیل کرے بعض شبہ ڈالنے والے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ علم کو خوار نکرنا چاہئیے۔ یہہ شیطان کا فریب ہے کیونکہ اگر آپ مجلس میں اپنی ہمرتبہ جماعت سے پست بیٹھ جائینگے تو کونسی ذلت ہوگی اور علم کی کیا خواری کیونکہ وہ بھی مثل آپکے ہیں۔ ہاں یہہ عذر اگر مسموع بھی ہو تو اسوقت ہو سکتا ہے کہ کوئی مومن مجمع اہل کفر میں یا کوئی عالم محفل میں بدکاروں اور ظالموں کے جائے علاوہ اسکے ایک مرتبہ پست مقام پر بیٹھ جانے سے اسقدر آپ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اُسے ذلت و خواری ایمان و علم سے تعبیر کیا جاتا ہے

لیکن ہزاروں مسلمان۔ مومن۔ اور اہلِ علم ذلت وخواری میں گرفتار ہیں۔ انکی اس حالت سے انکو کوئی صدمہ لاحق نہیں ہوتا پس آپ کا عذر مذکورہ قابلِ سماعت نہیں ہے بلکہ یہہ شائبہ شرک وجہل ہے جو آپکے باطن میں پوشیدہ ہے۔ بعض تکبر کرنیوالے جب کسی مجمع میں آتے ہیں تو مقامِ صدر کی طرف رخ نہیں کرتے صفِ نعال میں بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے اور مقامِ صدر کے درمیان جو جگہہ خالی رہتی ہے۔ وہاں کمینہ لوگوں کو بٹھا لیتے ہیں مطلب یہہ ہوتا ہے کہ مقامِ صدر سے علیحدگی ہوجائے اور خود انکی جا نشست صدر قرار پاجائے اسیطرح راہ چلتے ہوئے اگر تقدم میسر نہیں ہوتا تو سب لوگوں سے اسقدر پیچھے ہوجاتے ہیں کہ دونوں کے درمیاں فاصلہ رہ جائے یہہ تمام باتیں نتیجہ خبثِ نفس وتکبّر واطاعتِ شیطان ہیں ایسا شخص اپنے اعمال کو خراب کرتا ہے وہ ان اعمال سے اپنی عزت کا طالب ہوتا ہے اور عقلمند ان اعمال سے اسکی خرابیِ نفس کا اندازہ لگالیتے ہیں

تیسری علامت یہہ ہے کہ سلام میں سبقت کرنا اسپر گراں نہو۔ اگر اسمیں کوتاہی کریگا تو تکبر کرنیوالا ہوگا اور تعجب یہہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو اہلِ علم میں سے سمجھتے ہیں وہ کوچہ وبازار میں سوار ہوکر پھرتے ہیں۔ پیادوں اور بیٹھنے والوں سے سلام کے طالب ہوتے ہیں۔ حالانکہ سزاوار یہہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوے پر اور سوار پیادے پر سلام کرے۔ تف ہے ان لوگوں پر سنت پیغمبر آخر الزماں کو اپنے تکبر کی علامت قرار دئیے ہیں۔

چوتھی علامت یہہ ہے کہ جب کوئی فقیر وبینوا دعوت دے تو قبول کرے۔ وہ مہمانی یا کسی ضرورت میں بلائے تو بلا تکلف جائے اور کاروبارِ رفقا واحباب میں کوچہ وبازار میں آمد ورفت رکھے۔ اگر یہہ امور اسپر ناگوار ہوں تو تکبر کرنیوالا ہوگا ایسا ہی اپنے گھر کی ضروریات مثلاً پانی لکڑی۔ گوشت۔ ترکاری وغیرہ بازار سے خرید کر کے خود گھر میں اٹھالائے۔ اگر یہہ امور اسپر گراں نہوں تو متواضع کرنیوالا اور نہ وہ متکبر سمجھا جائیگا اور اگر خلوت میں مضائقہ نکرے

اور مجمع میں آدمیوں کے اُس پر یہہ امور گراں ہوں تو وہ ریاکار ہوگا حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے
فرمایا کہ اپنی عیال کے واسطے کسی چیز کا اُٹھا کر گھر میں لانا مرد کے کمال کو کم نہیں کرتا ایکروز آپ نے
ایکدرم گوشت خرید کرکے گوشہ ردائے مبارک میں لپیٹ کر لیجاتے تھے بعض اصحاب نے
عرض کیا کہ یا امیر المومنین مجھکو عنایت کیجئے کہ میں لیچلوں فرمایا کہ صاحب عیال کو سزاوار ہے
کہ خود اُٹھائے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کسی مرد اہل مدینہ کو ملاحظہ
کیا کہ بازار سے خرید کرکے لیجانے میں حجاب کرتا ہے حضرت نے اُس سے فرمایا کہ اپنے عیال کے
واسطے خرید کرکے اُٹھایا ہے خدا کی قسم اگر اہل مدینہ نہوتے تو میں بھی اپنے عیال کے لئے خرید کرتا اور
اُٹھاتا اِس کا مطلب یہہ ہے کہ اُس زمانہ میں اُس بزرگ کے واسطے ایسا رواج نہ تھا آدمی بُرا
جانتے تھے اور اُسکی غیبت و مذمت کرتے تھے اسیوجہ سے اُس حضرت نے اسطرح ارشاد فرمایا
اِس سے یہہ پایا جاتا ہے کہ جب کسی امر کا ارتکاب عرفاً قبیح ہو اور باعث غیبت ہو تو اُسکا ترک
کرنا بہتر ہے۔ بلحاظ اہل شہر و زمانہ رواج مختلف ہوتے ہیں جس کا ہر شخص کو ملاحظہ کرنا چاہئے اور
جس امر سے بُرائی و مذمت پیدا ہوتی ہے اُسے اپنی نگاہ میں رکھے تو اُسکے ذریعہ سے مبتلائے تکبر نہووے
پانچویں علامت یہہ ہے کہ اُسکو ہلکا ہونا بُرا لگتا اور ردیا لباس پہننا گراں نہو اگر کوئی
شخص ملبوس نفیس و جامۂ فاخرہ پہننے میں حریص ہو اور اُسکو شرف و بزرگی جانے تو وہ متکبر ہوگا۔
حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ میں بندہ ہوں خاک پر بیٹھتا ہوں جامۂ پشمینہ پہنتا ہوں اُونٹ کو باندھتا
ہوں بعد فراغت طعام اپنی انگلیوں کو چوستا ہوں جب کوئی مومن دعوت دیتا ہے تو قبول کرتا ہوں
جس نے میرے طریقہ کو ترک کیا وہ مجھہ سے نہیں ہے مروی ہے کہ سید انبیا جس لباس کو زیب
جسم فرمائے ہوئے تھے وفات کے وقت معلوم ہوا کہ وہ بالونکا تھا اُسمیں بارہ پیوند تھے جس میں
گوسفند کے بالوں کے چند پیوند تھے۔ سلمان سے پوچھا گیا کہ کسواسطے نیا جامہ نہیں پہنتے ہو اس نے

کہا کہ میں بندہ ہوں جسوقت آزاد ہونگا اُسوقت نیا لباس پہن لونگا حضرت رسولؐ نے فرمایا کم قیمت اور ہلکا لباس پہننا اہلِ ایمان کا طریقہ ہے سیّدِ اولیا اپنے زمانۂ خلافتِ ظاہریہ میں لباسِ کہنہ زیبِ جسمِ مبارک فرماتے تھے بعض اصحاب معترض ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اسمیں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ مومنین میری پیروی کریں۔ دوسرا یہ کہ یہ لباس دلکو تواضع کرنیوالا بناتا ہے اور کبر سے پاک کرتا ہے۔

چھٹی علامت یہ ہے کہ اپنی کنیزوں اور غلاموں اور خدمتگاروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر غذا کھانا اُسپر ناگوار نہو۔ ایسا شخص تواضع کرنیوالا ہے ورنہ تکبر کرنیوالا ہوگا ایک شخصِ بلخی روایت کرتا ہے کہ میں سفرِ خراسان میں علی ابنِ موسیٰ رضا علیہ السّلام کے ہمراہ تھا جب دسترخوان بچھایا گیا تو حضرت نے اپنے تمام ملازمین اور غلاموں کو دسترخوان پر جمع فرمایا عرض کیا کہ آپ پر فدا ہوں اگر دوسرا دسترخوان انکے واسطے قرار دیا جاتا تو بہتر ہوتا فرمایا کہ خاموش رہ تحقیق کہ سب کا ایک خدا سب کا ایک دین سب کے ایک ماں باپ ہیں ہر کسی کے عمل کے مطابق جزا ملتی ہے۔ واضح ہو کہ امتحان و آزمائشِ کبر و تواضع اُنپر منحصر نہیں ہے بلکہ اِسکے لئے بہت سے آثار و اعمال ہیں مثلاً یہ کہ کسی شخص کو اپنے آگے کھڑے کرے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا جو کوئی چاہتا ہے کہ اہلِ جہنم سے واقف ہو تو اُس مرد کو دیکھے جو بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے مقابل میں ایک جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ بعضے اصحاب نے نقل کی ہے کہ اصحابِ پیغمبرؐ کے نزدیک پیغمبر سے زیادہ کوئی عزیز و محترم نہ تھا لیکن جسوقت آپ تشریف فرما ہوتے تو کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اُٹھتا تھا اسلئے کہ جانتے تھے کہ آنحضرت اُسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ کبر یہ ہے کہ انسان جب کوچہ و بازار کو جائے تو دوسرا اُسکے ہمراہ ہو چنانچہ اگر کوئی ہمراہی نہ ملے تو بعض متکبرین سوار ہو کر پھرتے ہیں مروی ہے کہ جس شخص کے پیچھے کوئی راہ چلنے والا ہو تو جبتک اُسکا یہ عمل رہتا ہے اُسے خدا سے دوری ہوتی ہے

حضرت پیغمبر بعض وقت اصحاب کے ساتھہ چلتے تو اصحاب کو آگے رکھتے اور خود پیچھے
میں راستہ چلتے نیز علامات کبر سے ایک یہہ بھی علامت ہے کہ بعض کے ملاقات میں مضائقہ
کرے اگرچہ اسکی ملاقات میں اسکا فائدہ بھی ہو فقیروں اور مریضوں کی ہمنشینی سے کوتاہی
کرے۔ مروی ہے کہ ایک مرد کو آبلے نکلے تھے جنمیں پیپ آگئی تھی اسکا پوست نکل گیا تھا۔
حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں اسوقت آیا جبکہ حضرت اصحاب کے ساتھہ طعام
نوش فرمانے میں مشغول تھے وہ جس کسیکی بازو بیٹھتا تھا تو وہ اسکے نزدیک سے اٹھہ جاتا تھا
جب حضرت نے یہہ دیکھا تو اپنے پہلو میں جگہ دی اسکے ساتھہ خاصہ نوش فرمایا ایکروز حضرت
اصحاب کے ساتھہ خاصہ نوش فرماتے تھے کہ ایک مرد جسکو خراب بیماری تھی جس سے تمام
آدمی نفرت کرتے تھے آیا تو حضرت نے اسکو اپنے پہلو میں بٹھایا اور کھانیکا حکم فرمایا۔ دوسری
علامتیں کبر کی بہت ہیں جن سے کبر کی شناخت ہوتی ہے۔

سید انبیا کا طریقہ جامع علامات تواضع اور کبر سے پاک تھا پس امت کو سزاوار ہے کہ انکی پیروی کریں
ابوسعید خدری جو اصحاب پیغمبر سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت خود اونٹ کو گھانس
ڈالتے تھے اونٹ کو باندہتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ بکریونکا دودہ دوہتے تھے نعلین کو
سیتے تھے۔ اپنے جامہ کو پیوند لگاتے تھے خدمتگاروں کے ساتھہ خاصہ نوش فرماتے تھے جب
خادم چکّی چلانے سے خستہ ہوتا تو آپ خود چکّی چلاتے۔ بازار سے آپ خود خرید فرماکر دست
مبارک یا گوشۂ دامن میں رکھکر گھر کو لاتے ہر ایک چھوٹے بڑے امیر و فقیر نماز گزار سے سلام
کی ابتدا خود فرماتے۔ گھر کا اور باہر جانیکا ملبوس ایک ہی تھا جو شخص حضرت کو دعوت دیتا اسکی
دعوت قبول فرماتے ہمیشہ پریشان و غبار آلود رہتے جس چیز کی حضرت کو دعوت دیجاتی اسکو
حقیر نہ خیال فرماتے اگرچہ تھوڑا سا خرمہ ہی کیوں نہو صبح کو شام کیلئے اٹھا نرکھتے نہ شام کو صبح کیلئے

خیر و فرماتے آپکی ضروریات معیشت آسان تھیں خوش خلق و کریم الطبع کشادہ رو آدمیوں کے
ساتھ زندگانی بسر فرماتے تبسم فرماتے خنداں نہوتے اندوہناک رہتے ترشرو نہوتے دین میں
مضبوط و سخت رہتے لیکن سختی نفرماتے بغیر ذلت و خواری کے آدمیوں کے ساتھ تواضع و فروتنی
و بخشش فرماتے بیجا صرف نفرماتے خویش و اقارب اور تمام مسلمانوں پر مہربان رہتے حضرت
کا دل رقیق تھا ہمیشہ سر جھکائے رہتے اسقدر کھانا نوش نفرماتے کہ بدہضمی ہو اور کسی وقت
میں کسی چیز کی طمع نفرماتے۔

فصل (۴) صفت کبر کی ضد تواضع ہے اور وہ شکستہ نفسی ہے کہ آدمی اپنے
فضیلت تواضع و فروتنی۔ کو بزرگ نہ سمجھے اُسکے چند لازمہ گفتار و کردار میں جو دوسروں کی
تعظیم و تکریم پر دلالت کرتے ہیں اُنکی عادت کرنے سے مرض کبر کا معالجہ قوی ہوتا ہے یہ صفت
نیک ہے اِسکی فضیلت میں اخبار بے انتہا ہیں حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جس کسی نے تواضع کی
خدا نے اُسکو بلند مرتبہ عطا فرمایا مروی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کو وحی کی کہ میں اُسکی
نماز کو قبول کرتا ہوں جو میری بزرگی پر تواضع کرے۔ اور میری مخلوقات پر تکبر نکرے۔ اپنے دل میں
میرا خوف رکھے۔ دن کو میرے ذکر میں بسر کرے۔ اور میری وجہ سے اپنی خواہشات نفسانی کا تابع
نہو ایکروز حضرت پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں تم میں کسواسطے عبادت کی حلاوت کو
نہیں دیکھتا ہوں عرض کیا گیا کہ وہ کیا چیز ہے فرمایا کہ تواضع۔ اُنھیں حضرت سے مروی ہے کہ
خدا جسکو دوست رکھتا ہے اُسکو یہ چار چیزیں کرامت فرماتا ہے۔
(۱) خاموشی یہ اوّل درجہ کی عبادت ہے (۲) خدا پر توکل کرنا (۳) تواضع (۴) دنیا
میں پرہیزگاری نیز اُس جناب سے مروی ہے کہ جو کوئی خدا سے فروتنی کرے خدا اُسکو بلند مرتبہ والا
کرتا ہے۔ جو کوئی تکبر کرے خدا اُسکو گراتا ہے جو کوئی قناعت کرے خدا اُسکو روزی دیتا ہے

جو کوئی اسراف کرے خدا اُسکو محروم کرتا ہے۔ جو کوئی موت کو زیادہ یاد کرے خدا اُسکو دوست
رکھتا ہے جو کوئی خدا کو بہت یاد کرے خدا اُسکو بہشت میں اپنے سایہ میں جگہ دیتا ہے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ خوشا بحال تواضع کرنیوالونکا کہ اُنکو قیامت میں منبر ملیگا
خداوندِ عالم نے حضرتِ داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ مجھ سے زیادہ نزدیک تواضع کرنیوالے
ہیں۔ ایسا ہی تکبر کرنیوالے مجھ سے دور ہیں۔ مروی ہے کہ سلیمان پیغمبر صبح بزرگانِ اغنیا
اور اشراف کے پاس سے گزرتے اور مسکین کے پاس آکر بیٹھتے اور کہتے کہ مسکین ہوں مسکینوں
کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ مروی ہے کہ ایک مومن اور اُسکا ایک لڑکا حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں
حاضر ہوئے حضرت اُٹھے اُنکو صدر میں بٹھایا آپ اُنکے برابر بیٹھے کھانا لانیکا حکم فرمایا دسترخوان چنا گیا
قنبر نے سیلابچی آفتابہ حاضر کیا کہ اُنکا ہاتھ دہلائے حضرت اُٹھے اور آفتابہ لیا کہ اُس مومن کے ہاتھ
دہلائیں اُس نے عرض کیا میں خود ہاتھ دہوؤنگا۔ حضرت نے فرمایا کہ خاموش رکھ ہاتھ دہو
کہ خدا دیکھتا ہے کہ مجھ میں اور تجھ میں فرق نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ تیری خدمت کی وجہ
سے اہلِ دنیا کے دس حصہ برابر بہشت میں جگہ کرامت فرمائے پس وہ مومن بیٹھا اُسوقت حضرت
نے قسم دی کہ اگر قنبر تیرے ہاتھ پر پانی ڈالتا تو جسطرح اطمینان سے اپنا ہاتھ دہوتا اُسیطرح
دہوئے۔ پس حضرت نے اُسکے ہاتھ دُہلائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے
کہ تواضع اصل شرف و بزرگی پاک و مرتبہ بلند ہے اگر تواضع بیان کے لائق ہوتی اور آدمی
سمجھتے تو حقیقتِ عاقبت پوشیدہ سے اُنکو آگاہی ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ تواضع وہ ہے کہ
جو خدا کے واسطے اور راہِ خدا میں کیجائے۔ سوائے اسکے مکر میں داخل ہے جو کوئی خدا کے لئے تواضع
کرتا ہے خدا اُسکو تمام بندوں پر شرف و بزرگی عطا کرتا ہے اہلِ تواضع کے واسطے وہ ایک کسوٹی
ہے جسکو ملائکہ و عقلمند پہچانتے ہیں۔ کوئی عبادت خدا کی نہیں ہے جسکو وہ پسند اور قبول کرے

مگر یہ کہ جسمیں تواضع ہو حقیقتِ تواضع کو کوئی نہیں پہچانتا ہے مگر وہ بندۂ مقرب جو خدا کی وحدانیت
کا قائل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندگانِ خدا وہ لوگ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھہ راستہ
چلتے ہیں۔ خدائے عزوجل نے اپنے محبوب کو تواضع کیلئے حکم فرمایا اور کہا (وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ) تواضع خضوع و خشوع و خشیت و حیا کی کھیتی ہے
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں اپنے بھائی مومن کے ساتھہ تواضع
کرے پس وہ خدا کے نزدیک صدیقوں میں سے ہے بلکہ وہ حقیقت میں علیؑ ابن ابی طالب کے
دوستوں میں سے ہے۔

فائدہ مذمت ذلت و خواری

سابق میں ذکر کیا گیا کہ ہر فضیلت کے لئے وسط ضرور ہے اسکی زیادتی
و کمی مہلک و مذموم ہے پس تواضع کیلئے بھی حدِ وسط لازم ہے اسکی
زیادتی کبر جسکا ذکر کیا گیا اُسکی کمی ذلت و حقارت ہے جیسا کہ کبر مذموم ہے ویسا ہی اپنا
ذلیل و خوار کرنا بھی مذموم و مہلک ہے کیونکہ مومن کیلئے جائز نہیں کہ اپنے کو ذلیل و حقیر
کرے اگر کوئی عالِم کے پاس جوتی سینے والا آئے تو عالم اپنی جاسے سے اُٹھتا ہے اُسکو اپنی
جاے پر بٹھاتا ہے درس و تعلیم کو بسبب اُسکی حرمت کے ترک کرتا ہے جب وہ رخصت ہو تو
گھر کے دروازے تک اُسکے پیچھے جاتا ہے وہ گویا اپنے کو ذلیل و خوار کرتا ہے سیدھے راستہ
سے تجاوز کرتا ہے طریقۂ نیک و عدالت وہ ہے کہ اُس طریقہ پر جسکا ذکر کیا گیا اپنے برابر والوں
اور ہمرتبہ والوں سے تواضع کرے اور تواضع عالِم کی عوام کے ساتھہ یہہ ہے کہ انکے ساتھہ خوشنودی
ظاہر کرے۔ اچھی طرح اور مہربانی سے بات کرے۔ اُنکی دعوت کو قبول کرے۔ اگر خواہش کیجائے
تو انکی ضروریات میں کوشش کرے۔ اپنے کو خاتمہ میں اُنسے بہتر نہ سمجھے۔
واضح ہو کہ وہ تواضع و فروتنی جسکی تعریف کیگئی ہے اُن اشخاص کے متعلق ہے جو متکبر نہیں ہیں

لیکن جو لوگ متکبر ہیں اُنسے تواضع نکرنا بہتر ہے کیونکہ فروتنی و ذلت اُنکے لئے جو متکبر ہیں اپنی ذلت
و خواری کا سبب ہے نیز تکبر کرنیوالے کی گمراہی اور اُسکے تکبر کی زیادتی ہوتی ہے ممکن ہے کہ اگر
آدمی اسکی تواضع نکریں بلکہ اُس سے تکبر کریں تو وہ متنبہ ہوا اور تکبر کو ترک کرے۔ اسیوجہ سے حضرت
رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ میری امت تواضع کرنیوالی دیکھیگی کہ میں اُنکے ساتھ تواضع کرتا ہوں
اور تکبر کرنیوالے دیکھینگے کہ میں اُنکے ساتھ تکبر کرتا ہوں بہ تحقیق کہ یہہ باعث اُنکی ذلت و حقارت کا ہے

سولہویں صفت فخر و مباہات کی مذمت ۔

واضح ہو کہ فخر و مباہات یہہ ہے کہ انسان اُس چیز پر جسے اپنے لئے کمال سمجھ رہا ہے افتخار کرے۔
حقیقت میں یہہ صفت اقسام تکبر سے ہے پس جو کچھہ برائی تکبر کی نسبت ہے وہ اُسکی بھی برائی
پر دلالت کرتی ہے اور جو کچھہ علاج تکبر کا ہے اُسکا بھی وہی علاج ہے۔ یہہ بھی مثل تکبر کے جہل و
نادانی سے پیدا ہوتا ہے حضرت سید الساجدین نے فرمایا کہ تکبر و افتخار کرنیوالے سے تعجب ہے
کہ کل وہ ایک نطفہ گندیدہ تھا اور آیندہ مردار ہوگا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی
ہے کہ فتح مکہ کے روز رسالت پناہ منبر پر تشریف لیگئے اور فرمایا کہ اے لوگو نخوت جاہلیت اور
افتخار بوجد کو خدا نے تم میں سے اُٹھالیا آگاہ رہو کہ تم آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم خاک
سے ہیں بتحقیق کہ بندگان خدا میں سے بندہ وہ ہے جو پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے منقول ہے
کہ ایکروز کفار قریش ایکدوسرے پر فخر کرتے تھے سلمان اُسوقت موجود تھے اُنھوں نے کہا کہ میں
نطفۂ نجس سے پیدا ہوا ہوں۔ ایکروز مردار ہونگا نزدیک میزان اعمال کے جاؤنگا اگر میری ترازوے
عمل سنگین ہو تو میں کریم ہونگا اگر سبک ہوگی تو میں لئیم ہونگا۔ ضد اس صفت کی یہہ ہے کہ اپنی زبان
اور قول سے اپنے کو حقیر سمجھے اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دے۔

سترہویں صفت بغاوت و سرکشی کی مذمت

واضح ہو کہ بغاوت یہہ ہے کہ جسکے فرمان کی اطاعت لازم ہے اُس سے گردن کشی و سرکشی کرنا
یہہ صفت کبر سے بدتر ہے کیونکہ جن لوگوں کی اطاعت واجب ہے مثلاً پیغمبرؐ اُنکی نافرمانی منجر
بکفر ہوتی ہے بہت سے طایفۂ کفّار مانند یہود و نصاریٰ و کفّار قریش کفر پر باقی رہے اور ہلاک
ہوئے اور اغلب یہہ ہے کہ مسلمانوں پر ظلم و تعدّی کرنا نیز اِس قسم کی اور برائیاں اسی صفت
بد کا نتیجہ ہیں اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہہ تمام مہلکات عظیم ہیں اسیوجہ سے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ
بغاوت کی خرابی ہر برائی کی خرابی سے بہت جلد پہنچتی ہے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے
فرمایا کہ بغاوت کرنیوالیکو بغاوت آگ کیطرف گھسیٹتی ہے پہلا شخص جسنے خدا سے بغاوت و گردنکشی
کی وہ عناق دختر آدم تھی اُسکے بیٹھنے کی جگہہ ایک جریب طول میں تھی اور ایک جریب عرض میں
اُسکی ہیں انگلیاں تھیں اور انگلی ہیں دو ناخن مانند دو غربال کے رکھتی تھی پس خدا نے ایک
شیر کو مثل ہاتھی کے ایک بھیڑئیے کو مثل اونٹ کے اور ایک باز کو مثل خچّر کے اُسپر مسلّط کیا جنھوں
نے اُسکو مار ڈالا بتحقیق کہ خدا تکبر کرنیوالونکو جبکہ وہ نہایت امن و آرام میں تھے مار ڈالا اس صفت
کا علاج یہہ ہے کہ اُسکی خرابی کو اور اُسکی ضد کی مدح کا ملاحظہ کرے آیات و اخبار جو خدا و پیغمبرؐ و
ائمہ و اُولو الامر و علما و فقہا جو زمانہ غیبت امام میں نائب امام ہیں اور جنکی اطاعت کے وجوب
میں آئے ہیں اُنھیں دیکھے اور جنکی اطاعت کرنا واجب ہے اُنکی اطاعت کرے اُنکے ساتھ قول
و فعل سے بخضوع و خشوع پیش آئے تا کہ اُسکا ملکہ حاصل ہو۔

اٹھارہویں صفت خودستائی کی مذمّت

واضح ہو کہ جب آدمی اپنا کمال ثابت کرنے کے درپے ہو کر اپنے آپکو عیوب سے مبرّا کرنیکی کوشش
کرتا ہے تو اُسے خودستائی کہتے ہیں یہہ صفت عُجب کا نتیجہ ہے اُسکی برائی ظاہر و بیّن ہے کیونکہ
جسنے اپنی حقیقت کو پہچانا اور قصور اور نقصان کو جو ذات انسان کا لازمہ ہے معلوم کیا تو دوسرے

وقت اپنی تعریف میں کیونکر زبان کھول سکتا ہے۔ علاوہ ازیں سب کی نظر میں یہہ امر برا ہے جو کوئی خود ستائی کرتا ہے وہ نظروں میں بیوقعت و حقیر و بے اعتبار ہوتا ہے اسی وجہ سے امیر مومنان نے فرمایا کہ تزکیۃ المرء لنفسہ قبیحۃ اپنی تعریف کرنا بد ہے حقارت انسان کیلئے وہی کافی ہے جو بیان ہو چکا پس ہر کسیکو سزاوار ہے کہ اس صفت بد سے دوری اختیار کرے جو بات کرنا چاہے تو پہلے غور کرلے کہ وہ خود ستائی پر تو مبنی نہیں ہے۔

اُنیسویں صفت طرفداری و عصبیّت

واضح ہو کہ جب اپنی حمایت یا اُسکی طرفداری میں جو از روے دین و مال و قبیلہ و وطن و صنعت اپنے سے منسوب ہے۔ قولاً یا فعلاً سعی کیجائے تو عصبیّت کہتے ہیں یہہ طرفداری دو قسم پر ہے کیونکہ جسکی حمایت میں انسان کوشش کرتا ہے اور اُس سے بُرائی کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ اگر اُسکی حفاظت و حمایت لازم ہے اور اُس حفاظت میں وہ حق سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ بلکہ انصاف سے کام لیتا ہے تو یہہ قسم نیک و پسندیدہ ہے۔ اسکو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا اور اگر ایسی چیز کی حمایت کیجاتی ہے جسکی حمایت کرنا شرعاً درست نہیں ہے یا اُسکی حمایت میں حق و انصاف سے تجاوز کرکے انسان باطل میں داخل ہوتا ہے تو یہہ قسم مذموم ہے۔ اور اُن رذائل صفات میں سے ہے جو قوّتِ غضبیہ کے متعلق ہیں حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے اسپر اشارہ فرمایا ہے جبکہ اُنسے پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ طرفداری کرنیوالے اپنے قبیلہ کو دوست رکھنے کی وجہ سے گناہگار نہیں ہے لیکن ظلم میں اُنکی اعانت کرنیسے گناہگار ہوجاتا ہے پس جب عصبیّت کی مذمت میں اخبار و احادیث آئے ہیں اُنسے بھی قسم مذموم مراد ہے جو ایک صفت مہلکہ ہے اور آدمی کو شقاوت ابدی میں گرفتار کر دیتی ہے حضرت رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی تعصب کرتا ہے یا جسکے لئے تعصب کیا جائے وہ دائرۂ اسلام سے باہر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جو کوئی

دل میں بقدر رائی کے دانہ کے عصبیت رکھتا ہو تو خدا اُسکو اعراب جاہلیت میں محشور کریگا حضرت سید الساجدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ کوئی حمیت داخل بہشت نہوگی مگر حمیت حمزہ ابن عبد المطلب کیونکہ جسوقت مشرکین مکہ نے اونٹ کے بچہ دان کو حالت سجود معبود میں سر مبارک پرستید کائنات کے ڈالدیا تو حمزہ کی حمیت اسقدر غالب ہوئی کہ دین اسلام قبول کرلیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے جانتے تھے کہ ابلیس ہم میں سے ہے مگر خداوند عالم جانتا تھا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں ہے پس حمیت و غضب ابلیس کا اسقدر ہوا کہ اپنی حقیقت کو ظاہر کیا اور کہا کہ مجھکو آگ سے اور آدم کو خاک سے خلق کیا۔

بیسویں صفت اخفائے حقوق کی مذمت

واضح ہو کہ حق کو پوشیدہ اور اُس سے انحراف کرنیکا سبب طرفداری یا نامردی ہے کبھی اُسکا سبب طمع بھی ہوتا ہے اِس صورت میں بھی اُسکا منشا ضعف نفس و خمود قوت غضبیہ ہے بہر حال یہ صفت بد قوت غضبیہ کے متعلق ہے خواہ جانب افراط سے ہو یا جانب تفریط سے۔ اور اِس صفت کے ضمن میں بہت سے صفات خبیثہ آجاتے ہیں مثلاً شہادت کو چھپانا۔ ناحق شہادت دینا۔ اہل باطل کی تصدیق کرنا۔ حق کو جھٹلانا وغیرہ۔ اور انمیں سے ہر ایک کے باعث آدمی کی خرابی ظاہر ہے اسکی مذمت میں احادیث و اخبار بیحد ہیں پس ہر ایک اہل اسلام پر اپنی حفاظت لازم اور اُنسے پرہیز واجب ہے۔ جو کوئی انمیں سے کسی ایک صفت میں مبتلا ہو تو اُسے اُسکی خرابی پر غور کرنا چاہئے اُسکی ضد یعنے انصاف و حق پر قائم رہنے کے فوائد کو ملاحظہ کرے۔ انصاف و حق اختیار کرے۔ اور تمام حالتوں میں اس امر کیطرف متوجہ رہے کہ کوئی امر خلاف حق اُس سے ظاہر نہو حتی کہ اس بلا سے نجات پائے اور انصاف کا ملکہ حاصل ہو

فصل (۱) واضح ہو کہ طرفداری اور حق کے پوشیدہ کرنیکی ضد انصاف و حق پر قائم

شرافت انصاف۔ اِ غنا ہے یہہ دو صفاتِ کمالیہ ہیں جنکا مالک دنیا و آخرت میں عزیز و محترم ہے
اور خالق اور خلق کے نزدیک مقبول و مکرم حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ بندہ کا ایمان کامل نہیں ہے
جبتک کہ یہہ تین خصلتیں نہوں (۱) باوجود تنگدستی کے راہِ خدا میں خرچ کرنا (۲) اپنے پر انصاف
کرنا (۳) سلام کرنا نیز فرمایا کہ تمام اعمال سے افضل و برتر یہہ عمل ہے کہ آدمی اپنے بارے
میں انصاف کرے اور فرمایا کہ مومنِ حقیقی وہ ہے جو اپنے مال سے فقیروں کی غمخواری کرے
اور آدمیوں میں انصاف کرے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو کوئی
انصاف کرے اور حق کہے تو خدا اُسکی عزت زیادہ کرتا ہے یہی حدیث اُن لوگوں کے واسطے
جو بعض توہماتِ فاسدہ کے لحاظ سے حق سے چشم پوشی کرتے ہیں کافی ہے حضرت صادق
علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اُن چیزوں کی خبر دوں جو سب سے زیادہ خدا نے واجب قرار دی
ہیں چنانچہ اُن چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اول آپنے انصاف کا نام لیا اور فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے
مقابلہ میں اپنے ساتھ انصاف نکر سکے تو وہ دوسروں کیلئے حَکَم نہیں ہو سکتا نیز فرمایا کہ جب دو شخص
نزاع کریں اور ایک شخص اپنے مقابل کیلئے انصاف سے کام لے اور وہ اُسے قبول نکرے
تو یہہ دوسرا خود بخود مغلوب ہوجاتا ہے۔

اکیسویں صفت قساوتِ قلب کی بُرائی اور نرم دلی کی تعریف

واضح ہو کہ قساوتِ قلب ایک ایسی حالت ہے کہ آدمی کسی چیز سے متاثر نہو جسکے سبب سے
دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے کوئی شک نہیں کہ اس صفت کا منشاء غلبۂ درندگی ہے بہت
سے افعالِ ذمیمہ مثلاً ظلم کرنا ایذا دینا مظلوموں کی فریاد کو نہ پہنچنا فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری
نکرنا اسی صفت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس صفت کی ضد رحمدلی ہے جس پر آثارِ حسنہ و صفاتِ
قدسیہ مترتب ہوتے ہیں اسیوجہ سے اس صفت کی فضیلت میں بہت سے اخبار وارد

ہوئے ہیں حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اُن بندوں سے جو مہربان ہیں نیکی طلب کرو اُنکی پناہ میں زندگانی کرو یہ تحقیق کہ میں نے اپنی رحمت اُنمیں قرار دی ہے۔ اخبار و احادیث مذمّت میں سخت دلی کے اور تعریف میں نرم دلی کے بے انتہا ہیں اِس صفتِ بد کا علاج قساوتِ قلب کا ازالہ رحمدلی کا حصول نہایت مشکل ہے کیونکہ سخت دلی نفس کی ایک ایسی محکم صفت ہے جسکا دور ہونا آسانی سے میسر نہیں ہوتا جو کوئی اسمیں مبتلا ہو اُسکو چاہیئے کہ اُن اعمال کے نتیجہ میں غور کرے جو قساوتِ قلب پر مترتّب ہوتے ہیں اور اُن اعمال کی عادت ڈالے جن سے آثار رحمدلی حاصل ہوتے ہیں۔ تاکہ نفس اسکا لایق ہوسکے اور رحمدلی کے حاصل کرنے اور سختیِ دل کے دور کرنے میں مستعد ہو۔

چوتھا مقام وہ صفاتِ رذائل جو قوّہ شہویہ سے متعلق ہیں اُنکے معالجہ کی کیفیت و نیز فضائلِ ملکات اور اُنکے حصول کا طریقہ۔

واضح ہو کہ حدِّ اعتدال ان قوتوں کا صفتِ عفّت ہے جس سے تمام صفاتِ کمالیہ متعلق ہیں اور قوّتِ شہویہ کی افراط کا نام شرہ ہے اور تفریط کا نام خمود۔ اور تمام رذائل صفات انھیں دونوں جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں پس اوّلاً انھیں دونو جنسوں نیز اُنکی ضد (عفّت) کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اسکے بعد اُن صفات کی تشریح کیجائیگی جو اِنکے ضمن میں آجاتی ہیں۔ بیانِ مذکورہ دو مطلبوں میں ذکر ہوتا ہے۔

پہلا مطلب اُن دو صفاتِ خبیثہ کا بیان جو قوّتِ شہویہ سے متعلق ہیں نیز اُنکی ضد کا ذکر تین فصلوں میں کیا جاتا ہے۔

فصل (۱) مذمتِ شرہ کے

واضح ہو کہ شرہ یعنے غلبۂ حرص قوّتِ شہویہ کی زیادتی کا نام ہے اور وہ یہہ ہے کہ آدمی ہر چیز مثلاً شکم و زبان و حرصِ مال و جاہ و زینت میں قوّتِ شہویہ کا مطیع ہو۔ اور بہت سے علمائے اخلاق صرف کھانے اور پینے اور جماع سے اسیے

مخصوص کرتے ہیں۔ پہلے معنی اگرچہ باعتبار کہ یہ صفت تمام رذائل صفاتِ شہویہ کا جو حد
افراط میں واقع ہو منشاء و مصدر ہوتی ہے انسب ہیں لیکن اکثر مقام میں چونکہ دوسرے معنی پر
اکتفا کیا گیا ہے میں بھی اسی طریق پر بیان کرتا ہوں کوئی شک نہیں کہ یہ صفت مہلکہ عظیم ہے
اسیوجہ سے سید کائنات نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی خرابی شکم و زبان و جماع سے محفوظ رہے تو وہ تمام
خرابیوں سے محفوظ ہے نیز فرمایا کہ میری امت بواسطہ شکم پرستی و جماع زیادہ تر داخلِ جہنم ہوگی
واضح ہو کہ جیسا کہ آن حضرت نے خبر دی ہے ان دو چیزوں سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ اور یہی
صفات بہائم کے ہیں۔ اسیوجہ سے حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ آدمی نے کسی ظرف کو جو اسکے شکم سے
بدتر ہو پُر نہیں کیا آدمی کو زندہ رکھنے کے لئے غذا کے چند نوالے کافی ہیں اگر اسپر اکتفا نکرے اور
زیادہ کھائے تو ثلث پیٹ غذا کیواسطے ثلث پانی کیلئے اور ثلث آمد و رفتِ نفس کیلئے قرار دے
نیز فرمایا کہ اپنے دلکو زیادہ کھانے پینے سے مردہ نکرو کیونکہ دل مانند کھیت کے ہے جب زیادہ پانی
دیا جاتا تو مر جاتا ہے نیز فرمایا کہ خدا کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو زیادہ بھوکا رہے اپنے
احوال و صنائعِ آفریدگار میں فکر کرے اور خدا کے نزدیک وہ زیادہ دشمن ہے جو کہ بہت سوئے
بہت کھائے بہت پئے اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک زیادہ تر دشمن وہ لوگ ہیں جو اسقدر کھائیں
کہ پیٹ بھر جائے اور بدہضمی ہو۔ جو بندہ غذا کا خواہشمند ہو اور اسکو پورا نکرے تو اسکے لئے بہشت
میں درجہ ملتا ہے۔ انہیں حضرت سے مروی ہے کہ دشمنِ دین وہ ہے جو بزدل زیادہ کھانیوالا
اور عورتونکی زیادہ خواہش رکھنے والا ہو۔ نیز اس جناب سے مروی ہے کہ اسرار ملک اسکے دلمیں
داخل نہیں ہوتے جبکا پیٹ غذا سے بھرا ہوا ہو۔ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ عالمِ فربہ کو خدا دشمن
رکھتا ہے کیونکہ فربہی غفلت و پُر خواری پر دلالت کرتی ہے لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند
جب معدہ بھر جاتا ہے تو قوتِ فکر پست ہوتی ہے حکمت و دانائی گم ہو جاتی ہے اور اعضا

وجوارح عبادت سے باز رہتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت پیٹ بھرا ہوا ہو تو اشیائے مرغوب کی زیادتی ہے اور جبکا پیٹ خالی ہو وہ خدا کو بہت یاد کرتا ہے خدا بندہ کو اُس حالت میں دشمن رکھتا ہے جبکہ اُس کا پیٹ بھرا رہے نیز اُس حضرت سے مروی ہے کہ آدمی کو اپنی زندگانی کیلئے بغیر غذا کوئی چارہ نہیں ہے لیکن جب کھائے تو کھانے کیلئے ثلث۔ پانی کیلئے ثلث اور آمد و رفتِ نفس کیلئے ثلث شکم کو قرار دے اپنے کو فربہ نکرے مانند اُن سوٌروں کے جنکو کفار ذبح کرنیکے لئے فربہ کرتے ہیں جو کوئی اپنے بدنکو فربہ کرتا ہے وہ اپنی روح کو لاغر کرتا ہے نیز فرمایا کہ کوئی چیز مومن کے دلکو پرخواری سے زیادہ نقصان پہنچانیوالی نہیں۔ زیادہ کھانے سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں (۱) قساوتِ قلب (۲) ہیجانِ شہوت۔ اور گرسنگی مومن کی نانِ خورش روح کی غذا دل کا طعام اور بدن کی صحت ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ زیادہ تر بیماریاں شکم پرستی سے پیدا ہوتی ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر ایک درد و مرض بدہضمی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ شکم پرستی سے تمام بیماریاں اور آفتیں اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے جماع کی خواہش زیادہ ہوتی ہے جس سے تعددِ ازدواج کیطرف انسان مائل ہوتا ہے جبکا نتیجہ کثرتِ عیال و اولاد ہے انسان دنیا کے تعلقات میں مقید ہوتا ہے ہر ایک حلال و حرام کی طرف رجوع کرتا ہے مال و مرتبہ کی خواہش ہوتی ہے تاکہ اہل و عیال کیلئے فراغت کے سامان فراہم ہوں۔ اب اس سے بہت سے شعبہ مثلاً حسد عداوت۔ ریا کبر تفاخر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر بندہ اپنے نفس کو گرسنگی سے ذلیل رکھے اور شیطان کا راستہ مسدود کردے تو دنیا میں مشغول نہیں ہوتا اور ہلاکت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے گرسنگی کی فضیلت میں بہت سے اخبار آئے ہیں۔ حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ اپنے نفس کے ساتھ گرسنگی و تشنگی سے جہاد کرو کیونکہ اُسکا اجر و ثواب مثل اُسکے ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے اور کوئی عمل خدا کے نزدیک گرسنگی

تو تشنگی سے محبوب تر نہیں ہے۔ فرمایا کہ بہتر وہ لوگ ہیں جو کم کھائیں اور کم ہنسیں اور اپنے لباس ضروری پر راضی رہیں۔ فرمایا کہ کم غذا کھانا عبادت ہے اور خدا ملائکہ کے سامنے اُس شخص پر فخر و مباہات کرتا ہے جسکی خوراک دنیا میں کم ہوا اور فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو؟ میں نے اسکو خوردونوش میں مبتلا کیا ہے اور وہ اُسے میری وجہ سے ترک کرتا ہے اب تم گواہ ہو کہ میں ہر غذا کے بدلے جسے وہ میرے لئے ترک کرتا ہے اُسے بہشت میں جگہ دونگا فرمایا کہ قیامت میں خدا کا مقرب بندہ وہ شخص ہے جو زیادہ گرسنہ و تشنہ رہے اور جو دنیا میں اکثر مبتلائے غم واندوہ رہا ہو طریقہ سید کائنات علیہ افضل الصلوات پر غور کیجئے حضرت کی ایک زوجہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ نے کبھی پیٹ بھر کر خاصہ تناول نہیں فرمایا اکثر اوقات حضرت بھوکے رہتے تھے جسکے باعث میرا دل غمگین ہوتا تھا اور عرض کرتی تھیں کہ اسقدر خاصہ تو تناول فرمائیے کہ قوت باقی رہے اور بھوک سے ضرر نہ پہنچے اُسوقت حضرت فرماتے تھے کہ میرے بھائی پیغمبران اولوالعزم نے اس سے زیادہ بھوک اور پیاس میں صبر کیا ہے اُنھوں نے اسی حالت میں بسر کی اور دنیا سے گزر گئے پس خدا نے اُنکو بزرگی عطا فرمائی اور ثواب بے انتہا دیا میں اپنے کو دیکھتا ہوں اور شرم کرتا ہوں اگر آرام سے گزاروں تو میرا رتبہ اُنسے پست ہوگا پس میرے نزدیک بہ نسبت اسکے کہ کل آخرت میں بے نصیب رہوں آج سختی اُٹھانا اور صبر کرنا بہتر ہے۔ مروی ہے کہ ایکروز حضرت فاطمہ علیہا السلام ایک روٹی اپنے پدر بزرگوار کے واسطے لائیں حضرت نے فرمایا کیا چیز ہے عرض کی کہ روٹی ہے جسکو میں نے خود پکائی ہے مجھکو بغیر آپکے تناول کرنا ناگوار ہوا حضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم ہے کہ آج تین روز ہوئے کہ یہ پہلا طعام مدست ہوا ہے۔

فوائد گرسنگی — واضح ہو کہ گرسنگی کے فوائد بے شمار ہیں گرسنگی دلکو نورانی و روشن کرتی ہے صفائی و کم خواری سے ورقت حاصل ہوتی ہے ذہن کو تیز کرتی ہے اسکے ذریعہ سے آدمی کو لذت مناجات

پروردگار حاصل ہوتی ہے بھوکا ذکر وعبادت سے خوش ہوتا ہے صاحبانِ فقر وفاقہ پر خدا رحم کرتا ہے
بھوکا شخص روزِ قیامت کی بھوک کو یاد کرتا ہے اُسکو شکستہ نفسی حاصل ہوتی ہے عبادت وطاعت
کی عادت آسان ہوجاتی ہے خواہشِ گناہ کم ہوتی ہے گرسنگی نیند کو جو باعث خرابی عمر وسببِ بدبختی ومطلع و
مانعِ نمازِ شب ہے کم کرتی ہے آدمی کو ہلکا اور سبک رکھتی ہے جسم کو صحت دیتی ہے بیماریونکو دفع
کرتی ہے کسی چیز کا فائدہ فائدۂ گرسنگی کے مقابل نہیں ہوسکتا پس زیادہ کھانیوالوں کو لازم ہے کہ
اپنا علاج کریں زیادہ کھانیکی مذمت اور گرسنگی کے فوائد میں جو اخبار وآیات ہیں اُنکو ملاحظہ کریں
طریقۂ انبیا ومرسلین وائمۂ دین وعُلما کی پیروی کریں غور کیجئے کہ جس کسی کو جو مرتبہ حاصل ہوا ہے
بے تکلیفِ گرسنگی کے حاصل نہیں ہوا ۔ گرسنگی پر صبر کرنیکے بغیر خواہشات وملکاتِ خبیثہ سے چھٹکارا
میسر نہیں ہوتا پستیِ ماکولات اور اُنکے مادہ پر غور کیجئے کہ آیا شرکت وشباہت ملائکہ سے بہتر ہے یا
بہایم وحیوانات سے کیونکہ زیادہ کھانا چارپایوں کا شیوہ ہے اور وہ سوائے پیٹ بھرنیکے کچھ نہیں جانتے ۔
شعر چہ انسان نداند بجز خورد وخواب ؛ کدامش فضیلت بود بر دواب ؛ شکم پرستی سے جو خرابیاں پیدا
ہوتی ہیں اُنپر تامل کیجئے ۔ ذلت وخواری وحمق وکند ذہنی اور قسم قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں جس روز
نہ ملے اُس روز تکلیف ہوتی ہے ہر وقت پیٹ بھرنے سے کیا فضیلت ہے بیت الخلا میں جا کر اُسکو خالی
کرتے ہیں اور پھر بھرتے ہیں اپنی عمر کو جو مایۂ تحصیل سعادت ہے اسطرح صرف کیجاتی ہے پس کھانیکی زیادتی
ترک کیجئے چارپایوں کی شرکت سے باز رہنا چاہیے حتیٰ کہ گرسنگی کی عادت ہوجائے یہاں تک تو
اکل وشرب کا بیان تھا اب آئیے زیادتیِ جماع کیطرف ۔

مذمتِ کثرتِ جماع واضح ہو کہ جماع فی نفسہ ایک امرِ قبیح ہے اور عقلمندوں کی نظر میں قابلِ اعراض وانکار
عقل جو مملکتِ بدن کی حکم فرما ہے اسکے ذریعہ سے بدحال وخراب ہوتی ہے قوۂ عاقلہ جو تمام قوتوں
اور حواس کی مخدوم ہے خادم ومغلوب ہوجاتی ہے انجامِ کار انسانکی ہمت عورتوں اور لونڈیوں کی

طرف مائل ہو جاتی ہے جو طریقۂ سلوکِ آخرت سے دور ہے بلکہ اکثر اوقات یہہ قوت اعتدال [illegible]
ہوتی ہے کہ دین کی قوت کو مضمحل اور خدا کے خوف کو دل سے زائل کرکے آدمی کو کارِ بد کی طرف
مائل کر دیتی ہے اگر کسی کی قوتِ واہمہ غالب ہو تو یہہ قوتِ شہوت عشقِ بہیمی کیطرف منجر ہو جاتی ہے
یہہ بھی دلکی بیماریوں سے ایک بیماری ہے جو خدا کی محبت سے خالی اور بلند ہمتی سے بری [illegible]
کوئی اپنا دشمن نہو تو اُسکو لازم ہے کہ زیادتیِ شہوت سے جو فکر و نظر کرنے سے ہوتی ہے اپنی حفاظت
و پرہیز کرے کیونکہ قوتِ شہویہ کے جوش میں آنیکے بعد اُسکی حفاظت کرنا سخت مشکل ہے اور یہہ امر
شہوت ہی سے خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ ہر امرِ باطل کی محبت مثلاً جاہ و مال اولاد وغیرہ سے
بھی متعلق ہے اگر شروع میں آدمی اُنسے دور ہی کا خیال رکھے تو اُسکے دفعیہ میں نہایت سہولت
و آسانی ہوتی ہے اور اگر پہلے سے متوجہ نہوا و شہوت کا غلبہ ہو جائے تو پھر اُسکی حفاظت کرنی
مشکل ہو جاتی ہے اُسکی مثال اُس شخص کے مانند ہے جسنے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہو
و گھوڑا چاہتا ہے کہ کسی مکان میں داخل ہو تو باگ کے ذریعہ سے اُسکو آسانی سے روک سکتا ہے
لیکن جسنے شروع میں حفاظت نکی مثل اُسکے ہے کہ گھوڑے کو ہانکے تاکہ کسی مکانمیں داخل ہو پھر اُس
کو پیچھے سے پکڑے اور باہر کھینچے شروع میں تھوڑی التفات سے روک ہو سکتی ہے آخر میں جانکاہی
سے بھی میسر نہیں ہوتی جو کوئی اپنی نجات کا طالب ہو اُسکو ابتدا میں احتیاط کرنا چاہئے کہ اُسکے فتنہ
میں مبتلا نہو۔ وہ لوگ احمق ہیں جو باوجود قوتِ قوائے شہویہ پھر غذائے لطیف و معجونِ مقوی باہ کھاتے
ہیں تاکہ کثرت سے جماع کریں۔ حالانکہ زیادتی جماع سے کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا تجربہ ہوا ہے کہ
جو کوئی شہوت کا مطیع ہوتا ہے عورتوں سے نکاح کرتا ہے غذائے مقوی و معجونِ مبہی کھا کر زیادتی
شہوت کی کوشش کرتا ہے آخر بالضرور وہ لاغر و نحیف اکثر اوقات مریض و ضعیف و کم عمر ہوتا ہے
اکثر اُسکے دماغ میں خلل اور اُسکی عقل خراب ہوتی ہے اِس زیادتیِ شہوت کو اُس حاکم ظالم سے

تشبیہ دیگئی ہے جسکو پادشاہ مطلق العنان کر دے اسکے ظلم سے منع نکرے اور وہ آہستہ آہستہ آہستہ رعایا
کے اموال کو چھین کر فقر و فاقہ میں مبتلا کر دے تاکہ وہ تمام الیکدم ہلاک ہوں یا مملکت پادشاہ سے
جدا ہوکر مملکت کو ویران چھوڑ دیں جب اسطرح پادشاہ عقل قوت شہوت کو مملکت بدن پر قبضہ
دیدے اُسکو حد اعتدال پر رکھے تو یہہ تمام مادۂ نیک کو جو غذا سے حاصل ہوکر تمام اعضا میں تقسیم
اور بدل ما یتحلل ہونیکے قابل تھا اپنے تصرف میں لاکر منی بنادیتی ہے اور تمام اعضا بغیر غذا کے رہجاتے ہیں
ان میں رفتہ رفتہ ضعف پیدا ہوتا ہے بدنکے اجزا گھٹ جاتے ہیں چونکہ یہہ زیادتی شہوت باعث ہلاکت
دین و دنیا ہے اسلیئے اُسکی مذمت میں اخبار بہت آئے ہیں یہانتک کہ بعضے روایات میں آیا ہے کہ شدت
شبق کے وقت دو ثلث عقل جاتی رہتی ہے قول خدا تعالی (وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ)
کی تفسیر میں وارد ہوا ہے یعنے شر سے ذکر کے جسوقت اُٹھے یا داخل ہو حضرت رسول نے فرمایا کہ خدانے
کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا مگر یہہ کہ شیطان کو امید ہوئی کہ اُسکو عورتونکے خیالات میں ڈالے اور
ہلاک کرے جسقدر کہ میں عورت سے ڈرتا ہوں کسی چیز سے نہیں ڈرتا ہوں فرمایا کہ دنیا اور
عورتوں کے فتنہ سے پرہیز کرو یہ پہلے فتنہ بنی اسرائیل کا عورتوں کے واسطے سے تھا مروی ہے کہ
شیطان نے کہا کہ میرا آدھا لشکر عورتیں ہیں وہ میرے نزدیک مثل تیر کے ہیں جس جگہہ پھینکتا ہوں
خطا نہیں ہوتا عورت میری محرم اسرار اور میری حاجتونکو پورا کرنیوالی ہے کوئی شک نہیں ہے
کہ اگر خواہش عورتونکی نہوتی تو عورتیں مردوں پر غلبہ نہپاتیں پس اس خواہش کی زیادتی
فرزندان آدم کو ہلاک کرتی ہے ہاں کہیں آپ یہہ خیال نکریں کہ پیغمبر خدا نے زیادہ عورتوں سے
نکاح فرمایا اگر تمام دنیا بھی اُنسے متعلق ہوتی تو بھی وہ ایک گھڑی اپنے دلکو مشغول نفرماتے اور
کسی لحظہ اُنکی فکر میں مبتلا نہوتے کیونکہ اسقدر آتش شوق و محبت خدا سینۂ مبارک میں روشن
تھی کہ اگر کبھی کبھی اُسپر پانی ٹھنڈا لاجاتا تو آپکا دل جلجاتا جسم مبارک میں سرایت کرتا تمام اجزا

ایکدوسرے سے جدا ہوتے آپکا حصۂ تجرد اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ اگر غبار خس مادیات آپکے دامن
کو نہ لگتے تو ایکبار عالم مادیات سے علیحدہ ہوتے اور طائر روح عالم قدس کیطرف پرواز کرجاتا
اسیوجہ سے اس جناب نے متعدد عورتوں سے نکاح فرماکر اپنے نفس مقدس کو اونکے ساتھ مشغول فرمایا
کہ کسیقدر دنیا کیطرف ملتفت ہوں اور زیادتی شوق کے باعث آپکی روح مقدس مفارقت
نکرجائے یہی سبب تھا کہ جسوقت خدا کے شوق میں غشی طاری ہوتی تھی اور بادہ محبت سے سرشار
ہوتے تھے تو دست مبارک حضرت عایشہ رض کے زانو پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے عایشہ
مجھہ سے بات کر مجھکو دنیا میں مشغول کر یہی وجہ تھی کہ بعض زوجہ اس جناب کی نہایت شقاوت
رکھتی تھیں کہ بسبب کثرت شقاوت آنکی دنیویت غالب ہو جو فی الجملہ اس حضرت کے حصۂ قدسیہ
کی برابری کر سکے آپکی روح کو دنیا کیطرف مائل کردے پس بعد جب حضرت کو اپنی طرف مشغول
کرتیں تو وہ حضرت کسیقدر اس عالم کی طرف التفات فرماتے چونکہ آنحضرت کی جبلیت محبت
پروردگار سے متعلق تھی اور التفات خلق عارضی تھا بلحاظ ابقاے حیات التفات فرماتے اور
جسوقت آنکی صحبت و ہمنشینی طول کھینچتی تو دلتنگ ہوتے قرار نہوتا اور فرماتے (ارحنا یا بلال)
اے بلال اذان دے اور مجھکو شغل دنیا سے علیحدہ کرکے راحت میں ڈالدے۔

معالجۂ زیادتی شہوت واضح ہو کہ زیادتی شہوت کا علاج یہہ ہے کہ قوت شہوت کو گرسنگی سے ضعیف
کیا جائے اور جن چیزوں سے شہوت جوش میں آتی ہے مثلاً عورتوں کا خیال انکا تصور انسے باتیں کرنا
خلوت کرنا انکو دیکھنا ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے کیونکہ جوشش شہوت کے یہی چار اسباب قوی ہیں
اور ان چاروں میں سے دیکھنے اور خلوت کرنیکی تاثیر زیادہ ہے اسیوجہ سے خدا تعالی نے فرمایا۔
(قُل لِّلمُؤمِنِینَ یَغُضُّونَ مِن اَبصَارِھِم) مومنوں کو حکم کرو کہ اپنی آنکھوں کو بند کریں
حضرت رسول نے فرمایا کہ نظر کرنا شیطان کے تیروں سے ایک تیر زہر آلود ہے جو کوئی اپنے کو اس سے

بوجہ خوف خدا بچائے تو خدا اُسکو وہ ایمان عطا فرماتا ہے جسکی حلاوت اُسکے دلکو حاصل ہوتی ہے
یحییٰ بن ذکریا سے پوچھا گیا کہ ابتدائے زنا اور اُسکا منشا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ نگاہ و آرزو
کرنا یعنے خیال و تصور کرنا حضرت داؤد نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند عقب میں شیر کے راستہ
چل لیکن عقب میں عورت کے راستہ نہ چل ابلیس لعین نے کہا کہ نگاہ کرنا میری کمانِ قدیم ہے
اور وہ ایک تیر ہے کہ ہرگز خطا نہیں کرتا چونکہ نظر کرنا باعث ہیجانِ شہوت ہوتا ہے اسلئے شرع نے
ہر ایک مرد و عورت کا ایک دوسرے پر نظر کرنا اور ایک دوسرے کی باتوں کی آواز کا سُننا سوائے
حالت ضرورت کے حرام کیا ہے ایسا ہی مردوں کا جوان لڑکوں پر از روئے شہوت نظر کرنا حرام ہے
اسوجہ سے بزرگان دین جوان لڑکوں پر نظر کرنے سے پرہیز کرتے تھے اسی سبب سے بادشاہان
اسلام و حکام دیندار و علما کا شہروں میں یہہ حکم نافذ تھا کہ بغیر حاجت و ضرورت کے عورتیں کوچہ
بازار و عیدگاہ و مساجد میں جبکہ مردوں پر نظر کرنے سے فتنہ و فساد کا گمان ہو تو آمد و رفت نرکھیں
پس جو کوئی اپنے دین و دنیا کی حفاظت چاہتا ہے تو اُسے نامحرموں کو دیکھنے اور عورتوں سے گفتگو و خلوت
کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

فصل (۲) تحت خمود و فواید نکاح کے

واضح ہو کہ خمود یعنے کمی قوتِ شہوت سے یہہ مراد ہے کہ قوت شہوت
کی بقدرِ ضرورت حاصل کرنے میں کوتاہی ہو اور نکاح کرنے میں اُسقدر
سُستی کیجائے کہ قوتِ شہوت برطرف ہو اور عیال ضایع و نسل قطع ہو کوئی شک نہیں کہ یہہ امر
شرعاً مذموم و ناپسندیدہ ہے کیونکہ حصولِ معرفت پروردگار و عبادت آفریدگار و اکتسابِ فضائل
و دفعِ رذائل قوتِ بدن و صحتِ تن پر موقوف ہے پس بدن کی غذا میں کوتاہی کرنا جس سے قوت
کی حفاظت ہو اور حصولِ سعادت سے نکاح میں دیری کرنا بہت سے فوائد سے محروم کرتا ہے کیونکہ
خداوند عالم نے اس قوت کو بنی آدم پر مسلط کیا ہے کہ نسل باقی رہے اس سلسلہ کا وجود ہمیشہ ہو

پس جسنے اُسکو مہمل چھوڑا اور نکاح نکیا تو اس قوت کے ثمرہ کو ضایع کیا اور بقاے نسل کے بہت سے فوائد سے محروم ہوا جنمیں سے ایک یہہ ہے کہ بقاے نسل انسان اور زیادتی بندگان خدا ارادہ الٰہی کے موافق ہے نیز مرنیکے بعد فرزند صالح کی دعا ایک نعمت اور برکت ہے کم سن بچے جاپنے ماں باپ کے سامنے مرجاتے ہیں وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں۔ اِن فوائد کے علاوہ یہہ بھی دیکھنا ہے کہ جو رشتہ حضرت آدم ابو البشر سے متصل ہے اُسکو قطع کرنا اور اُسکو دوسرے کے سپرد کرنا کسقدر بُرا ہے نیز نکاح و تزویج کے فوائد بہت ہیں منجملہ اُنکے یہہ ہے کہ اس ذریعہ سے شر شیطان سے حفاظت ہوتی ہے شہوت کا ہیجان کم ہوتا ہے گھر کی درستی اور اسباب خانہ داری کی حفاظت سے نجات ملتی ہے کیونکہ یہی چیزیں ہیں جنمیں مشغول رہنا آدمی کو تحصیل علم و عمل سے باز رکھتا ہے اسیوجہ سے سید رسل نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو زبان ذکر کرنیوالی اور دل شکر کرنیوالا اور عورت پارسا رکھنا چاہئیے۔ نیز فوائد تزویج و نکاح میں سے یہہ امور ہیں کہ آدمی اُسکے سبب سے زحمت و رنج اُٹھاتا ہے ضروریات و اصلاح اہل و عیال اور تحصیل مال حلال میں کوشش کرتا ہے اولاد کی تربیت میں مشغول رہتا ہے عورتوں کی بداخلاقی و بدخوئی پر صبر کرتا ہے اور انمیں سے ہر ایک کیلئے فضیلت بیحد اور ثواب بے انتہا ہے اسیوجہ سے سردار عرب و عجم نے فرمایا کہ جو تحصیل نفقہ عیال میں تکلیف اُٹھائے وہ مانند اُسکے ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کرے نیز فرمایا کہ جسکی نماز نیک جسکی عیال بہت جسکا مال کم ہوا اور مسلمانونکی غیبت نکرے تو وہ بہشت میں امن کے ساتھ رہیگا مثل میری ان انگلیونکے جو ایکدوسرےکے ساتھہ ہیں فرمایا کہ بعض گناہ ہیں کہ سوائے زحمت حصول معیشت کے اُن کا کوئی کفارہ نہیں ہوسکتا فرمایا کہ جسکی تین لڑکیاں ہوں اُنکو نفقہ دے اُنپر احسان کرے یہانتک کہ وہ باپ کی تربیت سے مستغنی ہوں تو خدا تعالیٰ اُسپر بہشت واجب کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ شہوت کا سرد ہونا اور نکاح کا ترک کرنا تمام فواید سے محروم کرتا ہے۔

آفاتِ نکاح واضح ہو کہ جو فواید نکاح کے ہیں اُنکے مقابل میں آفتیں اور بلائیں بھی بہت ہیں جیسا کہ احتیاجِ مال اور مشقتِ تحصیلِ مالِ حلال اور عورتونکے حقوق میں خصوصاً ایک سے زیادہ ہونیکی صورت میں کوتاہی کرنا اُنکے اخلاق و بدخوئی وایذا دینے پر صبر کرنا ضروریاتِ مایحتاج کے سبب سے پریشانی خاطر وغیرہ اسیوجہ سے اکثر اوقات صاحبانِ عیال دنیا میں پھنسکر خدا کی یاد سے غافل ہوجاتے ہیں اور جس کام کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں اُس سے باز رہتے ہیں۔ پس ہر کسیکو سزاوار یہہ ہے کہ اپنے نفس کیلئے خود مجتہد ہو۔ اپنے احوال کا ملاحظہ کرے جو فواید اور ضرر بیان کیگئی ہیں اُنکو دیکھے کہ اُسکے حقمیں کونسا پہلو بہتر ہے پس اُسیکو اختیار کرے لیکن افسوس جبتک کہ آدمی مبتلا نہیں ہوتا ہے اُسکی خرابی کو معلوم نہیں کرسکتا اور جب اُسمیں گرفتار ہوگیا تو پھر کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔

فصل (۳)
فوائدِ عفت اور طریقۂ اعتدال اکل و جماع

واضح ہو کہ قوتِ شہویہ کی یہہ دونوں جنسیں جنکا بیان کیا گیا اُنکی ضد عفت ہے اس سے مراد یہہ ہے کہ قوتِ شہوت ہر امر میں خصوصاً کھانے پینے اور نکاح و جماع میں قوتِ عاقلہ کی فرمانبردار ہو یہہ ایک حدِ اعتدال ہے جو شرعاً و عقلاً بہتر ہے اُسکی کمی و زیادتی مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ پس ہرگز یہہ خیال نکرنا چاہئے کہ گرسنگی کی فضیلت جو بیان کیگئی ہے تو اسمیں افراط کرنا بھی ممدوح ہوگا ہرگز ایسا نہیں اسلئے کہ غرض خلقتِ انسان بندگی ہے جو قوت و خوشِ طبعی پر موقوف ہے۔ اور گرسنگی اِن چیزونکو باطل کرنیوالی ہے۔ پس گرسنگی سے اسقدر کمی غذا مراد لیگئی ہے جو آدمی پر گراں نگذرے اور اُنسانکو غلبۂ حیوانیت سے بچائے۔ یعنے طلبِ غذا میں منہمک نہو نہ اسدرجہ کہ قوت زائل ہو اور مزاج کو خراب کردے کیونکہ ایسی گرسنگی حدِ اعتدال سے خارج اور مقصودِ شارع کے خلاف ہے۔ واضح ہو کہ عفت کی مدح میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ افضلِ عبادات عفت ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی عبادت عفتِ شکم و فرج سے افضل نہیں ہے۔ اسکے اعتدال کی نسبت جو اشارہ کیا گیا ہے وہ غذا کے متعلق ہے

کہ اسقدر کھائے کہ نہ گرانیِ معدہ محسوس ہو نہ الم گرسنگی کیونکہ کھانیکا مقصد زندگی و قوتِ عبادت ہے
اور گرانیِ طعام آدمی کو سست کرتی ہے اور عبادت کی مانع ہوتی ہے نیز الم گرسنگی دلکو پریشان کرتا ہے اور
کام سے باز رکھتا ہے پس سزاوار یہہ ہے کہ اسقدر کھانا کھائے کہ کھانیکا اثر اُس میں پیدا نہو تاکہ وہ ملائکہ
کے مشابہ ہو کیونکہ وہ نہ گرانیِ معدہ سے متاثر ہیں نہ الم گرسنگی سے اسیوجہ سے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے
کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنے کھاؤ پیو اور اسمیں اسراف نکرو۔ واضح ہو کہ مقدارِ غذا حسبِ
اشخاص و احوال مختلف صورتیں رکھتی ہیں لیکن اسکا معیار یہہ ہے کہ جبتک پوری خواہش نہو کھانا
نہ کھائے اور جب کھانیکی کسیقدر خواہش باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچلے کھانا کھانیکی غرض حصول لذت
نہو بلکہ عبادتِ خدا کیلئے قوت کا حاصل کرنا مقصود ہو۔ انواع و اقسام کے کھانے نہ کھائے بلکہ صرف
روٹی خواہ وہ گیہوں کی ہو یا جو کی کسی ایک پر اکتفا کرے ہمیشہ گوشت کھانیکی عادت نکرے اور بالکلیت
اِسکو ترک بھی نکردے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی چالیس روز تک گوشت ترک
کر دیتا ہے تو اُسکی خصلت خراب ہوتی ہے جو کوئی چالیس روز تک برابر گوشت کھاتا ہے تو وہ
سنگدل ہو جاتا ہے اور حدِ اعتدالِ غذا یہہ ہے کہ رات دن میں ایکدفعہ کھانا کھائے اور بہتر یہہ ہے
کہ وقتِ سحر نمازِ شب سے فارغ ہونیکے بعد کھانا کھائے یا عشا کی نماز کے بعد کھائے اور یہہ نہیں ہو سکتا
تو دو دفعہ ایک صبح دوسرے عشا کے وقت کھائے کھانا کھانیکے وقت بسم اللہ کہے اُسکے بعد خدا کا شکر بجا لائے
شروع میں اور آخر میں ہاتھ دھوئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ شروع میں ہاتھ دھونا فقر کو زائل
کرتا ہے۔ کھانا کھانیکی ابتدا و انتہا نمک سے کیجائے نیز اور بھی آداب ہیں جو احادیث میں موجود ہیں
اہلِ معرفت نے گرسنگی کی بہت ترغیب دلائی ہے اور تصریح کی ہے کہ اسرارِ الٰہیہ کا کھولا جانا اور
مراتبِ عظیمہ پر پہنچنا گرسنگی پر موقوف رکھا گیا ہے چند حکایتیں بھی گرسنگی پر صبر کرنیکے باب میں نقل
ہوئی ہیں۔ اور بعضونکے ذکر میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے ایکماہ یا دو ماہ یا ایکسال تک کھانا نہیں کھایا۔

لیکن یہہ ایک ایسا حکم ہے جو احادیث کے مفہوم سے جدا ہے اگرچہ بہتر بھی ہو تو کسی خاص گروہ کیلئے ہوگا ہر شخص اسکا مکلف نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر نفس کی سرکشی حد سے زیادہ گزر چکی ہو اور اصلاح شدت گرسنگی پر ہی موقوف ہو تو پھر سوائے اسکے چارہ نہیں ہے۔ اب رہا جماع اسکی اعتدال یہہ ہے کہ اس مقدار پر انسان کفایت کرے جس سے نسل منقطع نہو۔ وسوسۂ شیطان سے فارغ ہو جاوے اور خطرات شہوت اُسکے دل سے نکل جائیں اور ضعفِ بدن اور اختلالِ دین کیطرف منجر نہو۔

دوسرا مطلب اُن صفات کے بیان میں جو قوتِ شہویہ سے تعلق ہیں اور ہر دو جنس مذکورہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

پہلی صفت دنیا کی محبت میں ہے جس میں گیارہ فصلیں ہیں ۔

فصل (۱) دنیاے مذموم کی حقیقت

واضح ہو کہ دنیا فی نفسہ ایک حقیقت رکھتی ہے۔ اور حقیقت خود دنیا زمین ہے نیز وہ تمام چیزیں جو روی زمین پر موجود ہیں۔ زمین سے مراد املاک و باغات و مکانات وغیرہ ہیں اور اشیاے روی زمین معدنیات و حیوانات و نباتات ہیں معدنیات کو انسان اپنے کاروبار کے آلات کیلئے حاصل کرتا ہے جیسے لوہے اور تانبے وغیرہ کو یا داد و ستد کیلئے جیسے سونا چاندی وغیرہ اور نباتات کا حصول اغلب اوقات غذا و دوا و لباس کیواسطے ہے اب رہے حیوانات اُنکی تحصیل یا تو خدمتگاری اور کارفرمائی کیلئے ہوتی ہے جیسے اسپ و استر و غلام و کنیز یا لذت کیلئے جیسی حسین عورتیں یا اُنسے امداد و تقویت حاصل کرنیکے واسطے یا اُنکے قلوب کی تسخیر کی خاطر بس یہی چیزیں ہیں جنسے دنیا عبارت ہے چنانچہ آیۂ ذیل میں انکو جمع فرمایا ہے (زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) یعنے خواہشاتِ نسوانی اولاد سونے چاندی

کے ڈھیر گھوڑے چارپائے۔ زراعت اِن سبکی محبت انسانونکیلئے فریفتہ کیگئی ہے پس یہی چیزیں
متاعِ حیاتِ دنیا ہیں۔ اِن سبکی محبت رذائلِ قوۂ شہویہ سے متعلق ہے مگر محبت تسخیرِ قلوب و غلبۂ
قوۂ غضبیہ سے تعلق رکھتی ہے یہہ تو خود دنیا کی حقیقت تھی اب بندونکے حق میں مرنیسے پہلے جس چیز
سے اُنکا تعلق ہو اور جس چیز سے وہ لذت حاصل کریں وہی حقیقتِ دنیا ہے اور اُس چیز سے انسان
کو دو قسم کا تعلق ہے ایک تعلقِ قلبی جسے محبت کہتے ہیں دوسرا تعلق جسمانی یعنے حصولِ لذت کی خاطر
اُس چیز کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہونا پس یہی محبتِ قلبی و تعلقِ جسمانی و لذتِ نفسانی بندونکے
حق میں حقیقتِ دنیا ہے نہ خود وہ چیز جس سے یہہ محبت کرتا ہے۔ ہاں یہہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ مرنیسے قبل
جس چیز سے انسان محبت رکھے وہ سب کی سب مذموم ہیں ہرگز نہیں کیونکہ آدمی کو اس عالم میں جن
چیزونکی خواہش ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ کہ جنکا فائدہ مرنیکے بعد ملتا ہے اور اُنکے حاصل کرنیکی
غرض اور اُنکے اثر و نتیجہ کی خواہش عالمِ آخرت میں ہوتی ہے مثلاً علمِ نافع و عملِ صالح انسان اِنسے بھی لذت
اُٹھاتا ہے بلکہ بسا اوقات اُسکے نزدیک یہہ شئے تمام چیزونسے لذیذ و محبوب ہوتی ہے۔ اگرچہ اِن چیزونکا حصول
اور اِنسے لذت اُٹھانا دنیا میں ہوتا ہے لیکن یہہ دنیائے مذموم نہیں ہے کیونکہ اُسکا عمدہ اثر آخرت میں
ملتا ہے اور چونکہ اِنکا حصول دنیا میں ہوتا ہے اسلئے اُنکو دنیا میں شمار کرتے ہیں۔ اسی سبب سے پیغمبر صلعم
نے نماز کو دنیا میں سے سمجھا ہے اور فرمایا ہے کہ (حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ
وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ) تمہاری دنیا سے تین چیزیں مجھکو محبوب ہیں
(۱) بوئے خوش (۲) عورتیں (۳) نماز میری آنکھ کی روشنی ہے۔ باوجود اسکے کہ نماز اعمالِ آخرت
سے ہے لیکن حضرت نے اُسے دنیا میں شمار فرمایا ہے پس دنیائے مذموم وہ لذت ہے جو آخرت میں
دوسری لذت کا ذریعہ نہیں ہے مگر گناہونسے لطف اُٹھانا اور زائد از ضرورت مباحات سے
متنعم ہونا لیکن دنیا سے اسقدر حاصل کرنا جو بقائے حیات و معاشِ عیال و حفظِ آبرو کیلئے ضروری ہو

عمل صالح و عبادتِ حسنہ ہے جیسا کہ احادیث میں اُسکی صراحت کیگئی ہے حضرت رسول صلعم سے مروی ہے
کہ عبادت کے ستر جزو ہیں اُنمیں سب سے افضل طلبِ روزیِ حلال ہے نیز آنحضرت سے مروی ہے کہ وہ شخص
ملعون ہے جو اپنی کُل ضروریات اور بوجھ کو دوسروں پر رکھے حضرت سید سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ
دنیا دو قسم پر ہے (۱) وہ دنیا جو بقدرِ کفایت و ضرورت حاصل کیجائے (۲) وہ دنیا جو ملعون ہے جناب
امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی فراغتی و وسعتِ عیال اور ہمسایوں پر احسان کرنے کیلئے دنیا
میں روزی طلب کرے تو وہ خدائے عزوجل سے اُس حالت میں ملاقات کریگا جبکہ اُسکا مُنہ مثل چودہویں
رات کے چاند کے روشن ہوگا حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو کوئی عیال کیلئے روزی میں کوشش
کرتا ہے تو گویا وہ راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے تحقیق کہ جو کوئی طلبِ روزی میں غربت و سفر اختیار کرتا ہے
خدا اُسکو دوست رکھتا ہے نیز فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو بسبب آخرت کے یا بسبب دنیا
کے آخرت کو ترک کر دے انھیں حضرت سے ایکشخص نے عرض کیا کہ میں دنیا کو طلب کرتا ہوں اور دوست
رکھتا ہوں کہ میری طرف متوجہ ہو حضرت نے فرمایا کہ تیری اس سے کیا غرض ہے اُسنے عرض کیا کہ میں اور
میرے عیال اُس سے فائدہ اُٹھائیں صلہ رحم بجا لائیں تصدق کریں حج و عمرہ عمل میں لائیں فرمایا کہ یہ دنیا
کی طلب نہیں ہے بلکہ طلبِ آخرت ہے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام ایکوقت زراعت کا کام کرتے تھے
اسطرح پر کہ قدمِ مبارک آپکے پسینہ میں بھر گئے تھے ایک شخص نے عرض کیا آپکے کام کرنیوالے کہاں ہیں کہ
آپ خود کام کرتے ہیں فرمایا کہ زمین پر بیلداری اُنھوں نے کی ہے جو مجھ سے اور میرے باپ سے بہتر تھے
عرض کیا کہ کون اشخاص ہیں فرمایا کہ رسول اللہ و امیر المومنین علیہ السّلام اور تمام میرے اجدادِ بزرگوار نے
اپنے ہاتھ سے کام کیا ہے اور زراعت کی ہے یہ عمل انبیا و مرسلین و اوصیا و صالحین کا ہے اس مضمون میں
اخبار بہت سے ہیں پس زیادتیِ رزق و توسیعِ نفقۂ عیال و صرفِ راہِ خدا کیلئے کوئی کام کرنا دنیائے ممدوح
میں سے ہے بلکہ ہر مومن کو لازم ہے کہ طریقۂ کسبِ حلال پیدا کرکے اُس سے اپنی ضروریات کو حاصل کرے

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ وہ نیک بندے جسکی روزی بیت المال سے مقرر ہو اور اپنے ہاتھ سے کوئی شغل کرے پس حضرت داود علیہ السلام نے چالیس روز رات دن گریہ کیا خدا تعالی نے اُنکے لئے لوہے کو نرم کیا ہر روز ایک زرہ تیار کرتے تھے ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے یہانتک کہ بیت المال سے مستغنی ہوئے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ ایک مرد کہتا ہے کہ میں گھر میں بیٹھتا ہوں نماز و روزہ بجالاتا ہوں عبادت پروردگار کی کرتا ہوں روزی مجھکو ضرور ملیگی حضرت نے فرمایا کہ منجملہ اُن تین آدمیونکے یہہ ایک شخص ہے جسکی دعا مستجاب نہیں ہوتی ان اخبار سے پایا جاتا ہے کہ ہر ایک مومن کو سزاوار ہے کہ راہ کسب حلال و طیب پیدا کرے ایسکا نام حُریت اور آزادگی ہے کیونکہ علماے اخلاق کے نزدیک آزادگی کے دو معنی ہیں ایک تو یہی جسکا ذکر ہوا دوسرے ہوا و ہوس سے رہائی اور بندگی قوت شہویہ سے خلاصی جسکا نام عفت ہے اسکی ضد بندگی ہوا و ہوس ہے جو قوت شہویہ کی زیادتی سے متعلق ہے اور امر اول یعنی طریقہ کسب حلال کی رقیت و بندگی بمعنی اخص ہے یعنے لوگونکا دست نگر ہونا اُنکے مال پر نگاہ کرنا اور اپنی اور اپنے عیال کی روزی لوگونکے حوالے کرنا خواہ بطریق حرام مثل ظلم و تعدی و غضب و دزدی یا خیانت یا غیر حرام مثلاً صدقہ لینا اور مال مردم کو فضول حاصل کرنا بلکہ مطلقاً کوئی چیز لوگونسے لینا آزادی نفس کو زایل اور آدمی کو گروہ احرار سے خارج کر دیتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ بندگی و رقیت بایمعنی صفات مذمومہ و حالات خبیثہ میں سے ہے کیونکہ اسکی ایک قسم یعنے بطریق حرام لوگونکا مال حاصل کرنا علاوہ اسکے کہ موجب عذاب اُخروی ہے ایکقسم کی گدائی ہے جو بیشرمی و بیحیائی کیساتھ جمع ہوئی ہے اور ذلت و پستی پر مشتمل ہے بیشک اس سے زیادہ کونسی ذلت اور پستی ہوسکتی ہے کہ انسان کسی فقیر و بینوا پر ستم کرے جبر و تعدی و خیانت سے اسکا مال اُڑائے اور اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے۔ اب رہی دوسری قسم یعنے طریق غیر حرام لوگونسے لینا اگرچہ باوجود استحقاق حرام نہیں ہے لیکن چونکہ انسانکو اسمیں بھی دوسرے کے ہاتھ کیطرف دیکھنا پڑتا ہے لہذا یہہ بھی ذلت و انکساری سے خالی نہیں آدمی خدا کے سوا دوسرے سے طمع رکھتا ہے اور اس سبب سے

خدا پر اسکا اعتماد کم ہوتا ہے انجامِ کار صفتِ توکّل سلب ہو جاتی ہے اور مخلوق کو خالق پر ترجیح دینے لگتا ہے اور یہ امر تقیناً مقتضائے ایمان اور معرفتِ خدائے منان کے منافی ہے۔

فصل (۲)

دنیائے مذموم اور غیر مذموم کا فرق

بیانِ مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ خود حقیقتِ دنیا اور چیز ہے اور بندوں کے حق میں حقیقتِ دنیا دوسری شے ہے یعنے اشیائے مذکورہ سے دلبستگی رکھنا اور انمیں گرفتار رہنا لیکن معلوم ہو چکا ہے کہ اس دلبستگی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ کہ انسان ان چیزوں کو وسیلہ آخرت بنائے یہ قسم نیک ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو امرِ آخرت کی درستی کیلئے حاصل نکرے اُسے سفرِ عالمِ قدس کیلئے توشہ نہ بنائے بلکہ محض حصولِ لذت اُسکا مقصد رہے یہی دنیا ہے جو تمام مذاہب میں بد ہے اور تمام پیغمبروں نے اسے حرام بتایا ہے۔ ہوا و ہوس سے مراد یہی لذتیں ہیں اور جو شخص انسے باز رہے اُسکے لئے خدا نے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے یہی وہ تعلقات ہیں جنسے بہت امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً ریا۔ حسد عداوت۔ غرور۔ فخر۔ بدگمانی۔ طمع۔ حرص وغیرہ یہی وہ گرفتاری ہے جو انسان کو آخرت سے باز رکھتی ہے کیونکہ گرفتاری سے مراد یہ ہے کہ اشغالِ دنیویہ اور کاروبارِ دنیا میں انسان اسطرح مشغول ہو کہ خدا کو فراموش کر دے اور جس کام کیواسطے اُسے پیدا کیا گیا ہے اس سے غافل رہے چونکہ لوگ دنیا میں آنےکی حکمت کو نہیں جانتے اور معلوم کرنیکی کوشش نہیں کرتے اسلئے ضرورت سے زیادہ اپنے کو مشاغلِ دنیویہ میں گرفتار کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے اشغالِ پیچیدہ میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے اشغال کا سلسلہ ایسا لاانتہائی ہے جسکی حد و انتہا نظر نہیں آتی گویا دنیا ایک باولی ہے جسکی تھاہ نہیں ہے اسکے درجے بہت ہیں کوئی درجۂ اول پر ٹھہرے تو دوسرے درجہ پر پہنچتا ہے اسیطرح ایکدرجے سے دوسرے درجہ بالعذر پہنچتا رہتا ہے غور کیجئے کہ انسان کو خوراک۔ پوشاک۔ مکانکی ضرورت ہے۔ ان تین چیزوں کے تدارک کیلئے پانچ صنعتوں کا ظہور ہوا یعنے زراعت۔ گلہ بانی۔ بننا۔ معماری۔ شکار کرنا۔ انھیں پانچ صنعتوں کے ماتحت بیشمار صنعتیں پیدا ہوگئیں جو آج نظر آرہی ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کسی ایک صنعت یا ایک سے زیادہ صنعتوں میں مشغول نہو غرض

انہی تین چیزوں کے حاصل کرنیکے لئے تمام عالم مشغول ہے مگر بیکار اور کاہل جو بچپن سے لغویات میں پرورش پائے ہیں وہ دوسرونکے دست نگر رہنیکے عادی ہیں اور ان لوگونکے سبب سے چوری اور گدائی کا ظہور ہوا۔

فصل (۳) دنیا کی مذمت اور اسکی بیقدری و بے اعتباری و زوال و بیوفائی

واضح ہو کہ دنیا خدا و بندگانِ خدا کی دشمن ہے خواہ وہ بندے خدا کے دوست ہوں یا دشمن۔ خدا سے دشمنی یہہ ہے کہ اسکے بندونکے راستہ کو مسدود کرتی ہے اُن کو اپنی آرائشِ ظاہریہ پر فریفتہ کرتی ہے۔ اِسی سبب سے جو روزی خدا نے اُنکے لئے خلق کی ہے اُسپر نظر نہیں کرتے اور دوستانِ خدا سے اُسکی عداوت یہہ ہے کہ اپنے کو ہر لحظہ آراستہ کرتی ہے اُنکی نظر میں جلوہ دیتی ہے اپنی نعمتونکو اُن پر ظاہر کرتی ہے تا اُنپر صبر دشوار ہو اور اُسکا ترک کرنا اُنکو تلخ و ناگوار ہو۔ دشمنانِ خدا سے اُسکی دشمنی یہہ ہے کہ اپنے دام کو اُنکے راستہ میں بچھا کر مکر و فریب سے اپنی طرف کھینچتی ہے اُنکی گردن کو اپنے پھندے میں ڈالتی ہے اُنکے ساتھ محبت و دوستی کرتی ہے تاکہ اُنکا دل اُسکی طرف مائل ہو اپنے مکر سے اُنکو امین اور اُنکے دلوں کو اپنے سے مطمئن کرکے ایکدم اپنے دامن کو اُنکے ہاتھ سے چھڑا لیتی ہے اُنکو پشیمانی و ندامت و اندوہ و حسرت میں چھوڑ دیتی ہے وہ بدنصیب تمام سرمایہ کو کھو کر اپنی سعادت ابدی سے محروم ہو کر آتشِ حسرت سینہ میں روشن کر کے فراق میں دنیاے غدار کے نالے کرتے ہیں اُسکے مکر و فریب سے آہ کھینچتے ہیں۔ (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ) یہہ وہ لوگ ہیں جو متاعِ حیاتِ چند روزۂ دنیا کو نعمتِ آخرت کے بدلے خرید چکے ہیں اور عذابِ ابدی میں گرفتار ہوئے ہیں نہ اُنکا عذاب کم ہوتا ہے نہ کوئی اُنکی اعانت و یاری کرتا ہے آپ دنیا کا فریب نکھائیے کہ یہہ خدا اور اُسکے بندونکی دشمن ہے۔

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیفِ مترجم

عقد میں تو زالِ دنیا کو نہ لا ہے نہایت بیسوا یہ بے وفا

حُبِّ دنیا دل سے تو اپنے نکال زینتِ دنیائے دوں پر خاک ڈال

دیکھ مائل ہو نہ دنیا کی طرف حیف اعلیٰ جائے ادنیٰ کی طرف

حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک پر پشہ کے برابر ہوتا تو کافر کو اُس سے ایک گھونٹ پینے نہ دیا جاتا فرمایا کہ اگر کوئی شخص صبح کو اٹھتے ہی دنیا کے کام میں مشغول ہو تو کسی طرح اسکو خدا کے نزدیک راہ نہیں ہے خدا اُسکے دلکو چار خصلتوں میں گرفتار کرتا ہے غم و غصہ اور ایسی گرفتاری رہتی ہے کہ اُس سے ہرگز فارغ نہیں ہوتا اُسکی جسقدر ضرورتیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں کبھی وہ پوری نہیں ہوتیں آپ نے گرفتارانِ دنیا کو دیکھا ہے کہ اُنکی آرزوئیں پوری ہوئی ہوں یا اُنکی ضرورتیں رفع ہوئی ہوں کسی روز ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی امر میں گرفتار نہوں مفلسوں کو اگر غم ہے تو ایک غم مفلسی کا ہے گرفتارانِ دامِ دنیا کو ہر گھڑی سو غم لگے ہوئے ہیں۔ انھیں حضرت نے فرمایا کہ تعجب اور ہزار تعجب ہے اُس شخص سے جو خانۂ باقی و پائدار کو ترک کرے اور جو گھر فنا ہونیوالا ہے اسکے متعلق عمل کرے حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اے فرزندِ آدم جو کچھ کہ مال ہے وہ میرا مال ہے اُس مال سے تجھے کچھ نہ ملیگا مگر وہی جو تو نے تصدق کیا اور آگے بھیجا یا کھایا یا پہنا اور پرانا کیا۔ ایک روز سیدِ عالم قبرستان پر گذرے اور کھڑے رہکر فریاد کی کہ آؤ اے اہلِ دنیا کو جو پرانے کفن پہنے ہیں خاک میں استخوان بوسیدہ ہیں دیکھو آن حضرت سے مروی ہے کہ دنیا گھر اُسکا ہے جو کوئی گھر نہ رکھتا ہو دنیا مال اُسکا ہے جو کوئی مال نہ رکھتا ہو جو کوئی عقل نہیں رکھتا اسکو جمع کرتا ہے اُسکی وجہ سے دشمنی کرتا ہے جو کوئی دانائی نہیں کرتا ہے اُسپر حسد کرتا ہے جو شخص بصیرت نہیں رکھتا اُسکے حصول کی کوشش کرتا ہے حالانکہ اُسکے حاصل ہونیکا یقین نہیں رکھتا فرمایا کہ جس روز سے خدا تعالیٰ نے دنیا کو خلق کیا اُسپر نظر نہیں کی قیامت کے روز دنیا عرض کریگی الٰہی مجھکو اپنے دوستوں کیلئے جو کم درجہ کے ہیں مقرر کر خطاب ہوگا کہ خاموش ہو کہ

میں نے کبھی اُنکے لئے دنیا میں تجھکو پسند نہیں کیا آج کیونکر اُن کیلئے پسند کروں فرمایا کہ قیامت میں ایک طائفہ
کو لائینگے جنکے اعمالِ نیک تہامہ کے پہاڑ کے مثل ہونگے پس خداوندِ عالم کا حکم ہوگا کہ انکو جہنم میں لیجائیں
بعض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے ہونگے فرمایا کہ نماز پڑھنے والے اور روزہ
رکھنے والے اور راتوں کو بیداری کرنیوالے ہونگے لیکن طالب دنیا ہونگے مروی ہے کہ ایکروز حضرت پیغمبرؐ
نے دولتسرا سے نکلکر اصحاب کو خطاب فرمایا کہ آیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ خدا جسکے اندھے پن کو
زائل کرے اور اسکو بینا کردے آگاہ ہو کہ جو کوئی دنیا پر مائل ہوا اور اُسکے کاروبار نے دنیا میں طول
کھینچا ہو حق تعالیٰ اُسکے دلکو اندھا کرتا ہے جسقدر دنیا کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اُسقدر اُسکے دلکا
اندھا پن زیادہ ہوتا ہے جو کوئی دنیا سے دوری کرتا ہے اُسکے علائق سے پرہیز کرتا ہے اپنی اُمید کو
کم کرتا ہے حق تعالیٰ اُسکو علم عطا کرتا ہے بغیر اسکے کہ دوسرا اُسکی رہنمائی کرے نیز اصحاب سے آپنے
فرمایا کہ میں تمھارے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ تمھاری مالداری سے خوف کرتا ہوں کہ دنیا تمھاری
طرف رخ کرے جیسا کہ تم سے پہلونکی طرف اُسنے رخ کیا ہے پھر تم اُسپر رغبت کرو جیسا کہ اُن لوگوں نے
اُسکے ساتھ رغبت کی پس پھر تمکو ہلاک کرے جیسا کہ اُن لوگونکو ہلاک کیا ایکروز فرمایا میرے بعد قریب ہے
کہ ایک قوم پیدا ہوگی جو پاکیزہ غذا کھائینگے اور خوبصورت عورتیں کرینگے ملبوس نفیس پہنینگے خوشنما گھوڑوں
پر سوار ہونگے انکا پیٹ کبھی نہ بھریگا انکا نفس کبھی قناعت نکریگا رات دن دنیا کے کاموں میں مشغول رہینگے۔
اُسکی پرستش کرینگے اپنی خواہشات کی اطاعت کرینگے پس محمد ابن عبد اللہ سے ایک حکم لازم ہے کہ جو شخص
اُن زمانہ والونکو دیکھے جو تمھارے فرزندونکے فرزندوں سے ہوگا انکو سلام نکریں اُنکے مریضونکی عیادت
کو نجائیں اُنکے جنازوں میں شریک نہوں اُنکے بوڑھونکا احترام نکریں پس جو کوئی اسکی مخالفت کرے ان
امور کو بجالائے تو وہ گویا دینِ اسلام کے خراب کرنیمیں اعانت کرنیوالا ہے فرمایا کہ مجھکو دنیا سے کیا
کام ہے میری مثال دنیا کے ساتھ ایکسوار کی سی ہے جو موسم گرما میں نیچے درخت کے آئے ایکساعت

اُسکے سایہ میں آرام لے اور چھوڑ کر چلا جائے حضرت عیسیٰ کے کلام میں ہے کہ واے ہو صاحب دنیا پر
کہ وہ کیونکر مریگا اور اُسکو چھوڑیگا کسطرح اسکو عزیز رکھتا ہے اسپر اعتماد کرتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے آخرکار
دنیا اُسکو خراب کرتی ہے اُس سے جدا ہوتی ہے اُنپر افسوس ہے جو دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ
کیونکر اُنکے ساتھ دنیا سلوک کرتی ہے۔ وہ پھندا اُنکے گلے میں ڈالتی ہے جیسے وہ مکروہ سمجھتے ہیں یعنے
موت۔ اور اُن چیزونسے جدا کرتی ہے جنھیں وہ دوست رکھتے ہیں اور جو وعدے خدا نے کئے ہیں
ظاہر ہوتے ہیں وائے اس شخص پر جو ایسی حالت میں صبح کرے کہ دنیا کی فکر اُسکے دلمیں ہو اور عمل اُسکا
گناہ ہو وہ کیونکر قیامت میں اپنے گناہوں سے رسوا نہوگا۔ ایکروز حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ابابیل
کو دیکھا کہ اپنے واسطے مکان بناتی ہے فرمایا کہ اس حیوان کیلئے تو مکان ہے مگر میرے پاس مکان نہیں ہے
حواریین نے عرض کیا کہ اگر آپکو مکان کی خواہش ہے تو ہم بھی آپکے لئے مکان تیار کرتے ہیں حضرت نے
انھیں دریا کے کنارے لائے اور کہا کہ دریا میں میرے واسطے مکان تیار کرو سب نے عرض کیا کہ یہ
کیونکر ہوسکتا ہے فرمایا کہ نہیں جانتے ہو کہ دنیا مثل دریا کے ہے اسمیں ہر روز کشتی حیات ٹوٹتی اور
غرقاب ہوتی ہے لیکن کسی تختہ کا نشان پیدا نہیں ہوتا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وحی ہوئی کہ اے موسیٰ
تجھے اس مکانسے کیا تعلق جو ظالمین کا ملجا و ماوا ہے یہہ مکان تیرا نہیں ہے اپنے دلکو اس سے فارغ
کر اور اپنی ہوس کو اس سے الگ کر دے کہ یہہ بہت برا گھر ہے مگر اُس شخص کیلئے ہے جو اُسپر عمل کرے
اے موسیٰ میں کمینگاہ میں ظالم کے بیٹھا ہوں تا کہ مظلوم کے حق کا اُس سے بدلا لوں۔ اے موسیٰ محبت دنیا
کی اختیار نکر کیونکہ کوئی گناہ کبیرہ میرے نزدیک اس سے بدتر نہیں ہے۔ ایکروز حضرت موسیٰ علیہ السّلام
نے کسی مرد کو راستہ میں دیکھا کہ خوف سے روتا ہے بعد واپسی بھی اُسکو روتے دیکھکر درگاہِ خداوند عالم
میں مناجات کی کہ اے خدا تیرے خوف سے تیرا بندہ روتا ہے حق تعالیٰ کا اسوقت خطاب ہوا کہ اے پسر
عمران اگر وہ اسقدر گریہ کرے کہ اُسکا دماغ آنسوؤنمیں شریک ہو کر اُسکی آنکھونسے بہجائے اپنے ہاتھونکو

میری درگاہ میں اسقدر بلند کرے کہ خشک ہوں تو بھی اُسکو نہ بخشونگا اسوجہ سے کہ وہ دنیا کو دوست رکھتا ہے ایک شخص نے سردارِ اولیا سے عرض کیا کہ دنیا کی تعریف بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ کیا تعریف کروں اگر کوئی یہاں تندرست ہو تو بےفکر نہیں ہے اگر بیمار ہے تو پشیمان ہے جو محتاج ہیں وہ غمگین جو مالدار ہیں وہ مبتلا و مفتون ہیں اگر حلال سے پیدا کریں تو اُسکا حساب دینا ہوگا اگر حرام سے پیدا کریں تو اُسکے لئے عذاب ہے۔ دنیا سانپ کی مانند ہے کہ جسکا ظاہر نرم اور جسکے باطن میں زہر ہے انھیں حضرت کی بعض نصیحتوں میں ہے کہ دنیا سے ہاتھ اُٹھاؤ کہ اُسکی محبت آدمی کو اندھا بہرا گونگا کرتی ہے اور ذلیل و خوار کرتی ہے پس اپنی عمر کو معلوم کرکے گزرے ہوئے زمانہ کا عوض ادا کرو آجکے کام کو کل پر نہ رکھو جو لوگ ہلاک ہوئے اسیطرح ہلاکت کو پہنچے ہیں وہ اپنی زندگی کو آرزو میں صرف کرتے رہے۔ تاخیر سے کام لیا یکایک حکمِ خدا پہنچا کوچ کا وقت آیا درانحالیکہ وہ بسترِ غفلت پر سوتے تھے۔ پھر یکایک خوشنما محلوں سے قبر کی اندھیری میں لیگئے نجات کا دروازہ اُنپر بند کیا گیا اُنکے جورو بچے اُنسے کنارہ کش ہوئے اُنکا مال و اسباب آپسمیں تقسیم کرلیا گیا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کی زندگانی چند روزہ ہے تمکو فریب نہ دے کہ دنیا رنج و بلا کا گھر ہے اسکی ناپائدار آرائش ہے اسکے حالات متزلزل ہیں اور اسکے رہنے والے مشوش و مضطرب اسکا عیش ناگوار ہے اور اسکی راحت ناپائدار۔ اہلِ دنیا ہدفِ تیرِ بلا اور ہزار ہا آفات میں مبتلا ہیں۔ بندگانِ خدا خوب جانلو کہ تم اُس منزل میں ہو کہ جسمیں تم سے پہلے بھی ایسے لوگ تھے جنکی عمر بہت بڑی تھی جنکی جماعت بہت زیادہ تھی اُنکے شہر خوب آباد تھے اور اُنکا شہرہ بہت دور دور تھا ناز و آرزو نکے ساتھ ایکدوسرے کے ساتھ ملکر بیٹھتے تھے اور آپسمیں عہد شادی و تفریح کیا کرتے تھے لیکن جب رات آخر ہوئی دن نکل آیا تو اُنکی زبانِ خاموش ہوگئی اُنکے مُنہ میں خاک تھی اُنکے مکانات خالی رہگئے اُنکا نام و نشان صفحہٴ روزگار سے مٹگیا اُنکے قصرِ زرنگار تنگی قبر سے اُنکا فرشِ زریں خاک گور سے بدلگیا اہلِ قبور ایکدوسرے سے پریشان و دور ہیں تمام ہمسایہ دار ہیں لیکن ایکدوسرے سے

آمد و رفت نہیں رکھتے گو اُنکے گھر ملے ہوئے ہیں مگر کوئی کسیکو نہیں دیکھ سکتا گو ایک شہر والے ہیں مگر
ایکدوسرے کو نہیں پہچان سکتے اور آپس میں محبت نہیں رکھتے قبروں پر بھاری پتھر رکھا ہوا ہے کہ اُنمیں بحسرت
آرام کرتے ہیں ایکدوسرے کیونکر آمد و رفت ہو سکے حالانکہ سنگ بلا اُنکے وجود کو کھا گیا ہے قبر کی جا
مصیبت اُنکے ہڈیوں اور بدنکو کھا گئی ہے صفحۂ روزگار نے اُنکے دفترِ زندگانی کو درہم و برہم کیا ہے
اُنکی عیش و عشرت ناکامی و گرفتاری سے بدلگئی ہے اُنکو خاک پر بٹھایا گیا ہے اُنکے دوست خاکِ ماتم
اپنے سر پر ڈالے ہیں اُنھوں نے ایسا سفر کیا ہے جہانسے واپسی کی امید نہیں ہے ایسے بھنور میں غرق
ہوئے ہیں جس سے خلاصی کی امید نہیں (كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا) واپسی کا نام ہی نام
اُنکی زبان پر ہوگا۔ مگر واپسی کہاں (وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ)
اُنکے پیچھے ایک مقامِ برزخ ہے کہ اُسجا قیامت تک گرفتار ہونگے پھر فرمایا کہ تم اسطرح تصوّر کرو
کہ گویا تم اُنکے ہمنشیں تھے ہم پیالہ تھے ناگاہ اُنکی زندگانی کا زمانہ گزر گیا پیغامِ موت آگیا قبر کی خوابگاہ
میں تنہا جا سوئے اب تمھارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھوگے کہ مردے قبروںسے باہر نکلے ہیں۔ راز ہائے
پوشیدہ ظاہر ہو رہے ہیں بادشاہِ جلیل کے روبرو کھڑا کیا گیا ہے تو اُسوقت دلکی کیا حالت ہوگی گویا
دل سینہ سے خوف کے مارے اُڑیگا اور ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار رہیگا۔ دنیا سے ہاتھ اُٹھاؤ ورنہ
بالضرور دنیا تمسے ہاتھ اُٹھائیگی تمھارے بدنکو کہنہ و بوسیدہ کریگی حضرت نے فرمایا کہ جو شخص آنکھیں
رکھتا ہے وہ اس امر کو محسوس کریگا چہ جائیکہ عقل رکھتا ہو کہ بادشاہ ہو یا گدا نیک ہو یا بد غریب ہو یا غنی
اگر اُسنے تھوڑے روز دنیا میں زندگی بسر کی اور اپنی قوت کے مطابق اسباب فراہم کرنے لگا تو اُسکی
یہہ خواہش ابھی انجام کو نہ پہنچی تھی کہ دنیا سے گزر گیا اور دوسرے لوگ اُسکے کاروبار میں دخیل ہوگئے
وائے اُس دل پر جو لذتِ فانی کے کرشمہ پر فریفتہ ہو خاک اُس عقل پر جو طفلانہ تسلیوں پر مفتون ہو جائے
افسوس اُسپر جو کوئی اپنی نقدِ حیات کو اُسکے طلب کے بازار میں تلف کرے اور قوتِ جوانی کو اُسکے حصول

رحمت میں ضایع کرے حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا منہ پھیرے ہوئے جارہی ہے اور آخرت متوجہ ہے کہ آرہی ہے ہر ایک شخص پر لازم ہے کہ صاحب آخرت ہونیکی کوشش کرے اور دنیا سے دل اُٹھائے۔

اشعار مثنوی لقمہ شیریں من تصنیف مترجم

عاقلوں نے خوب یہ دی ہے مثال — زندگی کو اسطرح کر تو خیال

آیا ہے دنیا میں تو جس روز سے — پیٹھ دنیا سے ہے تو پھیرے ہوئے

گویا منہ تیرا طرف عقبیٰ کے ہے — کر رہا ہے منزل عقبیٰ کو طے

ساتھ رکھلے کچھ تو زاد آخرت — تاکہ حاصل ہو مفاد آخرت

واضح ہو کہ جو کوئی دنیا سے دل اُٹھاتا ہے اور دنیا سے پرہیز کرتا ہے وہ اپنی بساط کو زمین اور اپنے فرش کو خاک سمجھتا ہے اُسنے دنیا سے قطع تعلق کیا ہے جو کوئی دنیا سے ہاتھ اُٹھاتا ہے اُسکے نزدیک تمام تکالیف دنیا کے سہل و آسان ہوجاتے ہیں خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو گویا اہل بہشت کو بہشت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں دیکھتے ہیں تمام اشخاص اُنکے شر سے بیفکر ہیں اُنکا دل غمگین ہے اُنکا جو دنیا میں ہلکا اُنکا کام دنیا میں تھوڑا دو تین روز کی تکلیف کو اپنے پر گوارا کر کے مقام ہمیشگی میں راحت ابدی کے ساتھ پہنچے جب رات ہوتی ہے خدمت پروردگار میں کھڑے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں آتش جہنم سے نجات طلب کرتے ہیں جب دن نکلتا ہے تو آدمیوں سے حلم و دانائی و نیکی و پرہیزگاری کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں خوف و عبادت سے چوب تراشیدہ کے مانند لرزاں ہیں جو کوئی اُنکو دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ بیمار و مریض ہیں حالانکہ اُنکو کوئی مرض نہیں ہے نہ اُنکی عقل پریشان ہے بلکہ اُنکو پریشانی خوف اعمال عبادت خدا کے باعث ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر انصاری سے فرمایا کہ ایجابر دنیا سوائے غذا یا جامہ یا عورت کے دوسری کیا چیز ہے یا کیا ہوسکتی ہے اے جابر

اہلِ ایمان دنیا سے دل نہیں لگاتے ایجا بر آخرت دارِ قرار و دارِ بقا ہے دنیا منزلِ زوال و فنا ہے لیکن اہلِ دنیا غفلت میں ہیں جو عقبیٰ کو یاد نہیں کرتے حضرتِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا آبِ دریا کے مانند ہے جو کوئی پیاسا اُسکو پیتے جاتا ہے اُسکی تشنگی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ وہ مرجاتا ہے فرمایا کہ جب خدا نے حضرتِ موسیٰ و ہارون کو حکم کیا کہ فرعون کو دعوت دینے کیواسطے جائیں تو انکو وحی کی کہ اگر میں چاہوں تو زینت دنیا کی اسقدر تمہیں دوں کہ جب فرعون تمکو دیکھے تو اپنی عجز و بیچارگی کو پہچانے لیکن میں نے دنیا کو تمسے لیلیا ہے۔ تمپر دنیا کو تنگ کیا ہے۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھہ اسطرح سلوک کرتا ہوں دنیا کی نعمتوں کو اُنسے دور کرتا ہوں جیسا کہ مہربان چرواہا اپنی بکریوں کو جائے خطرناک و گیاہِ زہرناک سے دور کرتا ہے میرے نزدیک یہہ اُنکی پستی نہیں ہے بلکہ اس سبب سے اُنکے نصیب کو اپنی کرامت سے کامل کرتا ہوں۔ لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی اور کہا کہ اے فرزند دنیا کو آخرت کیلئے بیچڈال کہ دونو سے فائدہ حاصل کیا جائے اور آخرت کو دنیا کیلئے نہ بیچ تاکہ دونوں کو نقصان پہنچے۔ اے فرزند تیرے سامنے آدمی اولاد کیواسطے بہت سا مال جمع کئے مگر نہ مال اُنکے واسطے باقی رہا اور نہ اولاد۔ اے فرزند بتحقیق کہ تو ایک بندۂ مزدور ہے تجھکو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اور مزدوری کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پس اپنا کام کر اور مزدوری لے۔ دنیا میں مثل گوسفند کے بسر نکر کہ کھیت میں گرے اسکو کھائے اور موٹا ہو آخر اُسکا موٹاپن اُسکے ذبح کا سبب ہو جائے دنیا کو ایک پل جان جو ایک نہر پر ڈالا گیا ہے جو کوئی اُسپر سے گزرتا ہے دوسرے وقت ہرگز اُسپر سے نہیں گزر سکتا پس ہرگز یہاں نہ ٹھہر اور اُسکی تعمیر میں مشغول نہو کیونکہ تجھکو اُسکی نسبت حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اے فرزند تجھکو پروردگار کے روبرو چار چیزوں کا حساب دینا ہوگا (۱) جوانی کو کن چیزوں میں صرف کیا (۲) عمر کو کس میں برباد کیا (۳) مال کہاں سے پیدا کیا (۴) مالکو کسطرح خرچ کیا پس آمادہ ہو اور جواب کیلئے مستعد ہو جا۔ دنیا کا غم نہ کھا کہ غم کھانیکے لائق نہیں ہے کیا یہہ اچھا معلوم ہے کہ دنیا کی کوئی چیز تیرے ہاتھہ نہیں لگتی مگر یہہ کہ تجھسے پہلے بھی کوئی اسکا مالک تھا اور تیرے

بعد بھی کوئی نہ کوئی اُسکا مالک ہوگا یہاں صبح و شام کے کھانیکے سوائے کوئی چیز تجھکو حاصل نہیں ہوتی لہذا صرف کھانیکے لئے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈال دنیا میں مثل روزہ دار کے بسر کر کہ آخر تمیں افطار کرے کوئی شک نہیں ہے یہہ زمین وہی زمین ہے جسپر دوسرے بھی چلے ہیں۔ یہہ سامان وہی سامان ہے جسکو گزشتگان اپنے صرف میں لائے ہیں۔ اگر تو پادشاہ ہے تو اُسکو بہت سے پادشاہ چھوڑ گئے ہیں اگر تو مزارع ہے تو خیال کر کہ بہت سے زراعت کرنیوالے اسمیں تخم بو چکے ہیں۔

اشعارِ مثنوی لُقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

بیوفا ایسی عروسِ دہر ہے	مہر جس کا شوہروں کو قہر ہے
ایک حالت پر نہیں دنیائے دُوں	طالبِ دنیا کی حالت ہے زبوں
ہے یہہ دنیا عرصہ گاہِ امتحاں	شادی و غم ہے ہمیشہ توأماں
ہر گھڑی ہے موت تیری تاکمیں	ایکدن جانا ہے تجھکو خاکمیں
یہہ نہیں ہوتی ہے ہر گز صبح و شام	زندگانی ہو رہی ہے اختتام

بعض حکما نے کہا ہے کہ دنیا تھی میں نہیں تھا وہ رہیگی میں نہ ہونگا پس کسطرح دل اُس سے لگایا جائے کس لذت کی اُس سے توقع کیجائے حقیقت میں اسکا عیش ناگوار اسکی روشنائی تیرہ و تار ہے اہل دنیا ہمیشہ اس خوف و اندیشہ میں کہ کس روز یہہ نعمت ہاتھ سے جاتی ہے یا کونسا حادثہ واقع ہوتا ہے یا کونسا ایسا وقت آتا ہے کہ موت آجاتی ہے بسر کرتے ہیں دنیا میں کونسی چیز ایسی ہے کہ آدمی جس سے خوش ہوتا ہو جسکے ساتھہ کوئی غم نہو۔ دنیا شیطان کی ایکدوکان ہے اُس دوکانسے کوئی چیز نہ لے کہ تیری طلب میں دنیا نکلتی ہے تجھکو کمپڑتی ہے اور جو کچھہ تو نے لیا ہے اُسکو واپس لیلیتی ہے کہا گیا ہے کہ اگر دنیا طلا ہوتی اور آخرت سفال تو بھی عاقل سفال کو جو باقی رہنے والی ہے بمقابل اُس طلا کے جو فنا ہونیوالا ہے اختیار کرتا حقیقتاً دنیا سفال فانی اور آخرت طلاے باقی ہے اگر سفال نہوتی تو خدا اپنے دشمنوں کو

مذ نیا ایک پیغمبر کو وحی ہوئی کہ آدمیوں کے ساتھ دشمنی کرنیسے پرہیز کرو ورنہ میری نظر سے گر جاؤگے اور
اُسوقت میں دنیا کی نعمتیں تم پر نازل کرونگا مروی ہے کہ جب خاتم انبیا مبعوث ہوئے تو ابلیس کا لشکر
اُسکے اطراف جمع ہوکر کہنے لگا کہ خدا نے ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جسکی ایک امت قرار دیگئی ہے۔ ابلیس نے
کہا کہ کیا اُسکی اُمت دنیا کو دوست رکھیگی اُنھوں نے کہا کہ ہاں؟ اُسوقت ابلیس نے کہا کوئی پروا نہیں
وہ بت پرستی نہیں کرتے نہ کریں میں راتدن اُنکو اسی مشغلہ میں لگاؤنگا کہ مال خلاف حق حاصل کرکے بیجا
غور پر صرف کریں اور حقدار کو نہ دیں پس اُنمیں اسیوجہ سے تمام خرابیاں پیدا ہوجائینگی۔ اسلیئے کہا گیا ہے
کہ عقلمند تین گروہ ہیں (۱) وہ جو دنیا سے ہاتھ اُٹھاتا ہے قبل اسکے کہ دنیا اُس سے ہاتھ اٹھالے (۲)
وہ کہ اپنی قبر کی تعمیر کرے قبل اسکے کہ اُسمیں جائے (۳) خدا کو اپنے سے راضی رکھے قبل اسکے کہ ملاقات کرے
ایک امیر نے کسی سن رسیدہ سے جسکی عمر ایکسو بیس ۱۲۰ برس کی تھی سوال کیا کہ آپنے دنیا کو کیونکر دیکھا؟ اُسنے جواب دیا
چند سال سختی و بلا میں اور چند سال آسانی و سہولت میں گذرے اور یہہ قلت مال دنیا کے ساتھ بھی گذر جاتے
ہیں کیونکہ ایک دنیا میں آتا ہے دوسرا دنیا سے جاتا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں نہ آتا تو آدمی تمام ہوجاتے اور اگر
کوئی نہ مرتے تو آدمیوں کیلیئے دنیا کی جگہ تنگ ہوتی۔ اُس امیر نے کہا مجھہ سے کسی چیز کی خواہش کرو؟ تو اُسنے
کہا کہ میری عمر گذشتہ کو واپس دے؟ اور آنیوالی موت کو دور کر؟ امیر نے جواب دیا کہ یہہ میری قدرت میں
نہیں ہے پس اُسنے کہا کہ مجھکو بھی تجھسے کوئی کام نہیں ہے۔ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ کا قول
ہے کہ بہشت ایک مقام ہے اور اس سے زیادہ وہ اُس شخص کا دل آباد ہے جو اُسے آباد کرے اور دنیا ایک مکان
خراب و برباد ہے اور اس سے زیادہ وہ اُس شخص کا دل خراب و برباد ہے جو دنیا کو آباد کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے
احادیث مذمت و بیوفائی دنیا میں وارد ہوئے ہیں حضرت روح الامین نے حضرت نوح سے جنکو دو ہزار
پانسو سال کی عمر عطا ہوئی تھی پوچھا کہ آپنے دنیا کو کسطرح پایا؟ حضرت نے جواب دیا دنیا کو مثل ایک مکان
کے پایا جسکے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے داخل ہوں اور دوسرے دروازے سے باہر نکل جائیں

مذمت دنیا میں سے ایک یہہ ہے کہ خدا نے اُسکو اپنے کسی دوست کیواسطے پسند نہیں کیا ملکہ اُنکو اُس سے
پرہیز کرنیکا حکم دیا ہے اُن لوگوں نے بھی اُس سے دل اُٹھایا اور بقدر ضرورت حاصل کر کے باقی کو آگے
بھیجدیا لباس اُتنا ہی لیا جو بدنکو ڈہانک لے اور غذا اُتنی ہی حاصل کی جس سے حیات باقی رہے اور بس

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

کیجیو دنیا کو حاصل اسقدر	جس سے عقبیٰ کو نہ پہنچے کچھ ضرر
ہاتھہ سے دنیا کو کھوکر تو نہ بیٹھہ	مفلس و محتاج ہوکر تو نہ بیٹھ
آخرت کو کھو نہ دنیا کے لئے	پر معاصی ہو نہ دنیا کے لئے
لے کے دے دنیا کو عقبیٰ کے عوض	منتفع دونوں سے ہو تو الغرض

دوستانِ خدا نے دنیا کو منزل گزرگاہ سمجھا ہے اس سے سوائے توشہ کے کچھ نہیں چاہا اپنی دنیا کو خراب
و ویران کیا اور آخرت کو معمور و آباد کیا ﴿صَبَرُوا قَلِيلًا وَنَعِمُوا طَوِيلًا﴾ تھوڑی
مدت زحمت پر صبر کرنیسے ہمیشہ کیلئے راحت و نعمت حاصل کر گئے لہذا آپ بھی اُنکی پیروی کیجئے
اس دنیاے فانی سے دلکو اُٹھائیے۔ واضح ہو کہ دنیا کیلئے بقا نہیں شاہانِ عرب و عجم کو دیکھئے کہ
اپنی سلطنت و لشکر سے قبر میں کیا لیگئے سلاطینِ ترک و دیلم کو ملاحظہ کیجئے کہ سوائے روٹی کے ایک
نوالے کے دنیا میں سے اور کیا کھا گئے۔

اشعار لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

گر نہو دنیا موافق کر نہ رنج	ہاتھہ سے ہرگز نہ کھو عقبیٰ کا گنج
تارک دنیا ہی کہتے ہیں سب	ہے یہہ جیفہ فائدہ اس سے ہے کب
گذرے کیسے کیسے شاہانِ سلف	ہوگئی ہے سلطنت اُنکی تلف
خسرو و نوشیروان و کیقباد	کسکو دنیا سے ہوا آخر مفاد

عرصۂ عالم میں جو تھے پہلواں | خاک میں وہ مل گئے کیا کیا جواں
سام و زال و رستم و افراسیاب | مر مٹے یہہ ہو گیا ہے انقلاب
پرجگر اشجع بہادر صف شکن | ہو گئے ہیں خاک اِن سبکے بدن
کیسے کیسے دہر سے اُٹھے حکیم | رکھتے تھے جو حکمت و عقلِ سلیم
کس جگہہ ڈہونڈیں کہاں پائیں پتا | بو علی سینا و جالینوس کا
وہ حکومت وہ شرف کسکا ہی آج | پادشاہوں کا کہاں ہی تخت و تاج
زیبِ تن کرتے تھے جو شاہ و وزیر | اطلس و کمخواب و دیبا و حریر
ٹانکتے تھے جو گہر پوشاک میں | اُنکو دنیا نے ملایا خاک میں
سو رہے ہیں سب کے سب زیرِ زمیں | پوچھنے والا کوئی اُن کا نہیں
ہو گئے ہیں خاک سارے استخواں | قبر کا باقی نہیں نام و نشاں

فصل (۴) دنیا کی مثالیں اور تشبیہات ہے

واضح ہو کہ دنیا کے چند صفات و حالات ہیں ہر ایک صفت کو دوسری چیز سے تشبیہہ دیگئی ہے۔ اسیوجہ سے بہت سی مثالیں دنیاے غدار کی ہیں (۱) مثال۔ خداوند عظیم نے کتابِ کریم میں دنیا کی بے ثباتی و سرعتِ زوال کی ایک گھانس سے تشبیہہ دی ہے جو زمین سے اُگتی ہے بسبب بارش کے اُسمیں چندے تر و تازگی پیدا ہوتی ہے پھر جب آفتاب اُسپر چمکتا ہے تو وہ خشک ہو جاتی ہے اور اُسکو ہوا منتشر و پریشان کر دیتی ہے نیز اِسی صفتِ سرعتِ زوال کے متعلق بعض احادیث میں اُسکی تشبیہہ پُل سے دیگئی ہے جس پر سے بہت جلد گذر جانا چاہئیے۔

(۲) مثال۔ اُسکی حقیقت و اصلیت کے متعلق ہے۔ وہ یہہ کہ دنیا اُن خیالات کے مانند ہے جنکو انسان خواب میں دیکھتا ہے اور جب ہوشیار ہوتا ہے تو اُنکا کوئی اثر نہیں پاتا حقیقتاً دنیا مثل

خواب کے اور موت مثل بیداری کے ہے جب یہہ خواب ختم ہو جائیگا تو اُسوقت آدمی دیکھیگا کہ اسکے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ مرنیکے قبل بھی یہی رنگ پایا جاتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب عیش و لذت یا رنج و مصیبت کے دن ختم ہو جاتے ہیں تو وہ مثل خواب کے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بعض امور میں شک ہوتا ہے کہ آیا وہ خواب میں دیکھے گئے یا بیداری میں۔ پس اُس چیز کا کیا اعتبار و مرتبہ ہے جسپر خواب کا اشتباہ ہو بلکہ گزر جانے کے بعد اسمیں اور خواب میں کوئی فرق نہیں

(۳۳) مثال اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ دنیا کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ یہہ ہے کہ دنیا اُس بوڑھی ناپاک عورت کے مانند ہے کہ جسنے اپنے ظاہر کو آراستہ کیا ہو اور طرح طرح کے زیور سے مزین ہو تا کہ آدمی اُسپر عاشق ہوں اُسکا فریب کھاکر اُسکو آغوش میں لیں جب اُسکے چہرے نقاب اُٹھائیں اُسکے باطن سے آگاہی ہو اُسکو دیکھیں تو وہ ایک عورت بدصورت و بدخصلت نظر آئے۔ مروی ہے کہ قیامت میں دنیا کو مثل ایک بوڑھی عورت کے جسکے بال نیلے اور آنکھیں سبز اور دانت لانبے رخسار چپکے ہوئے ہونگے لائینگے تمام آدمیوں نے ملائینگے اور کہینگے کہ اسکو پہچانتے ہو اُسوقت سب کہینگے کہ نعوذ باللہ ہم اُسکو نہیں پہچانتے خطاب ہوگا کہ یہہ وہ دنیا ہے جسپر تم فخر کرتے تھے جسکے واسطے سے ایکدوسرے پر رشک و دشمنی و قطع رحم کرتے تھے۔ پس دنیا کو جہنم میں ڈالینگے۔ دنیا فریاد کریگی کہ خداوندا میری پیروی کرنیوالے اور دوست کہاں ہیں۔ پس خداوند عالم اُنکو بھی جہنم میں ڈالیگا۔ بعض نے اس خصوص میں دنیا کو سانپ سے تشبیہہ دی ہے کہ اُسکا ظاہر نرم و ملائم ہے اور اُسکے باطن میں زہر قاتل بھرا ہوا ہے جس نے اُسکے ظاہر و باطن کو پہچانا وہ اس تشبیہہ اور اُسکے حقیقت کو پہچان لیتا ہے

(۳۴) مثال کوتاہی عمر دنیا کے بارہ میں یہہ ہے کہ دنیا ہر کسی کیلئے مثل اُس ایکقدم کے ہے جو اُٹھایا جائے کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اپنے وجود سے پہلے ازل الآزال پر اور

اپنے جانیکے بعد ابد الآباد کی مدت پر غور کرے تو یہ چند روزہ زندگی دنیا اُسے بقدر یک قدم بلکہ اِس سے بھی کم معلوم ہوگی پس جو کوئی اسمیں تامل کرتا ہے اور اِس نظر سے دنیا کو دیکھتا ہے وہ دوسرے وقت دنیا سے دل نہیں لگاتا جس طریقہ سے یہہ دو روز گزریں گزار دیتا ہے اور کوئی اندیشہ و خوف نہیں کرتا وہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھتا یعنے مکان نہیں بناتا۔ ایسا ہی سید رسلؐ دنیا سے سدہارے لیکن دنیا سے دل نہیں لگایا اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی

(۵) مثال۔ دنیا اور آخرت کا تقابل کا لحاظ کرتے ہوئے یہہ ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں انگلی ڈبوئے اور اُسپر کچھہ رطوبت باقی رہجائے تو یہہ رطوبت گویا دنیا ہے اور آخرت دریاے ذخار پس جو شخص حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے دنیا کی قدر بمقابل آخرت کے بہت کم جانتا ہے لیکن یہہ دیدۂ بینا کہاں ہے۔

(۶) مثال۔ اِس امر کے متعلق کہ دنیا کا کام انتہا کو نہیں پہنچتا یہہ ہے کہ دنیا ایک دریاے شور ہے پیاسا آدمی جسقدر اِس سے پانی پیتا ہے اُسکی پیاس زیادہ ہوتی ہے یہانتک کہ وہ پیتے پیتے ہلاک ہوجاتا ہے۔ یہہ امر شاہد و محسوس ہوتا ہے کہ دنیا سے وہی شخص سیر ہوتا ہے جسکی خواہشِ دنیوی کم اور جسکا علاقہ دنیا سے تھوڑا ہو اور جسکا مال و تجمل زیادہ ہو اُسکے لئے اُسیقدر دورِ سر ہے اور اُسکی گرفتاریاں بہت بڑہی ہوئی ہیں جنکی انتہا نہیں ہے۔

(۷) مثال۔ گرفتاریِ دنیا کے متعلق یہہ ہے کہ اہلِ دنیا ریشم کے کیڑے کے مانند ہیں۔ یہہ بیچارہ جسقدر اپنے گرد ریشم کا جال تنتا ہے اُسیقدر نجات کا دروازہ اُسکے لئے بند ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ غم و غصہ سے ہلاک ہوتا ہے اکثر ابناے روزگار اسی حالت میں مبتلا ہیں۔

(۸) مثال۔ اِس امر کے لحاظ سے کہ دنیا کی ابتدا لطیف ہے اور انجام خبیث و کثیف غذاے لذیذ سے دیگئی ہے جو ابتداءً یعنے کھانیکے قبل لطیف و پاکیزہ ہے جب کھانیکے تھوڑی دیر بعد وہ

تمام غذا ایسی کثیف ونجس ہوجاتی ہے کہ آدمی اُسکو دیکھنے سے نفرت کرتا ہے بلکہ طعام جتنا لذیذ ہوگا اُسیقدر اُسکی ثقالت وکثافت زیادہ ہوگی۔ اسیطرح خواہشات دنیویہ جو زیادہ مرغوب ومحبوب ہیں موت کے وقت اُنکی اذیّت ومصیبت زیادہ ہوگی اُنکا فتنہ وفساد زیادہ ہوگا اور یہہ امر دنیا میں بھی معائنہ ومحسوس ہوتا ہے کہ جس شئے کی محبّت زیادہ ہو اُسکے حصول کی لذّت بھی زیادہ ہوتی ہے اور اُسکی جدائی وفراق کا درد والم ومصیبت وماتم زیادہ ہوتا ہے پس موت نہیں ہے مگر دنیا سے جدا کرنیوالی۔

(۹) مثال۔ دنیا کو ایک ایسے مکان سے دیگئی ہے جو طرح طرح کے رنگا رنگ پھولوں سے آراستہ ہو اُس مکان میں یکے بعد دیگرے ترتیب سے آدمیونکی آمد ہو جب اُس مکان میں داخل ہوں تو اُن پھولوں کو دیکھیں خوش ہوں سونگھیں اور دوسرونکے واسطے جو بعد کو آنیوالے ہیں چھوڑکر چلے جائیں نہ یہہ کہ اُن پھولونکو اُٹھاکر اپنے ساتھ لیجائیں پس وہ اشخاص جو گمان کریں کہ یہہ سب ہمکو دیئے گئے ہیں اسلئے اُنکے ساتھ محبت کریں شاد وخوش ہوں لیکن جب وہ مکان سے باہر لیجانا چاہتے ہیں تو اُنسے واپس لیلئے جاتے ہیں اُسوقت وہ رنجیدہ وغمگین ہوتے ہیں اُنکی خوشی غمی سے بدلجاتی ہے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے وہ اُنسے نفع اُٹھاتا ہے مالک مکان کی شکرگزاری کرتا ہے اور خوش خوش اُس جگہ سے باہر جاتا ہے ایسا ہی جسنے دنیا کو پہچانا اپنے آنیکے مقصد کو معلوم کیا تو جانتا ہے کہ وہ اُس گھر کا مہمان ہے جسکو عالم آخرت کے مسافروں کے واسطے مہیا کیا گیا ہے پس جب اس منزل پر پہنچیں تو فائدہ اُٹھاکر اُسے چھوڑدیں اور مقصد کیطرف روانہ ہوں جو کوئی نادان وجاہل ہے حقیقت امر سے غافل ہے وہ گمان کرتا ہے کہ یہہ مال میرا ہے اُسکے ساتھ محبت کرتا ہے جب اُسکو باہر کرتے ہیں جو کچھ اُسنے جمع کیا ہے اُس سے واپس لیتے ہیں تو اُسکی مصیبت سخت اور اُسکی تکلیف بے انتہا ہوجاتی ہے۔

(۱۰) مثال دنیا کو ایسے جنگل وسیع لق و دق سے دیگئی ہے جسمیں نہ پانی ہو نہ کوئی گھانس۔ ایک جماعت بے توشہ و سواری ہو وہ لوگ اس جنگل میں وارد ہو کر راستہ بھول گئے ہوں اور حیران و سرگردان قریب ہلاکت ہوں اِس اثنا میں ایک مرد آئے اور کہے کہ جب تمکو کسی سبزہ زار میں پہنچاؤں تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کروگے؟ وہ جواب دیں کہ ہم تیری اطاعت سے باہر نہونگے اسپر اقرار لیکر اُنکو ایک ایسے چشمہ پر جسمیں تھوڑا پانی اور جسکے اطراف کچھ سبزہ زار بھی ہو لائے۔ وہ لوگ اُس سے پانی پئیں اور تھوڑی دیر آرام لیں۔ اتنے میں وہ شخص پھر کہے بسم اللہ کوچ کرو کہ تمکو دوسری آبادی و باغ کیطرف لیجاؤں یہہ لوگ کہیں کہ یہی پانی و سبزہ زار کافی ہے۔ یہی ہمکو بہتر ہے ہم نہیں آئینگے۔ ایک گروہ اُسکے قول کو قبول کرکے کہتا ہو کہ تم نے اُسکے ساتھ اقرار نہیں کیا تھا کہ اُس مرد کے قول کو رد نہیں کرینگے۔ یہہ جنگل رہنے کی جائے نہیں ہے جب رات آئیگی تو رہزن اور درندے آکر نیست و نابود کرینگے۔ پس اُس جماعت میں سے ایک گروہ اُس مرد کے قول کو قبول کرکے اپنے مقصد پر پہنچیں اور باقی وہیں رہجائیں پس جب رات ہو تو چور آئیں بعض کو مار ڈالیں اور بعض کو قید کریں۔

(۱۱) مثال وہ ہے جسکو صدوق رحمۃ اللہ نے کتاب اکمال الدین میں بعض حکما سے نقل کیا ہے خصوص اُن لوگونکی حالت میں جو دنیا پر مغرور ہو کر موت سے غافل ہیں اور لذات فانیۂ دنیویہ میں مشغول ہیں

اشعار مثنوی لقمۂ شیریں من تصنیف مترجم

طالبِ دنیا کی یہہ ہے اک مثال	موت کا جسکو نہو ہرگز خیال
اِسطرح سے اُسکا ہے حالِ خراب	ہو کمر میں اُس کے گویا اک طناب
اُس کنوئیں میں ہو وہ آویزاں و خوار	اژدہا کرتا ہو جس میں انتظار
موش دو ہوں ایک کالا اک سفید	کرتے ہوں رسّی کو وہ قطع و برید
شہد تھوڑا ہو لگا اُس چاہ پر	مکھیاں ہوں جمع اُس پر سر بسر

کی نظر نیچے تو کیا ہے دیکھت | اژدہا بیٹھا ہے منہ کھولا ہوا
دیکھتا ہے پاس سے اُوپر اگر | جو ہے رسّی کترتے ہیں اُدھر
باوجود اِسکے ہے راغب شہد کا | چاہتا ہے حلق ہو میٹھا ذرا
چاہ ہے گویا کہ دہر بد صفات | اور وہ رسّی ہے انسانکی حیات
جسکو اژدر سے کہا وہ ہے اجل | زندگی میں ڈالتی ہے جو خلل
موش وہ دو رنگ ہیں صبح و شام | عمر کی ڈوری کترتے ہیں مدام
شہد میں دنیا ہے دونکی لذتیں | جنمیں صد ہا رنج صد ہا آفتیں
طالب دنیا ہے وہ ہر اک مگس | کچھ نہیں ہے جنکو فکر پیش و پس

(۱۲) مثال۔ اہل معرفت نے دنیا کے فضول اشغال اور انکی حسرت و ندامت کو جو بعد مرنیکے واقع ہوگی اسطرح ذکر کیا ہے اور اہل دنیا کو اس طائفہ سے مثال دی ہے جو کشتی میں بیٹھکر جزیرہ کو قضاے حاجت کیلئے جائیں باوجود یکہ جاننے کے کہ کشتی کنارہ جزیرہ پر انتظار نکریگی جلد واپس ہونا چاہیئے پس اُس جزیرہ میں داخل ہوکر متفرق ہوں اُنمیں سے بعض ضرورت سے فارغ ہوکر کشتی پر آئیں جاے وسیع پاکر آرام لیں۔ ایک طائفہ سیر میں جزیرہ کے مشغول ہو بعد کیا کے فکر کرے اور اپنے کو کشتی تک پہونچائے لیکن اُنکو جاے تنگ بڑی زحمت سے حاصل ہو دوسری قوم پتھر کے ٹکڑوں اور حیوانات کے ساتھ دل بستگی اختیار کرے اُس جاے سے اُنکے بغیر نہ نکلے اور اُنکو کاندھے پر اُٹھا کر ایسے وقت میں پہنچے کہ تھوڑی سی جگہ اُنکو بڑی زحمت و تکلیف سے ملے اور جو کچھ اُٹھا کر لائے ہیں نہ اُسکو کاندھے پر سے رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی جگہ پھینک سکتے ہیں تنگی جاے اور اُنکے بوجہ سے ایک مصیبت میں ہیں اور پشیمان ہیں۔ دوسری جماعت ایسی مشغول سیر ہو کہ کشتی و دریا اور نیز اپنے مقصد کو بھول جائیں اُسی جاے رہجائیں کہ رات اور

اندھیرا ہوجائے درندے جھاڑیوں سے نکلکر بعضے کو کھاجائیں بعض اُنکی محبت میں ہلاک ہوں
بعض غصہ و گرسنگی سے تلف ہوں جو لوگ اُس جزیرے سے بوجھہ اُٹھاکر لائے ہوں وہ بوجھہ
اُن کے کاندھے پر رہ جائے اہلِ کشتی کے طرح طرح کے الفاظ بیہودہ سنیں اُن حیوانات کو جو اُٹھائے
ہوں مرجائیں اُنکے مردے کاندھے پر رکھکر بدبو ہوجائے اُنکی بدبو سے بیمار ہوں اور کشتی میں مرجائیں
یا بیمار ہوکر وطن کو پہنچیں اور ہمیشہ بیمار رہیں یا ایک عرصہ کے بعد مرجائیں۔ وہ لوگ جو بہت دیر
میں آئے ہوں لیکن کوئی چیز نہیں اُٹھائے ہوں مگر کشتی میں بسبب تنگی جاے کے تکلیف اُٹھائینگے
کشتی سے باہر آنیکے بعد راحت و آرامی میں بسر ہوگی۔ جو لوگ شروع میں آئے ہوں اور اُنھیں کشادہ
جگہہ ملی ہو وہ ہمیشہ آرام میں ہونگے تا کہ صحت و سلامتی کے ساتھہ اپنی منزل پر وارد ہوں۔

فصل (۵)
وہ دنیا جس سے آخرت کی اعانت ہوتی ہے

سابق میں ذکر کیا گیا کہ دنیا دو قسم پر ہے ایک بہتر۔ دوسری خراب
اُسکا بیان یہہ ہے کہ مراتبِ سعادت و تقربِ بارگاہِ احدی اُسوقت
تک میسر نہیں ہوتے جبتک کہ صفائیِ دل و محبتِ خدا نہو صفائیِ دل کا سبب خواہشات دنیوی
سے نفس کو باز رکھنا ہے۔ اور عبادت و طاعت کرنا سبب محبت خدا و معرفتِ خدا کے ہے
اور یہہ بات اُسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ ہمیشہ عجائبات و غرائبات پروردگار میں
فکر نکیجائے۔ محبت زیادتی یادِ خدا سے ہے جو ہمیشہ رہے یہی تین صفتیں آدمی کو نجات اور مراتبِ سعادت
پر پہونچاتی ہیں یہی باقیات الصالحات ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ جو کوئی اِن تین صفتوں یا انکے اسباب کے
حاصل کرنے میں مشغول ہو تو وہ سالکِ راہِ آخرت ہے۔ اور یہہ بھی صاف ظاہر ہے کہ انکے حاصل
کرنیکے لئے صحتِ بدن کی ضرورت ہے جو غذا پر موقوف ہے جس سے انسان کی حیات باقی رہتی ہے
اسیطرح لباس و جاے سکونت کی بھی ضرورت پائی جاتی ہے۔ پس جو کوئی دنیا سے اسیقدر حصولِ
آخرت کیلئے حاصل کرے وہ اہلِ دنیا سے نہوگا بلکہ دنیا اسکے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی لیکن

اگر حظِ نفس و خوشگذرانی کے قصد سے دنیا میں اس سے بھی کم حاصل کیا جائے تو وہ دنیا داری کہلائیگا اب حظِ نفس و خوشگذرانی دنیا میں دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اسکے حاصل کرنیوالے کو آخرت میں عذاب میسر ہوگا اسکو حرام کہتے ہیں۔ دوسرا وہ کہ اسکے سبب سے عذاب تو نہیں ہوتا لیکن وہ سبب طولِ حساب ہی اور اسکے سبب سے انسان آخرت میں درجاتِ بلند سے محروم رہتا ہی اسکو حلال کہتے ہیں پس صاحبِ بصیرت جانتا ہی کہ زیادہ دیر محشر میں حساب کیلئے ٹھہرنا بھی ایک عذاب ہی بلکہ اگر حساب بھی نہ لیا جائے وہی درجات بلند جو بہشت میں میسر نہونگے اسکی حسرت اور ندامت بھی ایک سخت عذاب ہی اسکا اندازہ اسطرح کرلیجئے کہ اگر آپکے برابر والے مراتبِ دنیویہ پر آپ سے زیادہ رتبہ میں بڑھ گئے ہوں اور آپ پستی تباہی و تعقیب کے پستی میں رہیں تو کسقدر حسرت و ندامت آپکو حاصل ہوگی باوجود اسکے آپ جانتے ہیں کہ ان مراتب کو کوئی بقا نہیں ہے پس غور کیجئے کہ آپکا حال کسطرح ہوگا جبکہ وہ مرتبہ و سعادتِ آخرت آپکو حاصل نہو کہ اگر اہلِ زمانہ اسکی بزرگی کا وصف بیان کرنے میں اپنی عمر صرف کردیں تو پوری تعریف نکر سکینگے پس جسکو دنیا میں کوئی نعمت حاصل ہو یا کوئی لذت پائے اگرچہ وہ بلبل کی آواز ہی کیوں نہو یا کسی باغ کی سیر کیجائے یا پانی سرد و خوشگوار پئے تو اسکے مقابلہ میں آخرت کی لذت اسکے ہاتھ سے نکلجائیگی اسکو خوف و خطرِ محاسبہ اٹھانا ہوگا اور وہ ذلت و انکساری دیکھیگا پس دنیا حلال ہو یا حرام ملعون ضرر و موجبِ نقصان ہے مگر یہ کہ وہ دنیا جو آدمی کی تحصیلِ آخرت پر معین ہو بلکہ وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں ہے پس جسکی معرفت بڑھی ہوئی ہے اسکا اجتناب بھی دنیا سے بڑھا ہوا ہے یہانتک کہ منقول ہے کہ زاہد مطلق حضرت عیسیٰ ابن مریم نے جب استراحت کیلئے اپنے سر کے نیچے ایک پتھر رکھ لیا تو شیطان آکر کہا کہ آخر دنیا کیطرف رغبت کی آپنے اس پتھر کو دور پھینکدیا سلیمان ابن داؤد باوجود سلطنت و پادشاہی کے دوسروں کو عمدہ عمدہ کھانا کھلاتے تھے

خود نان جو نوش فرماتے تھے اور اسیوجہ سے دنیا کو خداوند عالم نے سید آخر الزماں سے دور رکھا
یہانتک کہ اکثر ایام حضرت بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے
اسیوجہ سے خدا نے سختی محنت و بلا کو انبیا و اولیا و ارباب دین کے واسطے قرار دیا جو کوئی اس بزم
سے قریب ہوا اسکو جام بلا کا زیادہ دیتے ہیں یہہ تمام از راہ محبت و مہربانی ہے کہ یہہ لوگ آخرت
میں مراتب قرب و سعادت پر فائز ہوں جیسا کہ پدر مہربان اپنے فرزند کو غذا ے چرب و شیرین سے
منع کرتا ہے جس سے فصد و حجامت کا اندیشہ ہو یہہ عداوت نہیں ہے بلکہ از راہ مہربانی و شفقت ہے
تامل کیجئے کہ اگر آپ کوئی غلام زنگی خراب رکھتے ہوں وہ عمدہ عمدہ مختلف کھانے اور حلوے آپکے سامنے
کھانے تو آپ متعرض نہونگے بلکہ اگر آپکو زیادہ ہمدست ہو تو خود بھی آپ اسکو دینگے لیکن آپ جس
لڑکے کو عزیز رکھتے ہوں اُسکے ہاتھہ میں ایک دانہ خرمہ کا دیکھیں گے تو اُس سے چھین کر پھینک دینگے
اسکی آزردگی کی پروا نہوگی بہ نسبت اسکے کہ کھانیسے خرابی پیدا ہو پس اپنی قدر و منزلت کو جو خدا کے
نزدیک ہے معلوم کیجئے۔

بیان صدر سے ظاہر ہوا کہ جو کچھہ خدا کے واسطے ہے وہ دنیا نہیں ہے۔

اب واضح ہو کہ دنیا میں جو کچھہ چیزیں ہیں وہ تین قسم پر ہیں (۱) وہ جو خدا کے واسطے نہیں ہوسکتیں
بلکہ وہ از روے حقیقت و صورت دنیا ہیں جیسے کہ معاصی و محرمات و تنعم مباحات پس یہہ وہ دنیا
ہے جو علی الاطلاق مذموم ہے۔

(۲) یہہ کہ صورت کے لحاظ سے تو وہ چیزیں دنیا ہیں لیکن از روے حقیقت وہ دنیا کے واسطے
بھی ہوسکتی ہیں اور خدا کے واسطے بھی مثلاً کھانا پینا اور نکاح وغیرہ۔

(۳) یہہ کہ اُن چیزوں کی صورت تو خدا کیلئے ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اُنکی حقیقت خدا کے لئے بھی ہو
اور دنیا کیلئے بھی مثلاً علم و عمل و طاعت و عبادت یہہ چیزیں صورت کے لحاظ سے دنیا نہیں ہیں

لیکن اگر انکو خدا کیلئے بجا لائیں تو اسوقت انکا تعلق دنیا سے نہوگا اور اگر انسے غرض جاہ و منصب و شہرت ہے تو انکے دنیا سے ملعونہ ہونے میں شک نہیں۔

فصل (۶) مال دنیا کی ایک شاخ ہے۔

معلوم ہوچکا ہے کہ ہر اُس چیز کو دنیا کہتے ہیں جس میں موت کے قبل انسان کا حصہ ہو خواہ وہ نعمت مال ہو یا منصب و جاہ یا شکم پرستی و متابعت زنان یا طلب مرتبہ بلند اور تکبر وغیرہ۔ حاصل کلام دنیا کیلئے بہت شعبے ہیں لیکن اعظم آفات جسکا تعلق قوت شہویہ سے ہی وہ مال ہے کیونکہ ہر انسان کو اسکی ضرورت ہے۔ مال کیلئے بہت سے فوائد ہیں اور اسمیں بہت سی آفتیں اور خرابیاں بھی ہیں۔ اُسکی خوبی اور بہتری میں تمیز حاصل کرنا نہایت مشکل ہے کیونکہ مال کے نہونے سے صفت فقر و احتیاج پیدا ہوتی ہے اور اُسکے وجود سے مالداری و ثروت حاصل ہوتی ہے اور یہہ وہ دو صفتیں ہیں جن سے خدا اپنے بندوں کا امتحان فرماتا ہے اب فقر کیلئے دو حالتیں ہیں ایک حرص دوسری قناعت انہیں سے ایک بہتر ہے اور دوسری بد اسی طرح حریص بھی دو قسم پر ہے ایک وہ جو کسب و صنعت میں حرص کرے۔ دوسرا وہ جو ظلم و زور و عداوت سے آدمیوں کے اموال کو حاصل کرے یہہ دونوں گروہ خراب ہیں گو گروہ آخر بہ نسبت اوّل کے بدتر ہے۔ علی ہذا اغنیا کی بھی دو صورتیں ہیں ایک بخشش دوسری بخل پہلا امر بہتر دوسرا بد ہے۔ پھر بخشش کی بھی دو قسم ہیں ایک میانہ روی جو درجۂ اوسط پر ہو وہ نیک ہے دوسرا اسراف جو درجۂ افراط پر ہو وہ بد ہے۔ یہہ تمام امور ایسے ہیں جنکا سمجھنا نہایت مشکل ہے اب جو شخص مال کی خواہش رکھتا ہے اُسکو چاہئے کہ پہلے ان حالات نیک و بد کی تمیز حاصل کرے طریقۂ نیک اختیار کرے کہ نجات حاصل ہو۔

فصل (۷) جب آپنے جانا کہ ایک صورت دنیا کی مال ہے تو واضح ہو کہ قرآن

مذمّتِ مال اور روزِ قیامت کا محاسبہ

وحدیث میں مال کی مذمت اور اُسکی محبت کی خرابی کثرت سے بیان کیگئی ہے خداوندِ عالم فرماتا ہے (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ) یعنے اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تمھارے مال و اولاد تمکو مشغول نکریں یادِ خدا کو نہ بھلائیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خسارے میں ہیں " پھر فرماتا ہے (اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ) تمھارے مال و اولاد امتحان ہیں اُنسے تمھارا امتحان کیا جاتا ہے۔

اشعارِ مثنوی مذکور

دشمنی ہے مال و زر کی دوستی ‌ ‌ اور زوجہ کی پسر کی دوستی

اس سے سرزد ہوتے ہیں فسق و فجور ‌ ‌ اور فکرِ عاقبت رہتی ہے دور

نقل ہے تھا ایک عارف باخدا ‌ ‌ نزع میں بیہوش جو دم وہ ہوا

جورو بچے دوست سب رونے لگے ‌ ‌ آنسوؤں سے اپنا مُنہ دھونے لگے

شور و غل سنکر ہوا وہ ہوشیار ‌ ‌ پوچھا تم سب روتے ہو کیوں زار زار

زوجہ بولی اسلئے روتی ہوں میں ‌ ‌ ہائے بیوہ اس گھڑی ہوتی ہوں میں

کھانا کپڑا کون اب دیگا مجھے ‌ ‌ مثل تیرے کون چاہیگا مجھے

کی توجہ پھر جو لڑکے کی طرف ‌ ‌ اُس سے پوچھا روتا ہے کیوں ناخلف

تب بچہ اُسنے اُس سے رو رو کر کہا ‌ ‌ سر سے اُٹھہ جاتا ہے سایہ آپکا

عیش میں گزرینگے کیونکر روز و شب ‌ ‌ شفقتیں مجھہ پر کریگا کون اب

پھر رفیقوں سے مخاطب وہ ہوا ‌ ‌ پوچھا اُن سے باعثِ گریہ ہے کیا

بولے وہ چھٹتا ہے تو یارِ قدیم ‌ ‌ ہائے کیا کیا تھے ترے فیضِ عمیم

حال سب کا سنکے عارف نے کہا | میں نے اپنی زیست کو ضائع کیا
ہے ہر اک اپنے لئے اندوہگیں | واسطے میرے کوئی روتا نہیں
یہہ کسیکو بھی نہیں آتا خیال | نزع میں اسوقت کیا میرا ہے حال
پہلی منزل قبر کی در پیش ہے | کسطرح راہِ عدم ہوئیگی طے
کچھہ نہیں ہے ساتھہ میرے زادِ راہ | عمر غفلت میں گزاری میں نے آہ
مال دنیا سے جو کچھہ پیدا کیا | وہ تمھاری نذر سب کچھہ کر دیا
میری الفت کا یہی ہے کیا عوض | سچ ہے دنیا میں ہیں سب اہل غرض
مر گیا یہہ کہکے قصہ مختصر | کچھہ نہ آئے کام زوجہ نہ پسر

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ دو گرگ شکاری اگر منڈے میں بکروں کے داخل ہوں تو وہ اسقدر بکروں کو فاسد نہیں کرتے جسقدر کہ دوستیِ مال وجاہ دینِ مسلمان کو فاسد کرتی ہے اور فرمایا کہ میری اُمّت میں بدترین لوگ مالدار ہیں۔ اور فرمایا کہ فرزندِ آدم کے دوست تین چیزیں ہیں ایک مرنیکے وقت تک ساتھہ دیتا ہے وہ مال ہے۔ دوسرا قبر تک ساتھہ آتے ہیں وہ اہل وعیال ہیں تیسرا جسکی ہمراہی محشر تک ہوتی ہے وہ اعمال ہیں۔ فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو مالدار کو لائینگے بحکمِ خدا جو مال خرچ کیا گیا ہے وہ اُسکے آگے آئیگا جب اُس مالدار کا صراط پر گذرنا مشکل ہوگا اور ٹھہر جائیگا تو وہ مال کہیگا کہ تو نے راہِ خدا میں مجھکو صرف کیا ہے بیخوف گزر کر پھر اُس مالدار کو لائینگے جو طاعتِ خدا بجا نہیں لایا ہے اُسکا مال اُسکے پیچھے آئیگا جب وہ صراط پر پہنچیگا جس جاے وہ ٹھہر جائیگا اُسکا مال کہیگا کہ واے ہو تجھپر کہ تو نے مجھکو راہِ خدا میں صرف کرنیسے کوتاہی کی پس وہ ایسا کہتا رہیگا۔ یہانتک کہ وہ جہنم میں گر پڑیگا اور ہلاک ہوگا۔ انھیں حضرت سے مروی ہے کہ قیامت میں اُسکو لائینگے جس نے طریقۂ حرام سے مال کو جمع کیا ہے اور حرام میں صرف کیا ہے پس حکم ہوگا کہ اُسکو

جہنم میں ڈالیں۔ دوسرے کو لائینگے کہ جسنے مال طریقۂ حلال سے جمع کیا اور حرام میں خرچ کیا ہے
خطاب ہوگا کہ اُسکو بھی جہنم میں لیجاؤ۔ دوسرے کو لائینگے جس نے طریقۂ حرام سے جمع کیا اور حلال میں
خرچ کیا ہو اُسکو بھی جہنم میں ڈالینگے بعد اُسکو لائینگے جسنے مال کو طریقۂ حلال سے حاصل کیا اور
حلال میں خرچ کیا ہو خطاب ہوگا اُسکو مقامِ محاسبہ میں کھڑا کرو شاید اِس مال کے حصول میں
جو امر واجب تھا اُسکو نقصان پہنچا ہو مثلاً اُوقت پر نماز نہ پڑھا ہو یا رکوع و سجود میں کوتاہی کیا ہو
یا وضو نکیا ہو وہ عرض کریگا کہ اے پروردگار میں نے اسے کسب حلال سے پیدا کیا اور حلال میں
خرچ کیا اور اپنے واجبات کو ضایع نہیں کیا خطاب ہوگا کہ شاید اس مال کے سبب سے اپنے برادران
پر یا اپنی سواری پر یا لباس پر فخر کیا ہو وہ عرض کریگا کہ اے پروردگار ایسا کوئی عمل بھی مجھہ سے
سرزد نہیں ہوا خطاب ہوگا کہ شاید سادات و یتیماں و مساکین اور ابن السبیل کے حقمیں کوتاہی
یا منع کیا ہو پھر عرض کریگا کہ اے پروردگار جنکی نسبت تیرا حکم ہے اُنکے حقکو ضائع نہیں کیا اُسوقت
ایک جماعت بطورِ مخاصمہ حاضر ہوگی اور عرض کریگی کہ اے خدا تو نے اُسکو مالدار کیا اور تو نے اُسکو حکم فرمایا
کہ ہمکو دے اگر اُس جماعت کے جواب میں پورا اُترا اور معلوم ہوا کہ اُنکے حقوق کو ادا کیا ہے کوئی فخر
و مباہات نہیں کیا ہے کوئی واجب اُس سے ضایع نہیں ہوا ہے تو خطاب ہوگا کہ ٹھہر جا اور شکر اُن
نعمتوں کا جو تجھکو عطا کیگئیں تہیں بجالایا۔
واضح ہو کہ جس کسیکی آمدنی و خرچ طریقۂ حلال سے ہو اور اُسنے اپنے تمام واجبات کو وقت پر بجالایا ہو
اور حقوقِ الٰہی ادا کیا ہو یہہ دقتیں اُسکے حساب میں پیش آتی ہیں پس آیا کیونکر ہمارا حال ہوگا ہم امورِ دنیا
میں رات دن مشغول ہیں اپنے کو حرام و حلال میں آلودہ کیا ہے نہ شبہات سے پرہیز کرتے ہیں نہ خواہشات
کو چھوڑتے ہیں بہت سے ... ہمارے ہمسایہ میں رہتے ہیں ہم اُنکی خبر نہیں رکھتے طرح طرح کے کھانے
کھاتے ہیں اُسکا شکر ادا نہیں کرتے آہ آہ ہماری مصیبت و بلا کسقدر شدید ہوگی کسقدر حسرتیں

و پشیمانیاں ہمکو ہونگی کسقدر اندوہ و ماتم ہمارے واسطے ہوگا اُسوقت ہمکو کوئی فائدہ نہوگا نہیں معلوم یہہ دنیا ہمارے ساتھہ کیا کریگی کل کے روز حضوری میں اُس بادشاہِ قہّار کے ہمکو کیا جواب سوجھیگا وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو دنیا سے محروم و بے نصیب ہیں اسیوجہ سے بعض اصحابِ سیدِ مختار نے کہا کہ میں ہرگز ہزار مثقالِ طلا سے راضی نہیں ہوں جو روزانہ کسبِ حلال سے پیدا کر کے راہِ خدا میں صرف کیا جائے۔ باوجود اسکے کہ اُس سے کسی عبادت میں فرق نہ آئے اُسکا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ قیامت سے ڈرتا ہوں کہ مجھہ سے پوچھینگے کہ کہاں سے پیدا کیا اور کسمیں صرف کیا۔

اشعارِ مثنوی مذکور

حیف ہے کچھہ بھی نہیں تجھکو خیال — حشر میں پوچھیگا تجھہ سے ذوالجلال
عمر کی تونے بسر کس کام کی — تونے کیا تعمیل کی احکام کی
کس جگہہ سے تونے زر پیدا کیا — تونے پھر خرچ اُسکو کس جا کیا

پس مومن کو سزاوار ہے کہ اپنے کو دنیا کے کاموں میں مشغول نکرے ضرورت کے مطابق دنیا حاصل کرے اگر زیادہ اُسکو حاصل ہو تو اُسکو اپنے لئے آگے بھیجدے۔

مال و زر سے کوئی امرِ خیر ہو — تا جہاں کی تجھکو حاصل سیر ہو

اگر بعد مرنیکے مال رہجائیگا تو بہت سے فساد پیدا کریگا۔

اشعارِ مثنوی مذکور

گر ہے عاقل یاد رکھہ تو یہہ سخن — مال دنیا سے ملیگا اک کفن
جمع کر رکھنے سے ہے کیا فائدہ — اک نہ اک دن چھوڑ کر مر جائیگا
کر ذرا تو اپنے دل میں فکر و غور — کون سا یہہ عقلمندی کا ہی طور
جمع زر کرنے میں تو آفت اُٹھائے — خرچ کر کے دوسرا راحت اُٹھائے

مروی ہے کہ ایک مرد نے حضرت پیغمبر سے عرض کیا کہ میں موت کا مشتاق ہوں حضرت نے فرمایا کہ آیا کوئی مال رکھتا ہے عرض کیا کہ ہاں فرمایا کہ اپنے مال کو اپنے آگے بھیجدے کیونکہ ہر کسی کا دل مال میں لگا رہتا ہے اگر آگے بھیجدیگا تو تجھکو جلد ملجائیگا اگر دنیا میں چھوڑیگا تو اسکے ساتھ رہنا چاہیگا بعضی روایات میں آیا ہے کہ جس روز سکہ درہم و دینار تیار ہوا تو شیطان نے اسکو اپنے منہ پر رکھا چوما اور کہا جو کوئی تجھکو دوست رکھیگا وہ میرا بندہ ہوگا۔

اشعار مثنوی مذکور

درہم و دینار کو روز ازل — دیکھکر شیطان نے از راہ حیل

چوما اور آنکھوں پہ رکھکر یہ کہا — عشق میں سب اسکے ہونگے مبتلا

کچھ یہ حکم حق عمل میں لائینگے — میرے دام مکر میں آجائینگے

واضح ہو کہ آیات و اخبار میں جسقدر مال کی مذمت کیگئی ہے اُسیقدر اسکی تعریف بھی کیگئی ہے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسکو نیکی سے یاد فرمایا ہے نیز پیغمبر نے فرمایا کہ مال نیک مرد نیک کیلئے خوب چیز ہے صدقہ مہمانی سخاوت۔ حج کے حصول کے ثواب میں جو مال سے متعلق ہیں تمام اخبار اسکی خوبی پر دلالت کرتے ہیں۔ توفیق مال سے ممکن ہے کہ وسیلہ سعادت آخرت و درجہ عالی پر فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اسکے واسطے سے مقاصد خراب حاصل ہوں علم و عمل کا سد باب اور سعادت ابدیہ کا حجب ہو۔ پس جو مال طریقہ اول پر صرف کیا جائے وہ ممدوح و نیک ہے۔ جو مال طریقہ دوم پر خرچ کیا جائے وہ مذموم و بد ہے چونکہ مال ہی کے واسطہ سے طبیعت انسان کی اکثر پیروی خواہشات نفسانیہ پر مائل ہوتی ہے اسیوجہ سے ضرورت سے زیادہ کیلئے اندیشہ خوف و خطر ہے۔ انبیا و اولیا نے اُس کے شر سے پناہ مانگی ہے یہانتک کہ پیغمبر آخر الزماں نے فرمایا کہ اے پروردگار قوت آل محمد بقدر ضرورت کے عطا کر اور میری زندگی مسکینوں کی زندگی کے مثل ہو۔

فصل (۸)

خرابی مال اور اُسکا فائدہ

جو کچھہ بیان کیا گیا اُس سے معلوم ہوا کہ مال مانند سانپ کے ہے اُس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ اُسکے زہر میں خرابیاں اور اُس کے تریاق میں فوائد ہیں جو کوئی اُنکو جانتا ہے وہ خرابیِ مال سے پرہیز اور خوبیِ مالکو حاصل کرتا ہے اُسکی توضیح یہہ ہے کہ خرابی مال کی دو قسم پر ہے ایک خرابی دنیا کی دوسری خرابی آخرت کی خرابیِ دنیا کی ظاہر ہے یعنے وہ تکالیف اور زحمتیں جو مالدارونکو حصولِ مال میں یا سارق و ظالم و حاسد کی نگاہوں سے حفاظت کرنے میں درپیش ہوتی ہیں وہ ظاہر و عیاں ہیں اب رہی آخرت کی خرابیاں وہ تین قسم پر ہیں۔

(۱) مال کے باعث انسان گناہونکا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ اُسکے ذریعہ سے گناہوں پر قدرت پانیمیں آسانی ہوتی ہے جسوقت خواہشِ گناہ حرکت میں آتی ہے اور انسان اپنے کو اُسپر قادر پاتا ہے تو آسانی سے اُس گناہ کو کر گزرتا ہے۔ برخلاف اِسکے اگر انسان اُس گناہ میں داخل ہونے کی قدرت ہی نرکھتا ہو تو اُسپر اقدام کا خیال بھی نہیں کرتا ہے اسیوجہ سے کہا گیا ہے کہ گناہ سے بچنیکی وجہ عدمِ مال بھی ہے پس جو کوئی اسکے واسطے سے گناہ پر قادر ہوکر گناہ کا مرتکب ہو تو وہ ہلاک ہوگیا اور باوجود قدرت کے اگر مرتکب نہوا اور صبر سے کام لیا تو بہتر ہے لیکن صبر کرنا بھی نہایت تکلیف و مشکل ہے۔

(۲) یہہ کہ مال کے سبب سے خوشگزرانی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اکثر مالدار ناز و نعمت سے زندگی بسر کرنیکی عادت کرتے ہیں جب کسی ایک لذت کو پاتے ہیں تو دوسری لذت کی خواہش ہوتی ہے پھر جب اُسکی عادت ہوجائے اور مالِ حلال میسر نہو تو مالِ مشتبہ پر ہاتھہ دراز کرتے ہیں اس سے ترقی کرکے آہستہ آہستہ مالِ حرام حاصل کرتے ہیں۔ اسیوجہ سے طرح طرح کے اخلاقِ رذیلہ مثلاً جھوٹ دشمنی۔ ریا حسد میں مبتلا ہوتے ہیں بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ صاحبِ مال و ثروت نے خوشگزرانی

کی عادت نہ کی ہو اور اُسکی کوشش میں نہو جسکو عمدہ کھانے اور لباسِ نفیس میسر ہوں تو کہاں ہو سکتا ہے
کہ وہ اُن سب کو چھوڑ کر جو کی روٹی اور پرانے کپڑوں پر قناعت کرے۔ ہاں یہہ شان اُسکی ہے کہ جو
صاحب نفسِ قدسیہ رکھتا ہو مانند حضرت سلیمان ابن داوٗد کے۔ علاوہ اسکے جب آدمی کا مال زیادہ
ہوتا ہے تو نوکر اور چاکر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جن سے کاروبار لیا جائے اور جس شخص کا معاملہ
اہلِ دنیا کے ساتھہ ہو اُسکے لئے سوائے اسکے چارہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ اُنکے ساتھہ نفاق اور دو روئی
کے ساتھہ معاملہ کرے۔ حالانکہ اہلِ دنیا سے سروکار رکھنا ہی باعثِ عداوت و کینہ و حسد و کبر و ریا
و غیبت و بہتان و سخن چینی ہوتا ہے اور مال کی حفاظت و اصلاح کیلئے اُن تمام چیزوں کی ضرورت واقع ہوتی ہے
(۳) وہ خرابی ہے کہ کوئی مالدار اُس سے خالی نہیں ہے۔ یعنے اُسکی حفاظت اور اُسکے متعلقہ امور
کو انجام دینے میں آدمی یادِ خدا سے باز رہتا ہے۔ بہرحال جسکے سبب سے انسان یادِ خدا سے غافل
ہو وہ خسران و وبالِ آخرت ہے۔ اور فوائد مال کے بھی دو قسم پر ہیں (۱) دنیائی (۲) آخرتی۔ فائدہ دنیائی
وہ ہے جسکا فائدہ مرنیکے قبل ظاہر ہوتا ہے مثلاً ذلتِ سوال و شرمندگیِ عیال سے خلاصی پانا دوسرا
یہ عزت و بزرگی اور دوست و احبا میں وقعت و اعتبار حاصل کرنا اور فوائدِ اخروی بھی تین قسم پر ہیں۔
(۱) عبادت بجالانیکے لئے اپنے صرف میں لانا اور قوتِ طاعت حاصل کرنا اپنا جسم ڈہانپنا اور
حج و جہاد وغیرہ کرنا۔
(۲) دوسروں کو صدقہ یا خیرات یا بطور استحقاق کے دینا جسکا ثواب ظاہر و روشن ہے یا کسی کی مہمانی
کرنا یا بطور ہدیہ کے دینا۔ یا آدمیوں کی اعانت کرنا جسمیں بیحد ثواب ہے اور ان امور میں فقر و استحقاق
کی شرط نہیں ہے صرف نیتِ قربت شرط ہے یا اپنی حفاظت آبرو مثلاً ظالم کے شر کے دفعیہ اور بیہودہ
بکنے والوں کی زبان بندی کیلئے اعانت کیجائے تو اسمیں بھی ثواب ہے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ
جس مال کو آدمی اپنی حفاظتِ آبرو کیلئے صرف کرے تو وہ حکم صدقہ کا رکھتا ہے یا کسی کو اس غرض سے

دیا جائے کہ اُس کی خدمت کرے جو شغل سپرد کیا جاے اُس کو انجام کو پہنچائے تو کوئی شک نہیں ہے
کہ یہ امور بھی متعلقہ آخرت ہیں کیونکہ انسان کی زندگی کو جن کاموں کی ضرورت ہے وہ بہت ہیں
اگر تمام کی طرف وہ متوجہ ہو تو اُس کا وقت ضائع اور اُس کی زندگی بیکار صرف ہو گی وہ آخرت کے
کام سے باز رہے گا۔

(۳) وہ کہ خیراتِ جاریہ میں صرف کرے باقیات الصالحات یعنے مسجد و مدرسہ و پل و مسافرخانہ و نالہ
وغیرہ بنائے۔ اور قرآن و کتاب لکھے اور باغ لگائے جو بعد مرنے کے باقی رہتے ہیں جن کا ایک مدت
تک روز بروز ثواب حاصل ہوتا ہے تمام بندگانِ خدا و نیکان و صالحان دعا دیتے ہیں آدمی کا نیکی سے نام باقی

فصل (۹) مال کی خرابی سے نجات کا طریقہ

جو کوئی خرابی مال سے نجات چاہتا ہے تو اُس کو لازم ہے کہ چند چیزوں کی
رعایت ملحوظ رکھے۔

(۱) غرض و فائدۂ مال رکھنے کا اُس کے سببِ پیدایش اور اُس کی علتِ احتیاج کو معلوم کرے
تاکہ اُس کی زیادتی کی طلب میں کوشش نہ کرے۔

(۲) یہ کہ سبب آمدنی کو ملاحظہ کرے حرام سے بلکہ مال مشتبہ سے بھی پرہیز کرے ایسا ہی مداخلِ مکروہ
یا جو باعثِ نقصِ مروّت و زوالِ حرّیت ہو اُس سے اجتناب کرے۔

(۳) یہ کہ طریقۂ خرچ کی رعایت رکھے۔ اور اُس میں کمی یعنے میانہ روی اختیار کرے۔ میانہ روی
کی نسبت حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے میانہ روی اختیار
کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوا۔ طریقۂ میانہ روی میں خوراک و پوشاک و مکان کے تین درجہ ہیں
(۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلےٰ ظاہر ہے کہ ادنیٰ کی طرف خواہش کرنا بہتر و اولیٰ ہے
تاکہ قیامت میں اُس کا بوجھ ہلکا ہو۔

(۴) یہ کہ ضرورت واجبی میں خرچ کرے۔ باطل میں صرف نہ کرے۔ باطل میں خرچ کرنا اور کسبِ حرام کرنا دونو کا گناہ مساوی ہے

(۵) یہ کہ اپنی نیت کو کسب و خرچ و میانہ روی میں تمام وجوہ سے خالص رکھے پس جو کچھ کہ وہ بوجہ اعانتِ امرِ آخرت کے حاصل کریگا کوئی ضرر اُس کو نہیں پہنچاویگا۔ اسیوجہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تمام اموال روے زمین کے جمع کرنے میں نیت قربت کی رکھتا ہو تو وہ زاہدوں ہی سے ہے اور اگر تمام کو ترک کرے اور نیتِ قربت نہو تو وہ زاہد نہیں ہے پس مومن کو لائق یہ ہے کہ جو کام کرے خدا کے واسطے ہو تاکہ وہ کام اُس کے لئے عبادت ہو جو کوئی مال میں سے بقدر ضرورت اپنے یا اپنی عیال کے خرچ کیلئے اُٹھا رکھے اور باقی اپنے برادر مومن کو صرف کیلئے دے تو اُس نے مال کے تریاق کو حاصل اور اُس کے زہر کو دور کیا ہے زیادتی مال اُس کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے لیکن یہ کام ہر کسی کا نہیں ہے۔ تمام اشخاص کو یہ میسّر نہیں ہے بلکہ یہ اُسکی شان ہے کہ جسکو دیدۂ بینا و دلِ دانا و قوّتِ دین و کمالِ یقین حاصل ہو ایسے شخص کے پاس اگر تمامِ عالم کا مال جمع ہو تو اُسکو یادِ خدا سے غفلت نہیں ہوتی اور دنیا اُسے ہلاک نہیں کرتی۔ اگر اب کوئی عامی مالداری میں اپنے آپکو اُس شخص کا شبیہ بنانا چاہے تو اُس کی مثال یہ ہے جیسے کہ کوئی فسونگر کسی سانپ کو پکڑے اور دفعتاً وہ سانپ اُسکو کاٹے۔ اب سانپ کا ٹے ہوئے اور مال کے کاٹے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا اُسیوقت سمجھ جاتا ہے کہ سانپ کاٹا ہے لیکن مال کا یعنے تکلیف پہنچائے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا اُسیوقت سمجھ جاتا ہے کہ سانپ کاٹا ہے لیکن مال کا ایذا پایا ہوا نہیں جانتا ہے کہ اُسکو مال سے ایذا پہنچی ہے مگر ایسے وقت میں معلوم کرتا ہے کہ جب کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اندھا آنکھ والوں کی طرح دریا کے کناروں و پہاڑوں و جنگلوں میں کہیں راستہ چل سکتا ہے کہیں عوام جاہل جنکے پاس مال زیادہ ہو اُس عالم دیندار کامل کے مانند اُسکی خرابی سے نجات پا سکتے ہیں۔

فصل (۱)

فضیلت زہد اور بعض زاہدوں کی حکایتیں

واضح ہو کہ محبت دنیا و مال کی ضد کو زہد کہتے ہیں۔ اور زہد دنیا سے دل اُٹھا لینے اور بقدرِ ضرورت کے حفاظتِ بدن کیلئے اکتفا کرنے یا دنیا سے بیٹھ پھر اکر آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے مراد ہے۔ بلکہ سوائے خدا کے دوسروں سے قطع نظر کرنا

اور خدا کی طرف متوجہ ہونا۔ زہد کا بہت بلند درجہ ہے جو کوئی ہر چیز سے بجز خدا کے دل اُٹھائے
یہانتک کہ بہشت و قصور و غلمان و حور کی بھی خواہش نہو وہ زاہد مطلق ہے۔ اگر بہشت
اور اگر اُن چیزوں کی طمع میں جو بہشت میں ہیں اُن سے اور خوفِ جہنم سے دل دنیا سے
اُٹھائے تو وہ بھی زاہد ہے لیکن اس کا مرتبہ زاہد مطلق سے پست ہے۔ جو کوئی بعض لذّاتِ دنیوی
سے دست بردار ہو مثلاً یہ کہ مال کو ترک کرے لیکن جاہ کو طلب کرے یا تھوڑا کھانے پر اکتفا کرے
لیکن لباسِ فاخرہ میں زینت دے تو اُس کو ہرگز زاہد نہیں کہیں گے اُسکو زاہد کہنا روا نہیں
ہے بیانِ صدر سے معلوم ہوا کہ مرتبہ زہد کا اُس وقت حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کو ترک کریگا جب
اسکی پستی و حقارت ہوا ور اُس کے مقابلہ میں آخرت یا قربتِ خدا کا طالب ہو۔ اور جو کوئی
دنیا پر قابو نہ پانے کے سبب سے یا نام نیک یا آدمیوں کے دلکو ہاتھ میں لینے یا شہرت جود و سخا
و جوانمردی کی غرض سے یا اپنا بوجہ کم کرنے کی نیّت سے دنیا کو ترک کرے تو وہ زاہد نہیں ہے
اُسکو ہرگز مرتبہ زہد کا حاصل نہوگا۔ واضح ہو کہ صفت زہد کی ایک منزل راہِ دین و مقام
سالک ہے حضرت رسولِ خدا صلعم سے مروی ہے کہ جو کوئی صبح ہوتے ہی دنیا کے کام کی فکر میں
مشغول ہوا اُسکی ہمّت دنیا یا نیکی ہو تو خدا اُسکے کام کو مضطرب و متفرق کرتا ہے اُسکے شغل کو پریشان
کرتا ہے اُسکے مقابلہ میں فقر و احتیاج کو رکھتا ہے جو کچھ اُسکے لئے دنیا سے مقدّر کیا گیا ہے اُس سے
زیادہ اُسکو نصیب نہیں ہوتا جس کسیکی صبح امرِ آخرت کی فکر و ہمّت میں ہو تو خدا اُسکے کاموں کو جمع اور
اُسکے شغل کو اُس کے لئے حفاظت کرتا ہے۔ اُس کے دل کو غنی و بے نیاز کرتا ہے دنیا کو اُسکے نزدیک
خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ جس بندہ کو دیکھو کہ اُسکے خدا نے خاموشی و زہد دنیا میں عطا کیا ہے
اُس سے نزدیکی کرو۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے کہ اُسپر حکمت و دانائی کا مبادی فیاضہ سے القا ہوتا ہے
نیز اُن حضرت نے فرمایا کہ میرے بعد ایک گروہ ہوگا جنکو بادشاہی نہ ملیگی مگر قتل و جبر کے سبب سے

ور تونگری اُن کو نہ ملیگی مگر بخل و دل تنگی کے ساتھ۔ وہ ایک دوسرے کی محبت نہ رکھینگے مگر متابعت ہوا و ہوس کے سبب سے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص اُس زمانہ کو پائے تو فقر میں بسر کرے باوجود اس کے کہ مال جمع کرنیکی قدرت رکھتا ہو۔ آدمیوں کی دشمنی پر صبر کرے باوجود اس کے کہ ان سے محبت رکھنے کی قدرت رکھتا ہو اپنی ذلت و خواری پر صبر کرے حالانکہ وہ حصولِ عزت پر قادر ہو اور یہ تمام خوشنودی خدا کے واسطے بجالائے تو خدائیتعالیٰ اُسکو پچاس صدیقوں کا ثواب عطا فرماتا ہے پھر فرمایا کہ جسوقت نور داخلِ قلب ہوتا ہے تو سینہ کشادہ و وسیع ہوتا ہے عرض کیا گیا کہ اُس کی کوئی نشانی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں دارِ غرور سے پہلو تہی کرنا دار السرور کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے موت کیلئے آمادہ رہنا۔ ایک روز فرمایا کہ خدا سے جیسا کہ چاہیئے ویسی ہی شرم کرو۔ عرض کیا گیا کہ ہم خدا سے شرم کرتے ہیں تو فرمایا کہ پھر کسواسطے یہ مکانات بناتے ہو جن میں تم سکونت نہیں کرتے اور کسواسطے اتنا جمع کرتے ہو جسکو کھا نہیں سکتے۔ ایک جماعت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ ہم صاحبِ ایمان ہیں۔ حضرت نے فرمایا تمہارے ایمان رکھنے کی علامت کیا ہے۔ عرض کیا گیا کہ جب کوئی ہم پر بلا نازل ہوتی ہے تو ہم اُس پر صبر کرتے ہیں۔ جب کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو اُسکا شکر کرتے ہیں بحکم خدا پر راضی ہیں جب اپنے دشمنوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اُسپر شماتت نہیں کرتے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ امر ہے تو پھر اُسکو جمع نکرو جسکو تم نہیں کھاتے۔ اور وہ مکانات نہ بناؤ جن میں تم نہیں رہتے۔ اور اُن چیزونکے سبب سے ایک دوسرے پر حسد نکرو جنھیں آخر کار چھوڑ کر جانا ہے۔ مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسول صلعم کی کوئی زوجہ بوجہ زیادتی گرسنگی کے حضرت کے سامنے رونے لگی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ خدا سے طعام طلب کیجئے کہ وہ عطا کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر اُس سے سوال کروں تو تمام دنیا کے پہاڑوں کو طلا کردے اور جس جا جاؤں میرے ساتھ ساتھ اُنھیں ضرور روانہ کرے لیکن میں نے گرسنگی دنیا کو

اُسکی امیری پر اور فقرِ دنیا کو اُسکی مالداری پر اور غم والمِ دنیا کو اسکی شادی وخوشی پر اختیار کیا ہے
بہ تحقیق کہ دنیا محمد وآلِ محمد کے سزاوار نہیں ہے خدا پیغمبرانِ اولوالعزم سے اُسوقت تک راضی
نہیں ہوا جبتک کہ اُنھوں نے دنیا کی ناخوشی پر صبر اور اُسکی لذات سے کنارہ کشی نہیں کی۔ پس
میرے لئے بھی راضی نہیں ہے جبتک کہ اُنکی طرح میں بھی تکلیف نہ اُٹھاؤں اور فرمایا (فَاصْبِرْ
كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ) یعنے صبر کر جیسا کہ پیغمبرانِ اولوالعزم نے صبر کیا
خدا کی قسم ہے کہ بجز اُسکی اطاعت کے کوئی چارہ نہیں رکھتا ہوں اپنی توانائی وطاعت کے مطابق
صبر کرتا ہوں جیسا کہ اُنھوں نے صبر کیا اور فرمایا کہ جو پیغمبر مجھ سے آگے ہوئے ہیں بعض اُنہیں فقر میں مبتلا
ہوتے تھے یہانتک کہ سوائے عبا کے اُنکے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بعض جوؤں میں مبتلا ہوتے تھے اور اُنکو
دوست رکھتے تھے پھر فرمایا کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہے جبتک کہ وہ گمنامی کو شہرت وشناسائی
سے اور مفلسی کو مالداری سے زیادہ دوست نہ رکھے آنحضرت سے مروی ہے کہ حضرت سے پروردگار
نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو مکہ کے پہاڑونکو تمھارے لئے طلا کر دوں اُسوقت حضرت نے عرض کیا
کہ اے خدا میں چاہتا ہوں کہ ایکروز بھوکا اور دوسرے روز سیر رہوں تاکہ جسروز بھوکا رہوں تیری
عبادت وتضرع میں بسر کروں جسروز سیر رہوں اُس روز تیرا حمد وسپاس بجالاؤں۔ خدا تعالےٰ
نے فرمایا کہ میرے بہترین دوستوں میں سے وہ مرد ہے جو سبکبار رکھا اپنی نماز سے لذت اُٹھائے
اور اپنے پروردگار کی عبادت بجالائے اور آدمیوں میں وہ گمنام ہو۔ روزی بقدرِ کفاف وقناعت
حاصل کر کے اُسپر صبر کرے جب وہ مرجائے تو اُسکی میراث بھی کم ہو اور اُسپر رونیوالے بھی کم ہوں
حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمیوں کے تین طائفے ہیں۔ زاہد۔ صابر۔ راغب۔ زاہد وہ ہے
جو دنیا کی تمام غم وخوشی اُسکے دلکو نہو۔ دنیا کی کوئی چیز حاصل ہو تو خوش نہو اور اُسکے نکلجانیکا کوئی
غم نہو تو وہ شخص ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔ صابر وہ ہے جو دنیا کو چاہتا ہے اور اُسکی رغبت

رکھتا ہے لیکن جب اسکو میسر ہو تو اس سے اپنے کو بچاتا ہے کیونکہ اسکی خرابی کو جانتا ہے اگر کسیکو اسکے دل پر آگاہی ہو تو وہ اسکی فروتنی و خودداری و پیش بینی پر متعجب ہوگا۔ اور راغب وہ ہے جسکو دنیا کو خواہ حلال سے ہو یا حرام سے حاصل کرتا ہے اور کسیطرح مال اور دنیا کی طلب میں کوتاہی نہیں کرتا اگرچہ اسکا نفس ہلاک ہو یا اسکی عزت چلی جائے نیز اُس حضرت سے مروی ہے کہ طالب آخرت کی یہ علامت ہے کہ دنیائے فانی چند روزہ سے رغبت نہ رکھے واضح ہو کہ دنیا سے دل اٹھانا نیز کسی زاہد کا زہد اسکی قسمت کو کم نہیں کرتا ہے اور کسی حریص دنیا کی حرص جو کچھ اسکے لئے مقدر کیا گیا ہے اسکو زیادہ نہیں کرتی ہے وہ شخص اپنا نقصان کرتا ہے جو اپنے نصیب میں آخرت سے محروم رہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی عزت و جلال کی قسم کہ کسی بندے نے میری خواہش کو اپنی خواہش پر امور دنیا میں اختیار نہیں کیا مگر یہ کہ میں اسکے دلکو غنی و بے نیاز کرتا ہوں اسکے شغل و فکر کو آخرت میں منحصر کرتا ہوں اور آسمان اور زمین کو اسکی روزی کا ضامن کرتا ہوں اسکے لئے بہترین تجارت کرتا ہوں نیز اُس حضرت سے مروی ہے کہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ والا وہ شخص ہے جسکو اسکی پروا نہ ہو کہ دنیا جسکو چاہے نصیب ہو پس جس کسیکا نفس کرامت و عزت رکھتا ہے دنیا اسکے آگے ذلیل و خوار ہے اور جس کسیکا نفس خوار و ذلیل ہے دنیا اسکی نظر میں اعتبار رکھتی ہے۔ زاہد وہ شخص ہے جو کہ آخرت کو دنیا پر ذلت کو عزت پر عبادت کی کوشش کرنیکو راحت پر اور گرسنگی کو سیری پر یاد خدا کو غفلت پر اختیار کرے گویا وہ دنیا میں ہو لیکن اسکا دل آخرت میں لگا ہو فضیلت زہد کی یہ ہے کہ تمام انبیا و اولیا اس صفت میں موصوف تھے بلکہ انکے صفات مشہور ہیں ہر ایک پیغمبر زہد کے ساتھ مبعوث ہوا اگر اسطرح نہ ہوتا تو قرب پروردگار نہ ملتا اور دنیا سے نجات نہ ہوتی۔ احوال کلیم اللہ موسیٰ بن عمران کو ملاحظہ کیجئے کہ ہمیشہ خدا سے گفتگو کرتے تھے اور نور تجلی اُنپر چمکتا تھا وہ کسطرح دنیا میں بسر کرتے تھے اُنکی اکثر غذا گھاس

اور درختونکے پتے تھے کثرت ریاضت و زحمت سے اسقدر لاغر و ضعیف تھے کہ اُنکے شکم مبارک سے گھانس اور پتونکی سبزی ظاہر ہوتی تھی۔ طریقۂ عیسٰی بن مریم کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ لباس بالونکا پہنتے تھے اُنکی خوراک درختوں کے پتے اور گھانس تھی نہ انکو کوئی فرزند تھا نہ اُنکا کوئی گھر تھا جسکی خرابی سے وہ اندیشہ کرتے۔ نہ مرنے سے وہ ڈرتے تھے کبھی روز کل کے لئے اپنی غذا اُٹھا کر رکھی اُنکا کوئی ٹھکانا نہ تھا جس جاے شام ہوتی آرام کرتے ایکروز بارش و رعد و برق نے انکو گھیرا اُسوقت پناہ لینے کیلئے ہر طرف روانہ ہوئے۔ اپنے کو ایک خیمہ میں پہنچایا جہاں ایک عورت موجود تھی اُسکو دیکھکر شرم کی اور وہانسے پہاڑ کے کسی غار میں داخل ہوئے تو ملاحظہ کیا کہ ایک شیر اُسمیں رہتا ہے اُس غار میں بیٹھے اور ہاتھ اُس شیر پر پھیرا اور فرمایا کہ الٰہی تو نے ہر کسیکو رہنے کیلئے جاے دی ہے میرے لئے کوئی جاے مقرر نہیں فرمائی۔ خطاب ہوا کہ تیری جگہ میری رحمت میں ہے جب قیامت ہوگی تو اُن حوروں سے جنکو میں نے پیدا کیا ہے جنکی عمر کا ہر روز دنیا کے چار ہزار سال کے برابر ہوگا اُنسے تیری تزویج کرونگا اور آدمیونکو تیری عروسی میں کھانا کھلاؤنگا اور منادیوں کو حکم دونگا کہ ندا کریں کہ کہاں ہیں زاہدانِ دنیا کہ عروسیِ زاہدِ مطلق عیسٰی بن مریم کو دیکھیں۔ حضرت یحیٰی انکا حال سنیے کہ سواے پوستین کے کوئی چیز نہیں پہنتے تھے پوستین کی سختی سے انکا بدن چھل گیا تھا ایکروز اُنکی والدہ نے چاہا کہ جبّہ بالونکا پہنائیں کہ اُس سے کسیقدر آرام ہو جب حضرت یحیٰی نے اُسکو زیبِ تن کیا تو وحی ہوئی کہ اے یحیٰی تو نے دنیا کو اختیار کیا پس گریہ کیا اور جبّہ کو اُتار دیا اور پوستین کو پہن لیا۔ پیغمبر آخر الزماں جنکے باعث سے زمین و آسمان پیدا کئے گئے اُس جناب کے زہد کو ملاحظہ کیجئے کہ بعثت کے بعد جس عرصہ تک دنیا میں زندگی بسر فرمائی وہ اور اُنکی اہلبیت کسی روز سیر نہ ہوئے کبھی شام کو نوش فرماتے تو صبح کو گرسنہ رہتے کبھی صبح کو نوش فرماتے تو شام کو بھوکے رہتے آنحضرت اور اہلبیت نے کبھی سیر ہوکر خرمہ نوش نہیں فرمایا مگر بعد فتح خیبر کے۔ وہ بزرگوار عبا کو دو تہ کرکے

استراحت فرماتے تھے اتفاقاً ایک رات کو وہ عبا چارتہ کیگئی اور حضرت نے آرام فرمایا
جب بیدار ہوئے تو فرمایا کہ اسنے مجھکو رات کی بیداری سے باز رکھا پس عبا کو اٹھا اور دور پھینک کر دیا
اکثر اتفاق ہوا کہ اس برگزیدہ خدا نے اپنے جامہ کو جسم سے اتار کر دہوئیں بلال نے نماز کیلئے اذان
دی اسوقت حضرت دوسرا کوئی جامہ نہیں رکھتے تھے کہ زیب تن فرمائیں اور نماز کیلئے باہر تشریف
لیجائیں حضرت علی ابن ابی طالب کا زہد مشہور ہے اور محتاج بیان نہیں ہے کہ اس حضرت نے کبھی
پیٹ بھر کر غذا نوش نفرمائی۔ روٹی کے ٹکڑونکو چنکر نوش فرماتے تھے ہمیشہ روٹی کو نمک اور سرکہ سے
تناول فرماتے تھے اگر اس سے زیادتی کا کبھی خیال ہوتا تو تھوڑا دودہ نوش فرمائے آنحضرت کے پاس
ایک کیسہ تھا جسمیں جو کی روٹی کے ٹکڑے رہتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ بھوسا جو کا تھا اسکو
ایک مٹھی سے زائد روزانہ نوش نفرماتے تھے ہمیشہ جامہ درشت و کہنہ جسپر زیادہ پیوند ہوتے تھے زیب
جسم مبارک فرماتے تھے کبھی اپنے جامہ کو لیف خرمہ سے کبھی پرانے چمڑے کے ٹکڑوں سے پیوند لگاتے تھے
اور فرماتے تھے کہ علی کو دنیا کی زینت سے کیا کام ہے اپنے کو کسطرح ان لذات فانی اور نعمت غیر باقی
پر راضی کرے ایساہی ائمہ راشدین و اکابر اصحاب و بزرگان دین و علما و صالحین کا زہد کتب احادیث
و تواریخ میں مذکور ہے حالانکہ انکی عمر پچاس یا ساٹھہ سال کی تھی کبھی عمدہ لباس نہیں پہنا کوئی فرش زرین
پر نہیں بچھایا اپنے اہل خانہ کو کسی طعام کی تیاری کا حکم نہیں دیا بلکہ راتوں کو خدا کی عبادت میں بیدار
رہتے تھے اپنے رخسار ونکو زمین پر رکھتے تھے اور گریہ و مناجات میں بسر کرتے تھے بعض کا یہ طریقہ تھا کہ
راتونکو گرم مقام میں عبادت کرتے تھے تاکہ نسیم سحر کی خنکی انکو آرام نہ دے بعض شکستہ برتن میں پانی
رکھتے تھے دہوپ سے نہیں اٹھاتے تھے آب گرم پیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی سرد پانی پیگا اسکو
دنیا سے مفارقت مشکل ہے پس ہوا و ہوس کی غفلت سے ہوشیار رہئے دنیا کو جو آخرت کی ضد ہے
پہچانئے جو لوگ اسکی حقیقت سے آگاہ ہیں انکی متابعت کیجئے دنیا کی لذات فانیہ سے دور رہئے اگرچہ

لئے آپ پر ناگوار ہوتا ہے لیکن یہ چندروزہ زمانہ چشم زدن میں گزر جائیگا ملاحظہ کیجئے کہ تمام گزشتگان خاک کے نیچے سوتے ہیں جو کچھ اُنھوں نے جمع کیا تھا اُنمیں سے اپنے ساتھ کیا لیگئے وہ کسکو سپرد کر گئے عیش وخوشی کا کیا ثمرہ حاصل کیا آپ ضرور کہینگے کہ وہ ایک خواب تھا پس اس تھوڑے زمانۂ زندگی کی تکلیف کو برداشت کیجئے کیونکہ عاقل زحمتِ چندروزہ کو بمقابلہ راحت دائمی کے اپنے پر گوارا کرتا ہے۔

فصل (۱۱) مدارج واقسام وعلامات زہد

واضح ہو کہ زہد کے تین درجے ہیں (۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ پہلا درجہ ادنیٰ وہ ہے کہ آدمی کے دلکو خواہش ومحبت دنیا کی ہو لیکن اسکو مجاہدہ ومشقت سے ترک کرے۔ دوسرا درجہ اوسط وہ ہے کہ اگرچہ اسکی نظر میں دنیا کیقدر ومرتبہ رکھتی ہو لیکن اُسکو بمقابلہ نعمت آخرت کے حقیر سمجھتا ہو باوجود رغبت کے دنیا کو ترک کرتا ہے تو یہ اُس شخص کے مانند ہے جسکو ایک درہم نقد ہاتھ لگا ہو اور امید رکھتا ہو کہ کل دو درہم ملینگے۔ اس مرتبہ والیکو دنیا کا ترک کرنا آسان نہیں ہے مگر پھر بھی ایسا جانتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ میں اٹھایا ہے وہ معاوضہ ہے بلکہ حصول آخرت کے واسطے کسیقدر انتظار ضروری ہے لہذا اپنے اس فعل پر کبھی عجب بھی کرتا ہے تیسرا درجہ اعلیٰ وہ ہے کہ جسکی نظر میں دنیا کوئی رتبہ نہیں رکھتی وہ اُسکو ہیچ جانتا ہے اُسے کوئی چیز نہیں سمجھتا اسلئے شوق ورغبت اُس سے کنارہ کرتا ہے یہ اُس شخص کے مانند ہے جو دانہ کو مشکل سے ہاتھ اٹھائے اور دانۂ یاقوت رمانی ہاتھ میں لے ایسا شخص کبھی یاقوت کو اُسکا معاوضہ نہیں سمجھ سکتا یہ مرتبہ حقیقتِ دنیا وآخرت کو جاننے کے باعث حاصل ہوتا ہے کیونکہ صاحب معرفت یقین کامل رکھتا ہے کہ دنیا جو چار پایوں کی غلاظت ہے بمقابلہ آخرت کے جو یاقوت ہے بہت کم درجہ رکھتی ہے صاحبانِ معرفت نے کہا ہے کہ جس نے دنیا کو آخرت کیواسطے ترک کیا ہے وہ اُس شخص کے مثل ہے جو گھر میں بادشاہ کے داخل ہونا چاہتا ہو اور دروازے کا کتا اندر جانیسے

منع کرے تو روٹی کے ایک ٹکڑے میں اُسکو مشغول کر کے اندر چلا جائے اور اپنے کو خلوتِ خاص میں پہنچائے ایسا شخص اُس روٹی کے ٹکڑے کو جو کُتے کو دیا ہے اُسکو بھی بادشاہ کے خوانِ احسان سے جانتا ہے تو کیا وہ بادشاہ سے اُسکے عوض کی امید رکھسکتا ہے؟ پس دنیا روٹی کے ٹکڑے کے مانند ہے اگر اُسکو کھاتا تو اُسکے مُنہ میں ہی رہجاتا اور تھوڑی لذت ملتی اگر اسکے بعد معدہ میں جاتا تو ثقالت ہوتی اور اُسکا نتیجہ آخر نجاست ہوتا بلکہ دنیا اُس شخص کیلئے جسکی عمر ہزار سالکی ہو نعمتِ آخرت کے مقابلہ میں روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی بہت کم ہے۔ یہہ تو زہد کے درجات تھے اب زہد کی قسمیں سات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) زہدِ فرض (۲) زہدِ سلامت (۳) زہدِ فضل (۴) زہدِ معرفت (۵) زہدِ خائفین (۶) زہدِ راجین (۷) زہدِ عارفین **پہلی قسم** زہدِ فرض وہ ہی کہ جن چیزونکو خدا نے حرام کیاہے اُنکو ترک کرے۔

دوسری قسم زہدِ سلامت وہ ہے کہ تمام امورِ مشتبہہ سے بھی اجتناب کرے۔

تیسری قسم زہدِ فضل کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ ہے کہ امرِ حلال سے پرہیز کرے مگر بقدرِ ضرورت طعام و لباس و اثاث البیت و عورت اور جو کچھ ذرایع مال و جاہ کے ہوں اُنکو ترک نکرے بلکہ اُنسے فائدہ اُٹھائے (۲) وہ ہے کہ جن چیزوں سے نفس کو نفع و لذّت حاصل ہوتی ہو اُنکو ترک کرے اگرچہ وہ بقدرِ ضرورت کے ہو۔ اسکے معنی یہہ نہیں ہیں کہ بالکلیہ اُنکو ترک کرے کیونکہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ یہہ معنی ہیں کہ جبکا وہ مرتکب ہوتا ہے لذّت پانیکے خیال سے نہو بلکہ اضطرار و توقف حیات کے لحاظ سے ہو مانند اکل میتہ کے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس قسم کے زہد پر اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا میں زاہد وہ ہے کہ دنیا کے حلال کو حساب کے خوف سے اور اسکے حرام کو گناہ کے خوف سے ترک کرے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام زہد قرآن کے دو کلموں میں ہے کہ خدا یتعالی فرماتا ہے (لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ) یعنے جو کچھ

دنیا سے ضایع ہوجائے اُس پر افسوس نکرے۔ جو کچھہ ہدست ہو اُسپر خوش نہوں۔

چوتھی قسم زہد عرفا وہ ہے کہ تمام ماسوا اللہ کو ترک کرے اور اُس سے قطعِ تعلق کرے یہانتک کہ اپنی جان و بدن کو توکّل و اکراہ پر قایم رکھے۔ اس مرتبہ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ زہد آخرت کے دروازہ کی کنجی ہے اور آتشِ جہنّم سے نجات میسر ہوتی ہے وہ یہہ ہے کہ ہر اُس چیز کو جو خدا سے غافل کرتی ہے ترک کردے۔ واضح ہو کہ بعض ماسوا اللہ سے جو التفات کیجاتی ہے وہ تمام ضروریات میں ہیں مثلاً کھانا لباس آدمیوں کی آمد و رفت۔ اُنسے گفتگو درستیٔ مسکن اور مثل انکے یہہ مرتبۂ زہد کے منافی نہیں ہیں کیونکہ ترکِ علاقہ دنیا سے خدا کیطرف متوجّہ ہونا مقصود ہے اور یہہ بغیر حیات و زندگی متصوّر نہیں ہے۔ اور حیات چند ضروریات پر موقوف ہے پس جو کوئی ان ضروریات کو بندگی و عبادتِ پروردگار کیلئے بقصدِ حفاظت و اعانتِ بدن کمی کے ساتھہ اختیار کرے تو وہ شخص سوائے خدا کے دنیا میں مشغول نہ سمجھا جائیگا۔ جیسا کہ کوئی سفر حج میں اپنے مرکب کو کھلا دے اِس غرض سے کہ اُسکو مکہ کو پہنچائے۔ بدنکو راہِ خدا میں اپنا مرکب جاننا چاہئے جیسا کہ راستہ میں حج کے ضروریاتِ مرکب کا لحاظ کیا جاتا ہے پس بدن کو پرورش کرنے اور لذت حاصل کرنیکا بھی یہی مقصود رکھتا ہو کہ بدن کی اُسقدر حفاظت کیجائے جسپر بندگی و عبادتِ خدا موقوف ہے نہ یہہ کہ تن پروری و خوش گزرانی مقصود ہو۔ اگر اُس سے کوئی لذت حاصل ہو جاے تو کوئی ضرر نہیں ہے لیکن اُسکا مقصد لذت حاصل کرنیکا نہو۔ واضح ہو کہ کوئی شک نہیں کہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا اور زیادتی کا ذخیرہ کرنا جس سے رفعِ احتیاج ہوتی ہو وہ منافی زہد ہے۔ مگر جن چیزونکی مثلاً کھانے پینے۔ لباس مکان اسبابِ خانہ عورت اور اسقدر جاہ جس سے ظلم و ستم دفع کیا جاسکے تو یہہ زہد کے منافی نہیں ہے لیکن اُنکے واسطے بھی چند مراتب ہیں بعض علمائے اخلاق نے کہا ہے کہ انتہائے زہد خوراک میں یہہ ہے کہ قوتِ شبانہ سے زیادہ نرکھتا ہو

اگر زیادہ ہو تو مستحقوں کو بخشش کرے۔ اگر اپنی خوراک جو کی روٹی قرار دے تو نہایت زہد ہے
لیکن بعض وقت گیہوں کی روٹی کھانا بلکہ کھانے کے ساتھ روٹی کھانا بشرطیکہ بہت سی چیزیں فرو دار
نہوں بلکہ بعض وقت گوشت کھانا زہد کے منافی نہیں ہے۔ لباس میں روئی یا بالوں کا ملبوس
اختیار کرے جس سے بدن پوشیدہ اور سردی و گرمی کی حفاظت ہو اگر دو جامے بلکہ تین جامے بھی
ہوں ایک کو پہنے دوسرے کو دھلوائے یہ بھی زہد کے منافی نہیں ہے ایسا مکان ہو کہ خود اور اپنے
عیال کو گرمی و سردی سے اور نامحرموں کی نظر سے بچائے فرش۔ برتن۔ دیگ۔ کوزہ مثل انکے
اسباب خانہ اسقدر جو ضرورت کیلئے کافی ہو اور ضرورت سے زیادہ نہو بعض خیال یا گمان جسکی
سال میں ایکبار ضرورت ہوتی ہے اُٹھا نرکھے ایسی عورت جس سے خواہش نفسانی رفع ہو سکے اور جس سے
اشغال ضروریہ پورے ہو سکیں تزویج کرے خصوصاً مال میں اگر کسب کرنیوالا ہے تو بقدر ضرورت ایک
شبانہ کیلئے کسب کرے من بعد امر دین کیطرف مشغول ہو۔ اگر کوئی ملک یا مستقل آمدنی رکھتا ہو تو
اُسکو چھوڑ دینا شرط زہد نہیں ہے ہاں مقتضائے زہد یہ ہے کہ اُسکی آمدنی قوت سالانہ سے زائد
ہو تو اُس زیادتی کو جمع نکرے بعض نے کہا ہے کہ ایسا شخص جو اپنی آمدنی سالانہ کی احتیاط کرتا ہے
وہ زاہد نہیں ہے اور زاہدین کے درجۂ بلند سے اُسکو بہرہ و حظ نہیں ہے۔ زاہد وہی ہے جو قوت
شبانہ پر اکتفا کرے اور باقی کو اُٹھا نرکھے جیسا کہ انبیاء و اوصیاء و اتقیا کا طریقہ تھا۔ جامع السعادات
میں ہے کہ زہد کا حکم بلحاظ اختلاف اشخاص و اوقات مختلف ہوتا ہے اسلئے کہ جو شخص مجرد ہے
اُسکی شان اور ہے اور صاحب عیال کی شان اور ہے جو شخص کسب کر سکتا ہے اُسکی حالت
اور ہے اور جو شخص کاسب نہیں ہے اور تحصیل علم و عمل میں ہی مصروف ہے اُسکی حالت اور ہے
ایسا ہی اوقات و مکانات بھی مختلف ہیں۔ بعض شہروں میں اور بعض اشخاص کیلئے ضرورت ہر روز
کے مطابق حاصل کرنا ممکن ہے اور بعض جگہ ممکن نہیں ہے لہذا ہر شخص کو سزاوار یہ ہے کہ اپنے نفس سے

اجتہاد کرے وقت و حال و مکان کو دیکھے اور غور کرے کہ امر آخرت کی درستی و اطمینان دل و جمعیت خاطر کس چیز میں ہے جس چیز کی وجہ سے آخرت حاصل نہیں ہوتی ہے اُسکو اختیار کرے اور اُس سے زیادہ کو ترک کردے ایسا شخص اسقدر اختیار کرنیکے سبب اپنا ارادہ کو خدا کیلئے خالص کرے تو وہ زہد سے خارج نہوگا اگرچہ اس سے کم پر بھی اکتفا کر سکتا ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس حدیث میں فرمایا ہے جو سفیان اور اُسکے اصحاب سے آپ نے گفتگو کی ہے جسکو کلینی نے جامع کافی میں روایت کی ہے اُسکی صراحت یہہ ہے کہ سلمان فارسی اپنے حصہ کو ایک سالہ کو بیت المال میں جمع رکھتے تھے اور ابو ذر کے پاس چند اونٹ اور چند گوسفند تھے اُسکے عمل سے زندگی بسر کرتے تھے اُسی حدیث میں ہے کہ انصار کے پاس چند غلام تھے اُنکو مرنیکے وقت آزاد کیا حضرت رسولؐ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ اگر پہلے سے اطلاع ہوتی تو اُسکو مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن نکرتا اُسنے اپنے غلاموں کو آزاد کیا اور چھوٹے چھوٹے بچونکو چھوڑا کہ بھیک مانگیں لیکن خصوص جاہ یعنی وہ شئے جسکے سبب سے لوگوں کے دلمیں اُسکی وقعت ہو پس معلوم ہو چکا ہے اور اُسکا اسقدر حصہ جو انتظام امر معیشت اور دفع شر اشرار کیلئے ہو منافی زہد نہیں ہے بعض علما نے کہا ہے کہ اگرچہ بقدر ضرورت زہد کے منافی نہیں ہے لیکن اس سے آدمی کی ہلاکت واقع ہونیکا اندیشہ ہے لہذا بہتر و مناسب یہہ ہے کہ آدمی وقعت و اعتبار اور آدمیونکی نظر میں مرتبہ قائم کرنیکی کوشش نکرے۔ ہاں وہ مرتبہ جسکو بغیر کوشش کے خدا نے بعض کو بسبب دین کو رواج دینے یا بعض کو بوجہ صفات کمالات کے عطا کیا ہو وہ زہد کے منافی نہیں ہے ایسا ہی پیغمبر آخر الزمان کا مرتبہ تمام اشخاص سے بہت بلند اور اُنکا زہد تمام عالم سے زیادہ تھا حق یہہ ہے کہ جاہ مانند مال کے ہے اکثر ہوتا ہے کہ آدمی کو کسی شہر یا کسی وقت میں اتفاق ہوتا ہے کہ اُسکی امر معیشت تھوڑی بھی جاہ و مرتبہ پر موقوف ہوتی ہے پس اسقدر جاہ سے کوئی حرج نہیں ہے اور زہد کا منافی نہیں۔

جیسا کہ احادیث و روایات سے پایا جاتا ہے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمان کو احتیاج واقع ہوئی کہ اپنے کسی دوست سے کچھ قرض لیں اُسنے قرض نہیں دیا حضرت غمگین واپس ہوئے وحی ہوئی کہ اگر اپنے خلیل سے سوال کیا جاتا تو آیا وہ تجھکو عطا نکرتا عرض کیا کہ اے پروردگار میں جانتا ہوں کہ تو دنیا پر غضبناک ہے اسلئے تجھ سے سوال کرنیکو ڈرا خطاب ہوا کہ ضرورت کے مطابق حاصل کرنا دنیا نہیں ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی حفاظت جسکے لئے آدمی کو احتیاج ہے وہ دین سے ہے دنیا سے نہیں ہے۔ ہاں اُس سے زیادہ دنیا و وبال آخرت ہے بلکہ دنیا میں بھی مالداروں کی حالت پر تامل کرنے سے یہہ بات اُسپر ظاہر ہوتی ہے اور دیکھتا ہے کہ کسقدر حصول مال میں رنج و محنت و بلا کھینچتے ہیں اُسکی جمع و حفاظت میں طرح طرح کی خواری و ذلت اُٹھاتے ہیں کہ ہرگز اُس زحمت و ذلت کا دسواں حصہ بھی فقر و تہیدستی کی حالت میں نہیں پہنچتا ہے۔ مالداروں کو مال سے جو سعادت حاصل ہوتی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسے اپنے وارثوں کیلئے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ وہ کھائیں اور خدا کی معصیت کریں اسیوجہ سے ریشم کے کیڑے سے اُس شخص کو تشبیہ دیگئی ہے جو اپنی عمر کو اموالِ دنیا کے جمع کرنے میں صرف کرے وہ ہمیشہ اپنے اطراف ریشم کا دور کرتا ہے یہانتک کہ راہ خلاصی مسدود ہوتی ہے جب باہر آنا چاہتا ہے تو خلاصی نہیں پاتا ہے اُسی جگہ مرجاتا ہے اپنے عمل کے سبب سے ہلاک ہوجاتا ہے ایسا ہی دنیا کا حریص ہے کہ ہر روز کوشش کرتا ہے کہ طرح طرح کے تعلقات پیدا کرے جنسے کسیطرح چھٹکارا نہو یہانتک کہ ملک الموت اُسکے اور اُسکی خواہشات اور اُسکے جمع کئے ہوئے میں جدائی ڈالدے اُسکے مرنیکے وقت وہ تعلقات اُسکے دلپر ہے اور اُنسے جنکو اُسنے جمع کیا ہے اُسکو دنیا کیطرف کھینچتے ہیں اور ملک الموت کا پنجہ جو اُسکے دل کے رگ و ریشہ میں ہے اُسکو آخرت کیطرف جذب کرتا ہے اُسوقت میں یہہ امر اُسپر زیادہ سہل و آسان ہے کہ کوئی شخص اُسکے اعضا کو ایکدوسرے سے جدا کرے یہہ پہلا عذاب ہے کہ دنیا سے جانیکے وقت اہلِ دنیا کو پہنچتا ہے جو کچھ اُسکے بعد آتا ہے اُسکی شرح نہیں بیان کیجاسکتی

پانچویں قسم زہدِ خائفین ہے کہ وہ بسبب فکرِ عذابِ آخرت و غضب پروردگار کے ہو۔
چھٹی قسم زہدِ راجین ہے کہ وہ امید ثواب خدا و نعمتِ جنت کے باعث ہو۔
ساتویں قسم زہدِ عارفین کہ وہ بالاترینِ اقسامِ زہد ہے وہ یہہ ہے کہ جسکو بجز قرب پروردگار اور اُسکے دیدار کے کوئی خواہش نہو نہ اُسکو عذابِ جہنم کا خوف ہو نہ بہشت کا شوق بلکہ وہ لقاے پروردگار کے اشتیاق میں رات دن محو ہو چنانچہ فقراتِ مناجاتِ حضرتِ امیرالمومنین علیہ السلام میں اُسکی صراحت ہوئی ہے۔ یہہ ظاہر ہے کہ جسنے خدا کو پہچانا اُسکی ملاقات کی لذت کو پایا اور معلوم کیا تو اُسکے نزدیک نعمت حور و قصور لقاے پروردگار کے مقابلہ میں ہیچ ہے وہ سوایے لقاے پروردگار کے کوئی چیز نہیں چاہتا بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس لذّت کے پانیکے بعد اُسکے دلمیں حور و قصور کی لذت باقی نہیں رہتی کیونکہ لذّت نعمتِ بہشت بمقابلہ لذّتِ لقاے الٰہی کے ایسی ہی ہے جیسی کہ تسخیرِ عالم کے مقابلہ میں ایک چڑیا کے پکڑنیکی لذت۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ جو کوئی دنیا کے مالکو ترک کرے وہ زاہد نہیں ہے کیونکہ مالکا ترک کرنا اور کمی معاش و اکل و لباس کی تکلیف کا سہنا بنسبت جاہ و شہرت و مدح و منزلت کے زیادہ آسان ہے۔ بہت سے اہلِ دنیا مالِ دنیا سے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تھوڑی غذا پر اکتفا کرتے ہیں مقامِ ویران پر قناعت کرتے ہیں تا کہ تمام لوگ اُنکو زاہد جانیں اُنکی تعریف کریں۔ لذتِ بلند کی طمع میں کم درجہ کی لذت کو ترک کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں نے دنیا کے لئے دنیا کو ترک کیا ہے۔ بلکہ زاہدِ حقیقی وہ ہے کہ مال و جاہ بلکہ تمام لذاتِ نفسانیہ کو ترک کرے اُسکی علامت یہہ ہے کہ فقیری و مالداری و عزت و ذلت و مدح و ذم اُسکو برابر ہو ایسی حالت کا سبب غلبۂ محبتِ خدا ہوتا ہے کیونکہ جبوقت تک خدا کی محبت اُسکے دلپر غالب نہو اُسوقت تک بالکلیہ دنیا کی محبت دل سے دور نہیں ہوتی ہے خدا کی محبت اور دنیا کی محبت دل میں پانی و ہوا کے مانند ہے اِن میں سے کوئی ایک جب پیالہ میں داخل

ہو تو دوسری بالکل کھنچ جاتی ہے جو دل محبتِ دنیا سے بھرا ہوا ہے تو دوستی خدا سے خالی ہے جو دل
محبتِ خدا میں مشغول ہے دوستی دنیا سے فارغ ہے الغرض ان میں سے کوئی چیز جسقدر کم ہو اسیقدر
دوسری چیز زیادہ ہوتی ہے۔

دوسری **صفت** غنا بے نیازی و اقسام غنا میں جسمیں چار فصلیں ہیں۔

وہ اوصاف رذائل جو قوت شہویہ سے متعلق ہیں انمیں وہ صفت مالداری و بے نیازی ہے
اس سے مراد یہ ہے کہ جسنے تمام مال کو جمع کیا ہو وہ اسکی احتیاج رکھتا ہے اس صفت کے مراتب
کی انتہا نہیں ہے لیکن ایسا نہیں کہ ہر مالداری و ثروت خراب اور صفاتِ رذیلہ ہو کیونکہ مالداری
کیلئے چند اقسام ہیں (۱) وہ کہ مال کے جمع کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کرتا ہے اسکے حاصل
کرنے میں تکلیف اٹھاتا ہے اور جسوقت اسکے ہاتھ سے وہ مال نکلجائے تو محزون و غمگین ہوتا ہے
(۲) وہ کہ مال کے جمع کرنے میں سختی و زحمت نہیں کھینچتا لیکن اسکو خدا نے ایک ثروت دی ہے
پھر وہ شاد و خوشحال ہے جب کوئی چیز اس سے تلف ہو جائے تو مغموم ہوتا ہے (۳) وہ ہے کہ
مال کے جمع کرنے میں کوئی زحمت کھینچی ہو نہ اسکے ہونے سے خوش نہ اسکے جانے سے غمناک ہو لیکن اسکو
خدا نے ایک دولت دی ہے اسپر شاکر و راضی ہے اسکا وجود و عدم دونوں مساوی ہے یا اسکا
وجود اسکی نظر میں بہتر ہے لیکن نہ اسطرح کہ جب وہ مال تمام ہو جائے تو اسکو اندوہ و الم ہو اور نیز وہ
شخص جو غنی ہے یا اسکا تمام مال حلال ہے یا اسمیں حرام بھی موجود ہے اور حقوق واجبہ و مستحبہ
کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یا نہیں کرتا پس جو اقسام کہ بیان کئے گئے بعض ان میں سے مذموم
صفات رذیلہ ہیں بعض دوسرے ایسے نہیں ہیں ہاں اغلب وہ ہے کہ جو لوگ نفوس پاک و
قوی نہیں رکھتے ہیں وہ اس مقام پر خوف و خطر سے مامون نہیں اسیوجہ سے حق سبحانہ و تعالی فرماتا ہے
اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی جبکہ آدمی اپنے کو غنی و بے نیاز دیکھتا ہے

تو سرکشی و نافرمانی کرتا ہے حضرت رسولؐ نے خدا سے فرمایا کہ خدایا مجھے حالت فقیری میں زندہ رکھ
کر اور حالت مالداری میں ملاقات نہ کر فرمایا کہ میری امت سے جو لوگ فقیر ہیں وہ مالداروں سے
پانسو سال پہلے داخل بہشت ہونگے اور فرمایا کہ میں نے بہشت کو اکثر فقیروں سے بھرا اور دوزخ میں
اکثر مالدار پایا مروی ہے کہ کوئی روز ایسا نہیں ہے کہ ایک منادی زیر عرش نہ پکارتا ہو کہ اے فرزند
آدم تھوڑی چیز کہ تجھکو کفایت کرتی ہے وہ اس زیادتی سے بہتر ہے کہ تجھکو سرکش و طاغی بنائے۔

فصل (۱) اقسام فقر

واضح ہو کہ مالداری کی ضد فقر ہے اور وہ دو قسم پر ہے۔
پہلا فقر حقیقی کہ وہ احتیاج سے مراد لیگئی ہے یہ فقر سوائے
واجب الوجود کے سب کیلئے ثابت ہے اسکے مقابلہ میں غنائے مطلق ہے جو ذات احدیت کیلئے
مخصوص ہے اس فقر و غنا پر کتاب خدا میں اشارہ ہوا ہے (وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ)
دوسرا فقر اضافی وہ بعض ضروریات مال کے احتیاج سے مراد لیگئی ہے جیسا یہاں اس جگہ
کیا جاتا ہے اس معنی پر فقر کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) وہ کہ مال دنیا کو دوست رکھے اس سے نہایت درجہ رغبت ہو نہایت سختی و رنج اسکے طلب
میں اٹھائے جس طریقہ سے کہ حاصل ہو اسکی پروا نکرے لیکن اسکو کچھ نہیں ملتا ایسے فقیر کو حریص کہتے ہیں
(۲) وہ کہ مالداری کو تہیدستی سے زیادہ دوست رکھتا ہو لیکن اسکی محبت مال سے اسقدر
نہیں ہوتی کہ اپنے کو مشقت و زحمت میں ڈالے اور حرام سے مضایقہ نرکھتا ہو۔ بلکہ اگر بے زحمت
یا تھوڑی طلب میں جو اسکی عبادت کا مانع نہو ملجائے تو وہ خوشحال ہوتا ہے ایسے فقیر کو قانع کہتے ہیں
(۳) وہ کہ مال سے کچھ بھی رغبت و محبت نرکھتا ہو اسکی خواستگاری نکرے بلکہ اس سے اذیت
پانیوالا اور بھاگنے والا ہو اگر کوئی مال اسکو ہاتھ آئے یا دست ہو تو اسکو واپس کر دے اسکو فقیر زاہد کہتے ہیں
(۴) وہ کہ مال سے نہ کوئی محبت رکھتا ہو نہ کوئی کراہت نہ مالداری سے خوش ہو نہ فقر سے

ناخوش۔ اگر کوئی مال ملے تو واپس نکرے بلکہ اُسکے نزدیک مال کا عدم و وجود برابر ہو۔ مالداری و فقیری
پر راضی رہے مالداری سے مُنہ نہ پھیرے اور فقر و احتیاج سے خائف و ترساں نہو۔ اگر مال پائے
تو ہوا و ہوس میں مشغول نہو۔ نہ پائے تو پریشاں خاطر نہو اور شکایت نکرے۔ ایسے شخص کے پاس
اگر تمام دنیا کا مال ہو تو کوئی ضرر نہیں ہے اُسکے آگے مال مثل ہوا کے ہوگا جو اُسکے مکان کو گھیرے
ہوئے ہے اور اُسکو ضرر نہیں پہنچاتی۔ نہ اُس سے خوش ہے نہ کراہت رکھتا ہے بلکہ سانس لینے
کی ضرورت کے مطابق اُس سے فایدہ حاصل کرتا ہے۔ اس میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ اپنے کو اور
سوائے اپنے سب کو اُس میں برابر جانتا ہے۔ ایسے شخص فقیر کا نام مستغنی فقیر عارف رکھنا چاہیئے
ایسے شخص کا مرتبہ مرتبۂ زاہد سے بڑا ہوا ہے یہہ زاہد ابرار ہے۔ ایسا شخص مقربین میں سے ہے
کیونکہ زاہد دنیا سے کراہت رکھتا ہے لہذا اُسکا دل دنیا کی کراہت میں مشغول ہے ویسا ہی
حریص کا دل اُسکی محبت میں مشغول ہے اور جس چیز میں دل مشغول ہو تو وہ بندہ اور خدا کے بیچ
میں حجاب ہو جاتی ہے لیکن وہ دل جو کہ دنیا کے بغض میں مشغول ہو بہتر ہے بہ نسبت اُس دل کے
جو دنیا کی محبت میں مشغول ہے۔ دوسرا مثل اُس شخص کے ہے کہ راہ مقصود کے خلاف چلے اور مقصد
سے غافل ہو۔ پہلا مثل اُس شخص کے ہے کہ راہ مقصود کو طے کرے لیکن مقصود سے غافل ہو بغیر
غفلت کے زائل ہونیکے یہہ حالت میسر نہیں ہوتی بخلاف اوّل کے کہ اگر اُسکی غفلت زایل ہو تو
اُسنے مدتوں جو راستہ چلا ہے تو اُسکو واپس ہونا پڑیگا تاکہ مقصد کا راستہ ملے۔ اگر کوئی شخص
کہے کہ انبیا و اولیا فقر کے طالب تھے اور مالداری سے کراہت رکھتے تھے دنیا کے مال سے
دور رہتے تھے جیسا کہ اخبار سے پایا جاتا ہے پس اُنکا مرتبہ فقیر مستغنی کے مرتبہ سے نازل تھا
اور اُنکا دل مشغول ہونا چاہیے۔ اِسکا جواب یہہ ہے کہ اس سے زیادہ اخبار سے نہیں پایا جاتا
یہہ لوگ دنیا کے مال سے نفرت و کنارہ کرتے تھے نہ یہہ کہ اُس سے بغض و عداوت رکھتے تھے

انکا دل اسکی کراہت میں اُس شخص کے مانند مشغول تھا جو کوئی پیاس کے موافق نہر سے پئے اور باقی کی پروا نکرے نیز دنیا و مال کی کراہت و نفرت کو آدمیوں کی تنبیہ کے لئے ظاہر کرنا فرض تھا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ حوض کے کنارہ سے دوسرے کنارہ پر کود جاتا ہے تاکہ اُسکا طفل ڈرے اور خوف کرے افسونگر اپنی اولاد کے ساتھ سانپ سے بھاگتا ہے کہ وہ بھی ڈرے مگر خود کوئی خوف سانپ سے نہیں رکھتا واضح ہو کہ بعض اقسام فقر کے جو ذکر کئے گئے ممدوح اور بعض مذموم ہیں اور اُن احادیث کے اختلاف کا سبب جو خصوص فقر میں آئے ہیں اختلاف اقسام فقر ہے اور بعض میں اُسکی بُرائی بیان کی گئی ہے اور بعض میں مدح

فصل (۲)

شرافت فقر اور فقیروں کی فضیلت

واضح ہو کہ اقسام فقر اگرچہ مختلف ہیں لیکن صفت فقر فی نفسہ بہ نسبت مالداری کے افضل ہے اُسکی تعریف میں اخبار بہت آئے ہیں حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ اس اُمت کے فقرا بہترین اس اُمت کے ہیں اور فرمایا کہ پروردگارا مجھکو فقیروں کی زندگی عطا کر اُنکے زمرہ میں مجھکو محشور کر۔ فرمایا کہ مومن کو زینت فقر کی اُس لگام سے جو گھوڑے کے مُنہ میں ہو بہتر ہے جیسا کہ لگام گھوڑے کو جائے خطرہ و ہلاک سے روکتی ہے اسی طرح فقر مومن کی فتنہ و فساد سے حفاظت کرتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت رسول صلعم سے فقر کی نسبت سوال کیا حضرت نے فرمایا کہ وہ خدا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ دوبارہ پوچھا گیا تو فرمایا کہ خدا کی ایک کرامت ہے تیسرے بار پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایسی چیز ہے کہ خدا کسیکو نہیں دیتا ہے مگر پیغمبر مرسل کو یا اُس مومن کو جو خدا کے نزدیک کریم ہو فرمایا کہ بہشت میں ایک دانہ یاقوت سرخ کا ایک غرفہ ہے جسکو اہل بہشت اسطرح دیکھتے ہیں جیسا کہ اہل زمین ستاروں پر نظر کرتے ہیں اُس جائے سوائے پیغمبر فقیر یا مومن فقیر کے کوئی داخل نہیں ہوتا ہے انہیں حضرت سے مروی ہے کہ قیامت میں میری اُمت کے فقرا جامئہ سبز پہنکر قبر سے نکلینگے اُنکے گیسو یاقوت و مروارید سے آراستہ ہونگے اُنکے ہاتھ میں نور کا عصا ہوگا وہ منبر پر بیٹھے ہونگے جب پیغمبر اُنکو دیکھینگے تو کہینگے کہ یہ ملائکہ ہیں۔ ملائکہ اُنکو دیکھینگے تو کہینگے کہ

یہ پیغمبر ہیں یہ لوگ جواب دینگے کہ ہم نہ پیغمبر ہیں نہ ولی بلکہ ہم امت محمدؐ کے فقرا ہیں۔ پوچھینگے کہ
تم کس عمل سے اس مرتبہ پر پہنچے یہ لوگ جواب دینگے کہ ہم زیادہ اعمال نہیں رکھتے تھے ہمیشہ
دنکو روزہ اور رات کو عبادت نہیں کرتے تھے لیکن نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے اور جب محمدؐ کا نام
سنتے تھے تو اپنے رخسار پر آنسو جاری کرتے تھے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے کلام کیا اور
فرمایا کہ اے محمدؐ میں جس بندے کو دوست رکھتا ہوں تو تین چیز عطا کرتا ہوں۔ (۱) اسکے دلکو محزون
کرتا ہوں (۲) تنکو بیمار کرتا ہوں (۳) اسکے ہاتھ کو مال دنیا سے خالی کرتا ہوں اور جس
بندے کو میں دشمن رکھتا ہوں اسکو تین چیز دیتا ہوں (۱) اسکے دلکو شاد و مسرور کرتا ہوں (۲)
اسکے بدنکو صحیح رکھتا ہوں (۳) مال دنیا سے اسکا ہاتھ بھرتا ہوں۔ فرمایا کہ تمام آدمی مشتاق بہشت
کے ہیں اور بہشت فقرا کا مشتاق ہے مروی ہے کہ قیامت کے دن تمام زاہد و عابد اپنے گناہوں سے
عذر خواہی کرینگے اور حق تعالی فقرا سے عذر خواہی کریگا اور فرمائیگا اے میرے بندے میں نے تجھکو
مال دنیا نہیں دیا اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ دنیا تیرے نزدیک حقیر ہو بلکہ اس سبب سے تھا کہ تو دنیا کیلئے حقیر
تھا۔ اٹھ اہل قیامت کے صفوں پر گذر کر جس کسیکو دیکھے کہ وہ تجھپر کوئی حق رکھتا ہو جس نے تجھے دنیا
میں کچھ عطا کیا ہو اسکو پکڑ اور اپنے ساتھ بہشت میں لیجا۔ فرمایا کہ فقرا کے ساتھ زیادہ آشنائی کرو اور انپر اپنا
حق ثابت کرو کیونکہ انکا ایک زمانہ خوشی کا آئیگا ایک شخص نے عرض کیا کہ انکو کیا خوشی حاصل ہوگی
فرمایا کہ قیامت میں انکو خطاب ہوگا کہ دیکھو جس نے تمکو روٹی یا پانی یا کپڑا دیا ہو اسکو بہشت میں لیجاؤ
فرمایا کہ پادشاہان اہل بہشت کو دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ جو لوگ ضعیف و خوار۔ بال پریشان و غبار آلود
پرانا لباس پہنے ہیں انکو کوئی پہچانتا نہیں ہے نہ وہ کسیکو پہچانتے ہیں۔ اس حضرت سے مروی ہے کہ جب وہ
زمانہ آئے کہ آدمی فقرا کو ذلیل و دشمن جانیں اور دنیا کی تعمیر میں مشغول ہوں اور درہم و دینار کو جمع
کریں تو انکو خدا چار چیزوں میں مبتلا کرتا ہے (۱) قحط (۲) پادشاہ کا خوف (۳) حاکموں کی خیانت

(۴) دشمنوں کا غلبہ۔ اہل بیت سے مروی ہے کہ جب خدا بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُسکو فقر میں
مبتلا کرتا ہے اور جب اُسکی محبت زیادہ ہوئی تو اہل و عیال و دولت و مال کو اُس سے لے لیتا ہے
حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہمارے دوستان خالص کیلئے اہل باطل کی دولت
نہیں ہے اگر وہ مشرق سے مغرب تک پھریں تو اُنکو بقدر قوت ہی میسّر ہوگا نیز اُس حضرت سے مروی
ہے کہ فقرائے مومنین کو مالداروں سے چالیس ہزار سال پہلے روضہ ہائے بہشت کی سیر کرائینگے
انکی مثال یہہ ہے کہ خالی گھر کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا اور جو گھر مال سے بھرا ہوا ہو اُسپر پہرہ
لگا دیا جاتا ہے۔ اُس حضرت نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو خدا یتعالیٰ فقرائے مومنین کے پاس
کسیکو عذر خواہی کیلئے بھیجیگا اور پیغام دیگا کہ اپنی عزت کی قسم ہے کہ میں نے تمکو دنیا میں خواری
وبیقدری کے سبب سے فقیر نہیں کیا البتہ تم دیکھوگے کہ تمھارے ساتھہ کیا سلوک کرتا ہوں پس
اُسکو دیکھو جس نے تمھارے ساتھہ دنیا میں نیکی کی ہے اُسکو لیکر داخل بہشت ہو ایک شخص عرض
کریگا کہ اے پروردگار اہل دنیا نے دنیا میں متعدد عورتیں رکھی ہیں عمدہ عمدہ لباس پہنے ہیں اور
اچھے اچھے کھانے کھائے ہیں وہ بلند مکانوں میں بیٹھے ہیں اور گھوڑوں پر سوار ہوئے ہیں مجھکو بھی آج انہی
طرح عطا کر پروردگار کا خطاب ہوگا کہ آج تجھکو اور تم میں سے ہر ایک کو جو چیز اہل دنیا کو دیگئی ہے
اُسکے نشتر برابر ہر ایک چیز عطا کرتا ہوں ایکروز آنحضرت نے بعض اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آیا تم
بازار کو جاتے ہو اور میوہ یا کوئی چیز جسکو بیچتے ہیں تم اُنکو خرید کرنا چاہتے ہو لیکن اُسکے خریدنیکی قدرت
نہیں رکھتے ہو عرض کیا گیا کہ ہاں فرمایا آگاہ ہو کہ تمھارے واسطے اُسکے عوض میں جو دیکھتے ہو اور
نہیں خرید سکتے ہو ایک حسنہ ہے حضرت کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا یتعالیٰ فرماتا ہے کہ
میں نے مالدار کو اس سبب سے مالدار نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک کوئی کرامت رکھتا تھا اور فقیر کو
اسلئے فقیر نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل و خوار تھا بلکہ مالداری و فقر ایسی چیز ہے کہ اُس سے

مالداروں کا اور فقیروں کا امتحان کرتا ہوں۔ اگر فقیر نہوتے تو مالدار مستوجب بہشت نہوتے
حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو کوئی فقیر مسلم سے ملاقات کرے اور اُسپر مالداروں کے
خلاف سلام کرے تو خدا قیامت میں اُسپر غضبناک ہوگا۔ لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ
کسیکو پُرانے جامہ میں حقیر نہ سمجھ کہ خدا تیرا اور اُسکا ایک ہے۔ منقول ہے کہ ایک شخص کسی بزرگ
دین کی خدمت میں گیا اور کہا کہ کوئی دعا میرے حق میں کیجئے کہ میں محتاج اور صاحب عیال ہوں
میرے عیال مجھکو ایذا پہنچاتے ہیں اُس بزرگ نے کہا کہ جسوقت تیرے عیال کسی قوت کا نہونا
بیان کریں تو اُسوقت خدا کی درگاہ میں دعا کر اُس صورت میں میری دعا سے تیری دعا بہتر ہوگی۔
پس اے فقیر مسکین اس صفت کو جان اور غمگین نہو کہ دنیا سے دور و زہ فانی کسطرح گزر گئی ایک چشم زدن
میں کوچ کے وقت فقیر و غنی یکساں ہیں۔ دنیا اُس بجلی کے مانند ہے جو آنکھوں کی بصارت کو گم کرنیوالی ہے
ہر وقت گذر رہی ہے کوئی لحظہ اسکے لئے توقف نہیں ہے۔ ایک لقمہ نان سیری کیلئے اور ایک گھونٹ
پانی سیرابی کیلئے کافی ہے یہی خیال کرلو کہ عمر گزشتہ میں تم تمام اموال دنیا کے مالک تھے اور ایک
فقیر نے جو کی روٹی پر قناعت کی تھی اب اُسمیں اور آپ میں کیا فرق ہے اور آئندہ تم نہیں جانتے کہ
کسطرح گزریگی بلکہ فقیر کو چاہئے کہ نہایت خوشنود و شاد رہے کیونکہ خرابی مال و مالداری سے دور
اور حساب روز شمار سے فارغ البال ہے۔ خداوند عالم خود اُس سے عذر خواہی کریگا۔ اخبار میں وارد
ہے کہ خدا کے نزدیک اُسکے بندوں میں زیادہ دوست فقیر ہے جو اپنی روزی پر قناعت کرنیوالا اور اپنے
خدا سے راضی ہو۔ حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ اُس فقیر سے کوئی افضل نہیں ہے جو کہ خدا سے راضی ہو۔
اُنھیں حضرت سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں فرمائیگا کہ میرے برگزیدگانِ خلق کہاں ہیں
ملائکہ عرض کرینگے کہ اے پروردگار یہہ لوگ کون ہیں خطاب ہوگا کہ یہہ فقرائے مسلمین ہیں جو کہ میرے
دئے ہوئے پر قناعت کرنیوالے اور میری قضا پر راضی تھے اُنکو داخلِ بہشت کرو۔ پس یہہ لوگ

بہشت میں داخل ہونگے اور عیش و عشرت میں بسر کرینگے اور باقی تمام لوگ اپنے حساب میں گرفتار رہینگے
فرمایا کہ کوئی غنی و فقیر نہوگا جو قیامت میں آرزو نکریگا کہ کاش دنیا میں بطریق جائز اپنی قوت سے زیادہ پیدا
نکرتا یہہ فایدہ فقر و مرتبہ فقرا ہوگا جو اُنکو معلوم ہوگا بلکہ وہ فقیر جو اپنے فقر پر راضی ہو جو کچھہ اُسپر گزرے
اُسپر شاکر رہے ہو وہ دنیا میں بھی آرام سے گزارتا ہے اُسکو پادشاہ و وزیر کا کوئی خوف نہیں ہے نہ مال
جمع کرنیکی تکلیف نہ اُسکے حفاظت کرنیکی زحمت ہے وہ گدا کی صورت میں ایک پادشاہ ہے اور حقیقت
میں پادشاہ ایک گدا ہے ۔

فصل (٣)

فقر صبر کے ساتھہ اُس مالداری پر جو شکر کرتا ہو ترجیح رکھتا ہے

کوئی شبہہ نہیں ہے کہ فقر رضا و قناعت کے ساتھہ اُس فقر سے جو حرص و شکایت کے ساتھہ ہو افضل و بہتر ہے لیکن دو مقام پر خلاف ہے (١) یہہ کہ فقیر صابر راضی جو کہ تھوڑی چیز پر
قناعت کرنیوالا ہو اپنے فقر سے ناراض نہو بہتر ہے یا وہ مالدار سخی جو کہ اپنے مال کو راہِ خدا میں بخشش کرے
بعض نے اوّل کو اور بعض نے دوسرے کو ترجیح دی ہے مگر یہہ بات اُس صورت میں ہے کہ وہ مالدار
بھی مال سے دلبستگی نرکھتا ہو مال کا وجود و عدم اُسکو مساوی ہو اُسکی علامت یہہ ہے کہ جو کچھہ وہ
رکھتا ہے اگر اُسکے ہاتھہ سے نکلجاے تو ذرا بھی اُسکے دلمیں کوئی فرق نہ واقع ہو کوئی غم اُسکو حاصل نہو
علی ہذا یہہ فقیر بھی اگر کوئی ثروت اُسکو ملے تو اُسکو ناچیز سمجھے لیکن باوجود علاقہ و محبت مال کے اگر
مالدار سخاوت کرے تو اُس سے فقیر راضی افضل ہے غرض غنیِ سخی اور فقیرِ راضی کا تقابل اُسوقت کیا جائیگا
جب اُنمیں سے کوئی بھی مالِ دنیا کی محبت نرکھتا ہے لیکن حق یہہ ہے کہ فقیرِ راضی غنیِ سخی سے بمراتب
افضل ہے جیسا کہ مروی ہے ایکروز پیغمبر نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کونسا آدمی بہتر ہے عرض کیا گیا
کہ وہ مالدار جو خدا کے حق کو ادا کرے حضرت نے فرمایا کہ وہ آدمی خوب ہے لیکن اُس سے میری مراد
نہیں ہے عرض کیا گیا کہ پھر کونسا آدمی بہتر ہے فرمایا کہ وہ فقیر ہے جو اپنی قدرت کے مطابق عطا کرے

مروی ہے کہ ایک روز کسیکو فقرائے اصحاب نے حضرت رسولؐ کی خدمت میں بھیجا وہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں فقیروں کا بھیجا ہوا ہوں حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ تجھے اور اُن لوگوں پر جنکی طرف سے تو آیا ہے مرحبا ہو کہ میں اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہوں پس اُس شخص نے عرض کیا کہ فقرا کہتے ہیں کہ مالداروں نے بہشت کو ہم سے لے لیا وہ حج کرتے ہیں ہم اُسکی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ عمرہ بجالاتے ہیں ہم بجا نہیں لاسکتے وہ زیادتی مالکو اپنے آگے بھیجتے ہیں ہم مال نہیں رکھتے کہ بھیجیں حضرت نے فرمایا کہ میری طرف سے فقرا سے کہو کہ جو فقیر خدا کیلئے صبر کرے تو تین خصلتیں اُسکو حاصل ہوتی ہیں جو مالداروں کو نصیب نہیں ہوتیں (۱) یہہ کہ بہشت میں ایک کھڑکی ہے جسکو اہل بہشت دیکھتے ہیں جیسا کہ اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں اُسمیں کوئی داخل نہیں ہوتا مگر پیغمبر یا فقیر یا مومن فقیر (۲) یہہ کہ پانسو سال پہلے مالداروں کے فقیر داخل بہشت ہوتے ہیں (۳) یہہ کہ جو کوئی مالدار (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ) کہے اور فقیر بھی یہی کلمات کہے تو فقیر کے ثواب کے برابر مالدار کو ثواب نہیں ملتا ہے اگرچہ دس ہزار درہم راہ خدا میں اُسکے ساتھ بخشش کرے ایسا ہی تمام اعمال خیر میں یہہ شخص واپس ہوا اور فقرا سے کہا اُنھوں نے کہا کہ ہم راضی ہوئے مالداری پر فقر کی ترجیح اسیقدر کافی ہے کہ بہترین موجودات و خاتم پیغمبران نے مالداری پر باوجود قدرت کے فقر کو اختیار فرمایا تھا (اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ) فقر میرا فخر ہے فرمایا کہ اے خدا مجھکو فقرا میں محشور کر۔ سید اولیا نے اپنے کو مسکین و فقیر نامزد فرمایا تھا جو فراغت و اطمینان دل فقیر کو حاصل ہے مالدار کو ہرگز میسر نہیں ہے جو چیز مالدار کو ہے وہ راہ خدا میں عطا و بخشش کا ثواب ہے اور معلوم ہے کہ خود صفت فقر کا ثواب اُس سے کم نہیں ہے علاوہ اسکے فقیر کی ہر عبادت کا ثواب مالدار کی عبادت کے ثواب سے جیسا کہ آپنے معلوم کیا بہت بڑا ہوا ہے۔ اگر کوئی دوسری فضیلت فقیر کو مالدار پر نہوتی تو یہی بس ہے کہ قیامت میں قلت محاسبہ و معطلی حساب اُسکو حاصل ہوگی۔

(۲) فقیرِ حریص کہ جسکا دل دُنیا کیطرف مائل ہو وہ بدتر ہے یا مالدارِ حریص جو بخیل ہو؟ یہہ ذکر اُس فقیر کا ہے جو طالبِ حرام نہو اور اُس مالدار کا ہے جو اپنے حقوق کو ادا کرے ورنہ ہر ایک یا دونوں حرام کے مرتکب ہوں تو بدتر ہیں۔ پس کلام اُس فقیر کے بارے میں ہے جسکی حرص حصولِ مال پر بطریقِ مباح ضرورت سے زیادہ ہو اور مالدار بھی ایسا ہی ہو۔

پس بیانِ صدر سے معلوم ہوا کہ مالدار بدتر ہے ایسے فقیر سے اور ایسا فقیر مالدار سے بہتر و افضل ہے

فصل (۴) فقیر اور گدا کا فرق اور سوال کی بُرائی اور اُسکے جواز کا وقت۔

جب فضیلت و فایدۂ فقر کو آپنے معلوم کیا تو ہر گدا کو فقیر نہ جانئے کیونکہ گدا دوسرا شخص ہے اور فقیر دوسرا گدا وہ ہے کہ دنیا نے اُس سے ہاتھ اُٹھایا ہے پس فقیر کے واسطے چند شرائط ہیں اگر فقیر اُنسے متصف ہو تو فضیلت فقر کی اُسکو حاصل ہوگی۔ پس واضح ہو کہ فقیر کو سزاوار یہہ ہے کہ اپنے فقر و تہی دستی پر راضی ہو اور اگر اُس سے کراہت رکھتا ہو تو مثل اُس شخص کے ہو جو حجامت و فصد کو مکروہ سمجھتا ہے لیکن درد کے زائل کرنے کیلئے اُس پر راضی ہو جاتا ہے۔

پس وہ فقیر بھی اسیطرح فقر سے خوشنود رہے اُسکو خدا کی طرف سے جانے اسوجہ سے اُسپر شاد و فرحناک ہو۔ باطن میں خدا پر توکل کرے اور اُسی پر اعتماد و وثوق رکھے۔ یہہ سمجھے کہ خدا بقدرِ ضرورت اُسکو دیتا ہے۔ مال کے حاصل کرنیکی حرص نرکھتا ہو اپنے فقر پر صابر و شاکر ہو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض کیلئے فقر عقوبتِ خداوندی ہے اور بعض کیلئے کرامت اور علامت اُس فقر کی جو کرامت من اللہ ہے یہہ ہے کہ وہ خوش خلق و مطیعِ پروردگار ہوتا ہے! ایسا فقیر اپنے حال کی شکایت نہیں کرتا اپنے فقر پر خدا کا شکر کرتا ہے اور علامت اُسکی جو عقوبت ہے یہہ ہے کہ وہ اُسکو بدخلق کر دیتا ہے وہ پروردگار کا گناہ اور اُسکی شکایت کرتا ہے۔ وہ قضاءِ الٰہی پر راضی نہیں ہوتا اِس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ ہر فقیر کو فقر کا ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ثواب و فضیلت

اُس فقیر کیلئے ہے جو راضی و شاکر ہو مطابق کفاف کے قانع ہو طولِ امل نہ رکھتا ہو لیکن جو کوئی
راضی نہو زیادہ مال کی طرف مائل ہو ذلتِ حرص و طمع میں آلودہ ہو تو طمع و حرص کے ذریعہ سے اُسکے
اخلاق بد ہوجاتے ہیں۔ وہ اُن اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جو طریقۂ اہل مروّت و آبرو کے خلاف ہیں لہذا
اُسکو کوئی ثواب بھی حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ گنہگار ہے پس فقیر کو سزاوار یہہ ہے کہ اظہار استغنا کرے
اور اپنے کاموں کو پوشیدہ کرے۔ حدیثِ نبوی میں وارد ہے کہ جو کوئی اپنے فقر کو پوشیدہ کرے خدائے عالم
اُسکو اُس شخص کا اجر عطا کرتا ہے جس نے تمام دن روزوں میں بسر کئے ہوں اور تمام راتوں کو عبادت کی ہو
نیز فقیر کو سزاوار یہہ ہے کہ اپنے کو مالداروں میں نہ ملائے اُنکے ہم صحبت نہو بسبب مال کے اُنکی تواضع نکرے
بلکہ اُنکے ساتھہ ایسا کرنے سے تکبر کرے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام و حضرتِ خضر میں
ملاقات ہوئی حضرت نے خضر سے پوچھا کہ بہترین اعمال کیا ہے اُنھوں نے کہا کہ خوشنودیِ خدا کیلئے
مالداروں کا فقرا پر بخشش کرنا حضرت نے فرمایا کہ مالداروں پر فقرا کا ازراہِ اعتماد و وثوق خدا ناز و
تکبر کرنا بہتر ہے حضرتِ خضر نے کہا کہ یہہ نکتہ ہے اسکو حور کے صفحۂ رخسار پر نور سے لکھنا چاہئے نیز
فقیر کو چاہئے کہ حق بات کہنے سے مضایقہ نکرے۔ مالداروں سے ازراہِ طمع و مدارات سچی بات کو
نہ چھپائے اور بے اعتنائی نکرے فقر و تہیدستی سے عبادتِ خدا میں سستی نکرے اگر اُسکے قوت سے تھوڑا ہی
بچ رہے تو اُسکو راہِ خدا میں بخشش کر دے اسکو جہدِ مقل کہتے ہیں جو مالدار اپنا بہت سا مال بخشش کرتا ہے
اُس سے اسکا ثواب زیادہ ہے ایکروز حضرتِ رسول صلعم نے فرمایا کہ ایکدرہم کا صدقہ کرنا مقابلہ
سو ہزار درہم کے افضل ہو سکتا ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ یہہ کیونکر فرمایا کہ جو شخص اپنے اُس مال
کے منافع سے جسکے سو ہزار درہم ہوں تصدّق کرتا ہو اور جو مرد سوائے دو درہم کے کوئی چیز نرکھتا ہو
اور اُن دو سے ایک کو راہِ خدا میں دیدے تو اُس ایکدرہم کا بخشش کرنیوالا اُس لاکھ ہزار درہم کے بخشش
کرنیوالے سے افضل ہے نیز فقیر کو اپنی ضرورت سے زیادہ اُٹھا نرکھنا چاہئے اگر کوئی شخص ایک شبانہ روز

سے زیادہ قوت کو ذخیرہ نکرے تو وہ صدیقوں میں سے ہوگا۔ اگر چالیس روز سے زیادہ کی قوت کو ذخیرہ نکرے تو وہ متقیوں میں سے ہوگا۔ اگر ایکسال کے قوت سے زیادہ کا ذخیرہ کرے تو وہ زمرہ فقرا سے خارج اور وہ فضیلت فقر سے محروم ہے جو کسی فقیر کو کوئی ایسی چیز عطا کرے جو حرام مؤبد ہو تو اُسکا رد کرنا واجب اور اُسکا قبول کرنا حرام ہے۔ اگر وہ چیز مشتبہہ ہو تو اُسکا رد کرنا سنت ہے اُسکو قبول نکرے۔ اگر وہ حلال ہو اور بعنوان ہدیہ عطا کیا جائے تو اُسکا قبول کرنا اگر بے منت کے ہو تو مستحب ہے کیونکہ حضرت رسول صلعم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اگر اُسمیں منت ہو تو اُسکا ترک کرنا بہتر ہے اگر بعنوان صدقہ یا زکوۃ یا اسیطرح پر ہو اور وہ فقیر اُسکا مستحق واہل ہو تو اُسکو قبول کرنا چاہئے ورنہ رد کر دے۔ اگر معلوم ہو کہ دینے والے نے اُس فقیر کو جس صفت کا گمان کر کے دیا ہے مثلاً اُسکو سید یا عالم یا سوائے اُنکے جانتا ہے اور فی الحقیقت وہ ویسا نہیں ہے تو اُسکو رد کرنا چاہئے اور اگر بطور ہدیہ کے نہو اور نہ صدقہ ہو بلکہ بسبب شہرت و ریا و خود نمائی کے دیا ہو تو بہتر یہہ ہے کہ قبول نکرے اور رد کر دے بلکہ بعض علما اُسکے قبول کو حرام اور اُسکے رد کرنیکو واجب جانتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے اگر وہ اُسکا محتاج ہو اور وہ ضرورت سے زیادہ نہو تو افضل یہہ ہے کہ اُسکو قبول کرے بشرطیکہ خرابی مذکور الصدر سے بری ہو حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ دینے والے کا ثواب لینے والے سے زیادہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ اُس چیز کا محتاج ہو بلکہ بعض حدیث میں رد کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر ضرورت سے زیادہ ہو اور وہ فقیر راہ آخرت کا طالب ہو تو اُس زیادتی کو رد کرے کیونکہ خدا نے اُسکے لئے بغرض امتحان و آزمائش بھیجا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ کیا کرتا ہے ضرورت کے برخلاف کو بسبب مہربانی و رحمت کے اُسکو عطا کیا ہے پس اُسکے لینے میں ثواب ہے لیکن زیادتی سے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے یا اُسکے حساب میں گرفتار ہوتا ہے پس طالب سعادت کو سزاوار یہہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ کو قبول نکرے کیونکہ نفس نے جسکہ موقع پایا تو عہد و پیمان کو توڑتا ہے اور اُسپر عادت کرتا ہے

بعض مجاورین مکہ نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے چند درہم جمع کر رکھے تھے کہ راہ خدا میں بخشش کریں ایکروز ایک فقیر کو دیکھا کہ طواف سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ کہتا تھا جَائِعٌ كَمَا تَرىٰ عُرْيَانٌ كَمَا تَرىٰ فِيْمَا تَرىٰ فَمَا تَرىٰ يَا مَنْ تَرىٰ مَا لَا تُرىٰ) یعنے اے خدا بھوکا ہوں اور ننگا ہوں جیسا کہ تو دیکھتا ہے پس کیا دیکھتا ہے اس خصوص میں کہ تو دیکھتا ہے اے اُس چیز کے دیکھنے والے جسکو کوئی نہیں دیکھ سکتا پس میں نے دیکھا کہ پرانا لباس بدن پر ہے وہ بھی بدن کو نہیں ڈھانپ سکتا میں نے اپنے دلمیں کہا کہ وہ درہم اسکو دینا چاہئے۔ اُن درہموں کو اُسکے پاس لیگیا تو اُسنے اُن پر نگاہ کی اور پانچ درہم اُٹھائے اور کہا کہ اِن چار درہم کے دو جامے خرید کرونگا اور ایکدرہم راستہ میں خرچ کرونگا باقی کو واپس کیا اور کہا کہ انکی ضرورت نہیں رکھتا ہوں۔ دوسری رات کو اُسکو دیکھا کہ دو جامے نئے پہنے تھا میں اُسکے قریب گیا وہ میری طرف متوجہ ہوا اور میرا ہاتھ پکڑا جب ہم دونوں طواف میں مشغول ہوئے یہانتک کہ سات طواف تمام کئے۔ ہر ایک طواف میں دیکھا کہ ہمارے پاؤں ہر قسم کے جواہر پر تھے پہلے وقت یاقوت پر دوسرے وقت موتی پر تیسرے وقت زمرد پر چوتھے وقت سونے پر راستہ چلتے تھے ہمارے پاؤں اُسمیں ٹخنے تک دھنستے تھے پس اُس مرد نے مجھ سے کہا کہ خدا نے مجھکو یہہ تمام دیا ہے مگر میں نے قبول نہیں کیا میں دوسرے دن طلب کر کے اپنی معاش حاصل کرتا ہوں کیونکہ اِن تمام سے گرانی اور بلا میں گرفتاری ہوتی ہے خلاصہ یہہ کہ ضرورت کے مطابق لینا افضل ہے۔ اور اُس شخص کو جو دیتا ہے اُسکو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثواب کی اعانت کرنا بھی ثواب ہے حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ ہر رات بنی اسرائیل کے پاس افطار کریں اُنھوں نے عرض کیا کہ الٰہی کسواسطے میری روزی تو نے بنی اسرائیل پر متفرق کی ہے کہ ایک شخص صبح کو کھانا کھلائے اور دوسرا شخص شام کو۔ وحی ہوئی کہ میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں اُنکی روزی کو بندگانِ باطل کے پاس مقرر کرتا ہوں تا کہ یہہ لوگ بھی اسوجہ سے ثواب حاصل کریں۔ لیکن ضرورت سے زیادہ کو بہتر یہہ ہے کہ قبول نکرے اگر قبول کیا تو اُسکو فقرا پر بخشش کر دے ایسی صورت

جس زیادہ لینا کوئی ضرر نہیں رکھتا ہے۔ زیادتی کو فوراً فقرا کو بخشش کر دے اٹھا نہ رکھے کہ مبادا نفس کے
فریب میں آجائے۔ چنانچہ ایک گروہ فقرا مالداروں سے مال حاصل کرتے اور وہ سب انکو خیرات کرتے تھے
آخر کار انکے نفس کو شیطان نے فریب دیا انھوں نے اُس مال کو وسیلہ نعمت سمجھا اور ہلاک ہوئے
مومن کو سزاوار ہے کہ جبتک ممکن ہو کسی چیز کی کسی سے خواہش اور سوال نہ کرے کیونکہ یہ خدا کے شکوہ
پر دلالت اور اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور سبب ایذا اُس شخص کا ہوتا ہے جس سے خواہش کیجاتی
ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ خاطر خواہ وہ کوئی چیز نہیں دے سکتا ظاہر کرنیکے بعد اُس سے شرم کرتا ہے یا خجل ہوتا ہے
یا اپنی آبرو کی حفاظت کرتا ہے یا ظاہراً اور ریا سے کوئی چیز دیتا ہے ہاں اسطرح حاصل کرنا مذموم
نہیں ہے جو شرعاً حلال ہو اسی وجہ سے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ سوال کرنا خراب ہے اور فرمایا کہ
جو کوئی اپنی قوت تین روز کی رکھکر سوال کرے قیامت میں خدا سے وہ اُس حالت میں ملاقات کریگا
کہ اُسکے منہ پر کسیقدر بھی گوشت نہوگا اور استخوان ہی استخوان ہونگے فرمایا کہ جو بندہ ایک دروازہ پہ
سوال کرے تو خدا ستّر دروازے فقر کے اُسپر کھولتا ہے پھر فرمایا کہ سوال حلال نہیں ہے مگر اُسحالت
میں جبکہ وہ ہلاکت کو پہنچا ہو یا اُس قرض کی ادائی کیلئے کہ جس سے رسوائی ہوتی ہو ایکروز ایک گروہ
انصار خدمت میں اُس بزرگوار کی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک حاجت ہم آپ سے
رکھتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ بیان کرو عرض کیا کہ حاجت بہت بڑی ہے فرمایا کہو عرض کیا کہ
ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے آپ بہشت کے ضامن ہوں حضرت نے سر مبارک جھکایا بعد ازاں
سر اٹھا کر فرمایا کہ میں ضامن ہوتا ہوں اس شرط سے کہ تم کسی چیز کا مجھ سے بھی سوال نکرو انھوں نے وعدہ
کیا اور وعدہ پر قایم رہے چنانچہ جب اُنکا سفر میں تازیانہ کسی کے ہاتھ سے گرجاتا تو دوسرے اُس
رفیق سے جو پیادہ ہوتا تھا اُس سے سوال نہیں کرتے تھے کہ تازیانہ اٹھا کر دے خود آتے تھے اور
اٹھا لیتے تھے۔ اگر دسترخوان پر بیٹھے تھے اور پانی دوسرے کے نزدیک رہتا تو اُس رفیق سے خواہش

نہیں کرتے تھے کہ اُسکو پانی دے۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی تم میں گٹھا لکڑیوں کا اُٹھاوے اور بیچے اور
اپنی عزت کا خیال رکھے تو سوال کرنے سے بہتر ہے۔ حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے عرفہ
کے روز عرفات میں ایک جماعت سوال کرنیوالی کو ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ یہہ بدترین خلقِ خدا ہیں آدمی
خدا کی طرف متوجہ ہوکر دعا و تضرع کرتے ہیں یہہ لوگ آدمیوں سے متوجہ ہوکر سوال کرتے ہیں حضرت
صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سائل کو معلوم ہو کہ کسقدر خرابی پیدا کرتا ہے تو کوئی کسی سے ہرگز
سوال نکرے گا اگر کوئی جس سے سوال کیا جاتا ہے ردِ سؤال کی خرابی معلوم کریگا تو کسی سائل کے سوال
کو رد نکریگا۔ واضح ہو کہ سوال سے جو منع کیا گیا ہے اُسصورت میں ہے کہ ناچار و مضطر نہو لیکن حالتِ
اضطرار و احتیاج میں اُسکے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے جو کچھہ ترغیب عطاے سائل کی نسبت
ہے اسپر دلالت کرتی ہے کہ خدا تعالی نے فرمایا ہے (وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ) اپنے سے سائل
کو محروم واپس نکرو حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ سائل کو رد نکرو اور کوئی چیز اُنکو دو اگرچہ کہ وہ نصف
خرما ہو پھر فرمایا کہ سائل کو سوال کا ایک حق ہے اگرچہ کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو۔ پھر فرمایا کہ سائل کو رد نکرو
اگرچہ کہ جلا ہوا سُم ہو۔
واضح ہو کہ احتیاج آدمی کی چند قسم پر ہے ایک یہہ کہ بحد پریشان ہو مثلاً بھوک جس سے ہلاکت واقع ہوتی ہو
اور بے لباسی جس سے بدن نہ ڈہانپا جاتا ہو سردی و گرمی سے خوف تلف ہونیکا ہو۔
دوسرا یہہ کہ اس حدتک نہ پہنچا ہو لیکن اُسکی ضرورت بہت ہو مثلاً بالاپوش یعنے شیروانی کی اُس شخص کو
ضرورت ہوتی ہے جو جاڑے میں سردی کی تکلیف اُٹھائے اگرچہ ضرورت کی حدتک نہ پہنچا ہو یا مثلاً گاڑی
کے کرایہ کی ضرورت اُس شخص کو جو تکلیف اُٹھاکر پیادہ پا منزل پر پہنچ سکتا ہے۔
تیسرے یہہ کہ احتیاجِ جزئی رکھتا ہو اور اُسکی اہتمام کی چنداں ضرورت نہو جیسے کہ روٹی موجود ہو مگر
سالن موجود نہو ظاہر یہہ ہے کہ یہہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں اور حرام نہیں ہیں لیکن پہلی صورت

سوال راجح ہے۔ دوسری مباح ہے تیسری مکروہ بشرطیکہ شکوہ خدا اور اپنی ذلت اور دوسروں کی تکلیف کی حد تک نہو اور بہتر یہہ ہے کہ اپنی ضرورت کا اظہار کنایتاً کرے صراحت سے نکرے اپنے دوستوں سے اور اُس شخص سے جو کوئی جود و سخاوت میں مشہور ہو اظہار کرے بلکہ بہتر یہہ ہے کہ ایک ہی معین آدمی سے خواہش نکرے۔ اگر شخص معین سے تمام آدمیوں میں طلب کرے تو اُس سے کوئی چیز معین نہ طلب کرے اُسکی خواہش کے ساتھہ صراحت بھی نکرے بلکہ قسم بیان کرے اگر وہ ندینا چاہے تو عذر نافہمی کا کر سکتا ہے اگر سوائے بیان صدر کے سوال کیا جائے اور وہ شخص حیا و خجالت یا خوف ملامت سے کوئی چیز دے تو وہ حرام ہوگی۔ یہہ جو کچھہ بیان کیا گیا اُس صورت میں ہے کہ اُسکو اُسیوقت اُسکی ضرورت ہو لیکن سوال کرنا ایسی چیز کا جسکی بالفعل ضرورت نہیں ہے من بعد ضرورت واقع ہوگی جیسا کہ ایکسال تک اُسکی ضرورت نہو اور بعد سال کے اُسکی ضرورت ہو تو کوئی شک اُسکے سوال کی حرمت میں نہیں ہے اگر مدت سال میں اُسکی ضرورت ہو تو ظاہر یہہ ہے کہ اُسکا سوال کرنا مباح ہے لیکن اگر جانتا ہو کہ ضرورت کے وقت بھی سوال کرنے سے وہ شئے ہمدست ہو سکتی ہے تو بہتر یہہ ہے کہ بالفعل سوال نکرے ضرورت کے وقت کا انتظار کرے اور بعض نے زمانہ ضرورت کے قبل سوال کرنیکو حرام جانا ہے جسقدر ضرورت کا زمانہ دور ہو اُسیقدر سوال کرنا سخت کراہت رکھتا ہے ہر بندہ کو چاہئے کہ اپنے نفس کا مجتہد ہو اور ضرورت کے وقت کو ملاحظہ کرے اور خدا کے وثوق کو ہاتھہ سے نہ دے پس ایسا جو اپنے کو بلندی عزت و مرتبہ توکل و اعتماد خدا سے بمقام ذلت و خوف و اضطراب میں ڈالتے ہیں شیطان لعین کے ڈرانیکو نہ سُنئے ﴿فَإِنَّهُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾ تمکو شیطان فقر سے ڈراتا ہے اعمال خراب کا حکم دیتا ہے وعدۂ پروردگار پر اطمینان رکھئے ﴿وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً وَفَضْلًا﴾ خدا وعدۂ بخشش و فضل تمکو دیتا ہے جبتک ہو سکتا ہے اپنے مقابل والوں کے سامنے ہاتھہ دراز نکیجئے۔

لئیمانِ روزگار کے آگے روٹی کے ایک ٹکڑے کے واسطے اپنی عزت کو ضائع نکیجئے ہاں جسنے لذت کو آبرو کی نہیں پایا اپنی شکم پروری کی عادت کی وہ ہر کسی کے دروازے پہ دوڑتا ہے کہ شکم پلید کو پرورش کرے اگر قناعت کرتا تو کسواسطے دوسرے کا دست نگر ہوتا اپنی سوکھی روٹی اور پیاز دوسرے کی بریانی سے ہزار درجہ بہتر ہے

تیسری صفت حرص اور اُسکی مذمت

صفت حرص کے متعلق قوت شہویہ ہے وہ ایک ایسی صفت نفسانیہ ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد ہر ایک چیز کو جمع کرتا ہے یہ صفت حُبِ دنیا کی ایک شاخ ہے جو تمام صفات مہلکہ و اخلاق بد میں سے ہے بلکہ یہہ صفت بیک بیابان وسیع ہے جس طرف اس میں جائیں اسکے آخر کو نہ پائیں جو بیچارہ اسمیں گرفتار ہوا وہ گمراہ و ہلاک ہوا جو سکین اس جنگل میں آیا دوسرے وقت اسکو خلاصی نہیں ہوئی کیونکہ حریص کی حرص کسیطرح انتہا کو نہیں پہنچتی اور ایک حد پر قائم نہیں رہتی وہ اگر دنیا کے اموال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرے تو پھر بھی باقی کے حاصل کرنیکی فکر میں رہتا ہے جو کچھ ہاتھ آئے پھر طلب کرتا ہے وہ بیچارہ بیمار ہے مگر نہیں سمجھتا ہے۔ وہ احمق ہے مگر نہیں جانتا ہے کیونکر ایسا نہو حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ حریص کی ستر سال کی عمر ہوا اور کوئی فرزند نہو اور اسقدر اموال و املاک و آمدنی رکھتا ہو کہ اگر فراغت سے زندگی بسر کرے تو اور سو سال تک اسکو کافی ہو سکتا ہے پھر بھی یقین رکھتا ہے کہ اور بیس سال سے زیادہ اُسکی عمر نہیں ہے لیکن اسپر بھی مال کی زیادتی کی کوشش کرتا ہے اور غور نہیں کرتا کہ اِسکا کیا فائدہ ہے اور کیا ثمرہ۔ اگر خرچ کیلئے ہے تو اسکا منافع مدت العمر کے خرچ کو کافی ہے اگر احتیاطاً ہے تو جو کچھ وہ رکھتا ہے اور جو کچھ کہ حاصل کرتا ہے اُسپر احتمالِ تلف ہے اگر یہہ مرض یا حماقت نہیں ہے تو کیا بلا ہے جو کوئی اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے اُسکی رہائی اُس سے نہایت مشکل ہے اسیوجہ سے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ جب آدمی کو خانہ طلاء کی دو ندیاں ملجائیں تو تیسری ندی کی طلب رہتی ہے اب اُسکے شکم کو کوئی چیز سوائے مٹی کے نہیں بھر سکتی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کا حرص کرنیوالا مثل ریشم کے کیڑے کے ہے جسقدر اپنے اطراف دور کرتا ہے اُسیقدر اُسکی خلاصی

نہیں ہوسکتی یہانتک کہ غصہ سے مرجاتا ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ عجیب بات یہہ ہے کہ اگر آدمی کو مطلع کریں کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہیگا تو وہ مال جمع کرنیکی حرص نکریگا لیکن جبکہ یہہ جانتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ تک اسے دنیا میں زندہ رہنا ہے تو اُسکے جمع کرنیکی کوشش میں رہتا ہے غور کیا جائے تو ہر کسی پر یہہ ظاہر و روشن ہو جاتا ہے۔

فصل (۱) قناعت اور اُسکی فضیلت

صفتِ حرص کی ضد ملکۂ قناعت ہے اور وہ ایک حالت ہے نفس کی کہ جسکے باعث بقدر ضرورت وحاجت آدمی اکتفا کرتا ہے اور مال فضول کے حاصل کرنیکی زحمت نہیں اُٹھاتا یہہ صفت اعلیٰ ترین صفاتِ فاضلہ واخلاقِ حسنہ ہے اور تمام فضائل اسی سے متعلّق ہیں بلکہ دنیا وآخرت کی راحت اسی میں ہے صفت قناعت کی ایک کیمیا ہے جو آدمی کو مقصد پر پہنچاتا ہے سعادتِ ابدی کی طرف لیجاتا ہے کیونکہ جو کوئی ضرورت کے مطابق قناعت کرے اُسکا دل زیادتی میں مشغول نہیں ہوتا وہ ہمیشہ فارغ البال ومطمئن ہے اُسکے حواس قائم اور حصولِ آخرت اُسکو سہل وآسان ہے اور جو شخص اس صفت سے محروم اور حرص وطمع وطولِ امل میں مشغول رہتا ہے وہ دنیا پر مائل رہتا ہے اسلئے اُسکا دل پریشان اور اُسکے کام متفرق ہوتے ہیں پس باوجود اسکے کیونکر وہ تحصیل آخرت کرسکتا ہے۔ درجۂ اخیار وابرار پر پہنچ سکتا ہے اسیوجہ سے قناعت کی تعریف میں اخبار بیشمار آئے ہیں حضرتِ رسول صلعم سے مروی ہے کہ خوشا بحال اُسکا کہ جس نے دینِ اسلام کی ہدایت پائی ہو ضرورت کے مطابق اُسکو ملے تو وہ اُسپر قناعت کرے فرمایا کہ آدمی دنیا کی طلب میں زیادہ کوشش نکرے کیونکہ کسیکو مقدر سے زیادہ نہیں ملتا اور کوئی شخص دنیا سے نہیں جاتا ہے جبکو مقدر کے مطابق حاصل نہوا ہو حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ اے فرزند آدم اگر تمام دنیا تیری ہو تو بھی تیرے قوت سے زیادہ تجھکو نہیں ملتا پس جو کچھہ تیرے قوت کے مطابق تجھکو دیتا ہوں اُسکا حساب دوسروں سے لیتا ہوں تجھپر یہہ احسان ہے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام

نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ کون شخص زیادہ غنی ہے فرمایا کہ جو کوئی زیادہ قناعت کرنیوالا ہو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی فرزند آدم اگر دنیا سے اسقدر طالب ہو کہ کفایت کرے تو تھوڑی چیز اُسکو سیر کرتی ہے اور اگر وہ کفایت سے زیادہ طلب کرتا ہے جو تمام دنیا کی چیزیں اُسکو کافی نہیں ہوسکتیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو چیز اپنے سے بلند زیادہ ہو اُسپر اپنی آنکھ نہ ڈالو اُسپر نگاہ نکرو پیغمبر خدا کی معیشت پر نظر کرو آپکی خوراک جو آپکی شیرینی تمر تھی آپکے جلانیکی لکڑی پوست درخت خرمہ تھی جو بہمرست ہوتی حضرت سے مروی ہے کہ خدا نے جو کچھ دیا ہے اُسپر جو کوئی قناعت کرے وہ غنی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی تھوڑی معاش پر خدا سے راضی رہتا ہے خدا بھی اُسکے تھوڑے عمل پر راضی ہوتا ہے اُس حضرت سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب کسی بندہ مومن کو تنگدست کرتا ہوں تو وہ غمگین ہوتا ہے حالانکہ یہی تنگدستی اُسے مجھ سے قریب کرتی ہے جب کسیکی معاش کو وسعت دیتا ہوں تو فرحناک ہوتا ہے حالانکہ یہی وسعت اُسکو مجھ سے دور کرتی ہے فرمایا کہ جسقدر ایمان بندہ کا زیادہ ہوتا ہے اُسیقدر اُسکی معاش میں تنگی ہوتی ہے فضیلت قناعت میں بے حد وحساب اخبار آئے ہیں یہی خبر مشہور کافی ہے (عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَ ذَلَّ مَنْ طَمِعَ) جسنے قناعت کی اُسکو عزت حاصل ہوئی جسنے طمع کی اُسنے ذلت اُٹھائی۔

فصل (۲)

مرض حرص کا معالجہ اور قناعت کی تحصیل کا طریقہ۔

مرض حرص کے زائل کرنے اور صفت قناعت کے حاصل کرنیکا طریقہ یہہ ہے کہ ابتدا تو مال کے جمع کرنیکی زحمت و تکلیف و آفات دنیویہ پر جو حادثات اُسکے بعد واقع ہوتے ہیں اُن پر تامل کرے ضرورت سے زیادہ دنیا کا حاصل کرنا کیا نتیجہ اور کیا فائدہ رکھتا ہے اگر آپ اولاد کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں تو معلوم کیجئے کہ آپکا اور آپکی اولاد کا خدا ایک ہے جس نے آپکو روزی دی ہے اُسکو بھی وہ دیگا آپ اپنے اُس فرزند کا غم کھاتے ہیں جو آپکے نطفہ سے حاصل ہوا جس نے اُسکو پیدا کیا ہے

اُسکا غم کسطرح اُسکو نہوگا وہ آپ سے زیادہ مہربان ہے آپکی قدرت سے اُسکی قدرت زیادہ
ہے اگر آپکا فرزند ایسا ہو جسکو تنگی سے گذارنا چاہئے تو آپ تمام عالم اُسکے لئے چھوڑ جائیں تو بھی
وہ اُسکے ہاتھ سے نکل جائیگا اے صاحبو فرزند کو مال کی احتیاج اُسکی حیات میں ہوتی ہے جبکہ
آپ اُسکی عمر کا علاج نہیں کرسکتے ہیں اور تھوڑی زندگی اُسکے لئے ذخیرہ نہیں کرسکتے ہیں تو
کسواسطے اُسکی روزی کی فکر میں زحمت اُٹھاتے ہیں تھوڑی دیر زانوے فکر پر سر رکھئے اور
زمانہ کی حالت پر نظر ڈالئے اور غور کیجئے کہ اس زمانہ میں کسقدر ایسے اشخاص صاحب ثروت
و دولت وجاہ وحشمت ہیں کہ جنکے باپ نے اُنکے لئے کوئی ذخیرہ نہیں کیا اور کسقدر ایسے اشخاص
پائے جاتے ہیں کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں حالانکہ بہت سا مال اُنکے باپ نے اُنکے لئے چھوڑا بہت
سے مکانات بنائے وہ دوسرے شہروں میں حالت خراب میں مرگئے بہت سے گاؤں اور زراعت
جنکے لئے چھوڑے گئے اُنھوں نے ایک روٹی کیلئے دوسرے شہر میں فاقوں سے جان دی آنکو حادث
زمانہ کی کیا خبر اور گردشِ افلاک سے کیا اطلاع ہے کہ چند روز میں عالم کی کیا حالت ہوگی
اگر آپ اپنے واسطے مال جمع کرتے ہیں تو پہلے اپنی عمر کو معیّن کیجئے کیا آپ جانسکتے ہیں آیا نام ایکسال
میں مردوں کے دفتر میں لکھا جائیگا یا زندونکے جب آپ ایکسال کا قوت رکھتے ہیں تو اُسپر اکتفا کیجئے۔
اپنے حساب کو زیادہ نہ کیجئے علاوہ اُسکے اسپر بھی تامل کیجئے کہ جسوقت میں مال کافی ہوجائے تو پھر اُسکے
جمع کرنیکی کوشش نکیجئے جو کچھ جمع کیا جاتا ہے تو پھر اُسکے زیادتی کی فکر رہتی ہے پس اِسمرتبہ قناعت
کیجئے اور تمام زحمتوں سے فارغ ہوجائیے جب آپنے غور کیا تو آدمیونکی حالت پر نظر کیجئے اور پیغمبران
مرسل و اولیا و بزرگانِ دین کے طریقہ کو ملاحظہ کیجئے کہ اُنھوں نے کیونکر تھوڑی سی دنیا پر اکتفا و قناعت
فرمائی ہے ضرورت سے زیادہ کو جمع نہیں کیا مشرکین و کفار و ہنود و نصاری و اراذل کے شیوہ
کو ملاحظہ کیجئے کہ کیونکر مال جمع کرتے ہیں پونجی اور املاک کو زیادہ کرتے ہیں بلکہ جو کوئی تھوڑا سعی

رکھتا ہو تو جانتا ہے کہ جو کوئی لذتہاے دنیویہ مثلاً اکل و شرب و حظ نفس کی حرص رکھتا ہے وہ
دائرۂ انسان سے خارج اور زمرۂ بہائم میں داخل ہے کیونکہ یہہ لوازمات بہائم اور چارپایوں کے
ہیں جو کوئی انہیں مرتبۂ اعلی کو پہنچتا ہے اُسکی لذت چارپایوں سے زیادہ نہیں حریص اور شکم پرست
بیل اور گدھے کے مانند ہے پس ظاہر ہے کہ ایسی صفت کیا اثر رکھتی ہے لہذا قناعت کی عزت
و فارغ البالی پر غور کیجئے حرص کے معالجہ میں کوشش کیجئے ۞ اسکا طریقہ یہہ ہے کہ اپنی امر معیشت
میں میانہ روی حاصل کیجئے ۞ جسقدر ممکن ہو خرچ کو بند کیجئے ۞ اپنے خرچ کے جزو و کل کو ملاحظہ
کیجئے جو کچھ ضروری معیشت بغیر اُسکے ممکن ہو اُسکو چھوڑ دیجئے کیونکہ باوجود زیادتی خرچ کے قناعت
ممکن نہیں ہے ۞ اگر تنہا ہیں تو ایک جامہ پر اکتفا اور جو غذا ملجائے اُسپر قناعت کیجئے ایک روٹی
سے زیادہ نہ کھائیے ایسا ہی باقی اور چیزوں میں جنکی ضرورت ہے اُنکو اس طریقہ پر رکھئے کہ عادت و
ملکہ حاصل ہو ۔ اگر صاحب عیال ہوں تو ہر ایک کو اسیطرح پر رکھئے تھوڑا تھوڑا خرچ جو جانتے ہیں
کیجئے جنپر زندگانی موقوف نہیں ہے اُنکو چھوڑ دیجئے جو کوئی اس طریقہ کو اختیار کریگا اور اپنے کاموں
کو اسطرح پر بنا رکھیگا اور قناعت کو اپنا پیشہ بنائیگا تو گذران میں اُسکو کوئی تکلیف واقع نہوگی ایسا
شخص صاحب عیال ہونے پر بھی خلق کا محتاج نہیں ہوتا ہے اس خصوص میں اخبار بصراحت آئے
ہیں حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ وہ محتاج نہوا جسنے میانہ روی کو اختیار کیا فرمایا کہ اپنے کام کی تدبیر آدھی
معیشت ہے اور فرمایا کہ جو کوئی قناعت کرتا ہے خدا اُسکو بے نیاز کرتا ہے جو کوئی اسراف کرتا ہے
خدا اُسکو فقیر کرتا ہے ۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جسنے قناعت کی بنا ڈالی وہ آدمیوں کی ضرورت سے
بچ جاتا ہے ہر کسی کی خوشامد سے فارغ ہوتا ہے وہ خالق و خلق کے درمیان عزیز ہوتا ہے انھیں حضرت سے
مروی ہے کہ میانہ روی خاموشی بجا رہنمائی نیک اجزاے نبوت میں سے ایک جزو ہے حضرت صادق
علیہ السلام سے مروی ہے کہ میانہ روی کو خدا دوست رکھتا ہے اور فضول خرچی کو خدا دشمن

یہانتک کہ خرمہ کی گٹھلی کو دور پھینکنا بھی اسراف ہے کیونکہ وہ بھی وقت پر کام آتی ہے یہانتک کہ پینے سے بچا ہوا پانی پھینکنا بھی اسراف میں داخل ہے فرمایا کہ میں اُسکا ضامن ہوں جو میانہ روی اختیار کرے وہ ہرگز فقیر نہوگا اور جبکہ بالفعل اُسکی معیشت درست ہوگئی تو آیندہ کیلئے وہ مضطر نہو بلکہ خدا کے فضل و کرم پر اعتماد کرے اور جانے کہ جو روزی اُسکے لئے مقرر کیگئی ہے اُسکو ملیگی اگرچہ کہ وہ حرص نکرے اور اپنی آمدنی کو نہ جانے کیونکر ایسا نہو حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے (وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا) یعنے کوئی جاندار نہیں ہے جسکا رزق خدا پر نہو پھر فرماتا ہے (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) یعنے جو کوئی پرہیزگاری کرتا ہے خدا اُسکو ہر ایک غم سے بچا دیتا ہے اُسکی روزی اُس جگہ سے پہنچاتا ہے جسکا گمان نرکھتا ہو ہر ایک شخص اپنے سے بلند رتبے والے کی معیشت پر نگاہ نکرے بلکہ اپنے سے پست مرتبہ والے پر نظر کرے اور شیطان کی اطاعت نکرے کیونکہ وہ ہر کسی کی نظر کو دنیا میں اپنے سے بلند رتبہ والے پر ڈالتا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ فلاں کو دیکھ کہ کیونکر نعمت حاصل کی ہے اور کیسے کیسے عمدہ کھانے کھاتا ہے اور کیسا لباس عمدہ پہنتا ہے اپنے کو اُنسے پست مرتبہ والا نکر۔ دنیا کی طلب میں سستی نکر اور دین کے کام میں اپنے سے پست درجہ والے پر نگاہ ڈلواتا ہے اور کہتا ہے کہ کسواسطے اپنے کو زحمت دیتا ہے اور سختی کھینچتا ہے اور اسقدر خدا سے ڈرتا ہے دیکھ فلاں فلاں تجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس قدر نہیں ڈرتے

چوتھی صفت طمع اور اُسکی برائی میں

واضح ہو کہ دوسرے کے مال میں امید رکھنے کو طمع کہتے ہیں وہ ایک محبت دنیا ہے جو رذائل مہلکہ و صفات خبیثہ میں سے ہے حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز طمع نکر کیونکہ وہ فقر حاضر ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جسکا مثل و نظیر ہونا چاہتا ہے تو اُس سے استغنا کر اور جسکا بندہ و اسیر ہونا چاہتا ہے تو اُس سے طمع رکھ

اور جسے بزرگی چاہتا ہے اُسکے ساتھ احسان کر طمع کرنیوالے کی بندگی و خادمی ظاہر ہے جیسا کہ
دیکھا جاتا ہے کہ صاحبانِ ہمت اور بلند طبیعت نہ بادشاہ کی خوشامد کرتے ہیں نہ کسی امیر سے تملّق
کرتے ہیں نہ وزیر سے لیکن طمع کرنیوالے صاحبانِ جاہ و دولت کی خدمت میں دوڑتے
ہیں اہلِ دنیا کے سامنے ہاتھ باندھے رہتے ہیں اگر کوئی خدمت ملجائے تو اُسکی سرانجامی اور حصولِ
مال کی کوشش میں کبھی آرام نہیں لیتے۔ یہہ خادمی و بندگی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ ایک شخص نے
دو لڑکوں کو راستہ میں دیکھا کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک روٹی ہے مگر ایک لڑکا اپنی روٹی پر تھوڑا
شہد رکھتا ہے جب دوسرے نے اُس سے شہد مانگا تو اُس نے کہا کہ تو میرا کتا بن کہ تجھکو شہد دوں
اُس نے جواب دیا کہ میں تیرا کتا بنا۔ وہ لڑکا جو شہد رکھتا تھا اُسنے ایک ڈوری اُسکے منہ میں دی وہ اُسے
دانتوں میں پکڑ کر اُسکے پیچھے دوڑتا تھا اور کتے کی آواز کرتا تھا۔ اگر وہ لڑکا اپنی روٹی پر قناعت کرتا تو کیوں
اُسکا کتا ہوتا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بندہ بہت خراب ہے جو طامع ہو جسکو طمع
ہر ایک مکان پر اُسکو لیجاتی ہے اور وہ بندہ خراب ہے جو ایسی خواہش رکھے جسکے سبب سے ذلت حاصل ہوتی
ہے۔ مذمت میں طمع کے اخبار و آثار بیحد و بیشمار ہیں۔ اسیقدر اُسکی مذمت میں کافی ہے کہ طمع کرنیوالا ذلیل
و خوار اور دوسروں کی نظر میں خفیف و بے اعتبار ہوتا ہے ایک روٹی کے ٹکڑے کے واسطے اُسکے دروازے
جاتا ہے درہم و دینار کیلئے اُسکے گھر پر دوڑتا ہے کبھی اپنے کو کسی نالائق کا بندہ بناتا ہے کہ اُسکا بچا ہوا کھائے
کبھی اپنے کو کسی کمینہ کا غلام بناتا ہے کہ اُس سے کوئی چیز حاصل کرے جھوٹی خوشامد سے جھوٹ کہتا ہے
اور ہزاروں باتیں بناتا ہے کہ کسی چیز کی سرفرازی ہو کسی کافر کو سجدہ کرتا ہے کہ سرفراز ہو کسی فاسق کے
آگے کمر خدمت باندھتا ہے کہ ممتاز ہو عجب ذلت و حقارت ہے۔ ایسا شخص مثل اُسکے ہے جسنے حصولِ مال
کیلئے طمع کو اپنا پیشہ بنایا ہو کہ جسطرح سے ممکن ہو کوئی چیز حاصل کرے یہہ دہقان کی اُس عورت کے مانند ہے
جسنے ایک پیراہن پہنا ہو اور دوسرا کوئی لباس نہ رکھتی ہو کہ کوئی نامحرم سامنے آجائے تو اپنے پیراہن کے دامن کو

اُٹھائے اور مُنہ کو پوشیدہ کرے اور یہہ نہ جانتی ہو کہ اگر مُنہ ڈہانپا جائیگا تو کوئی اور چیز ظاہر ہو گی۔ طمع کرنیوالا زیادتی تحصیلِ اموال میں اپنے کو خوار و ذلیل کرتا ہے اور اپنے کو ان اشخاص سے بلند رتبہ والا سمجھتا ہے جو نفس کو روکنے والے ہیں اور ہمت بلند رکھتے ہیں اور زیادتی مالِ دنیا کیلئے ہر کسی کے دروازے پر نہیں جاتے اور اپنی روٹی کو دوسروں کی طرح طرح کی نعمت سے بہتر جانتے ہیں۔ جامۂ بہتر کی طمع میں اپنی عزت کو خراب نہیں کرتے ہیں طمع کرنیوالے کا بھروسہ آدمیوں پر بہ نسبت خدا کے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اگر اُسکا بھروسہ خدا پر زیادہ ہوتا تو سوائے اُسکے دوسرے سے طمع نہ رکھتا۔ یہہ مذمت تمام مذمتوں سے بڑہی ہوئی ہے۔ ایکروز ایک درویش تنگدست ایک مالدار کے دروازے پر گیا اور کہا کہ سُنا ہے تو نے راہِ خدا میں کوئی مال درویشوں کو دینے کیلئے نذر کر رکھا ہے میں بھی درویش ہوں ہ خواجہ نے کہا کہ میں نے اندہوں کیلئے نذر کیا ہے تو اندہا نہیں ہے۔ درویش نے کہا کہ اے خواجہ حقیقت میں اندہا میں ہوں کہ درگاہِ خدا کو چھوڑ کر تیرے دروازے پر گدائی کیلئے آیا ہوں یہہ کہا اور واپس ہو گیا خواجہ پر اِس بات نے اثر کیا اُسکے پیچھے دوڑا ہر چند کوشش کی کہ کوئی چیز اُسکو دے مگر اُسنے قبول نہیں کیا سچ ہے کہ جب کوئی درگاہِ خدا سے مُنہ پلٹائے تو کیونکر وہ اندہا نہو گا۔ جو کوئی اُسکی درگاہ کو بھولگیا ہو کیونکر وہ بہرا نہو گا حالانکہ آیۂ کریمہ (اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ) کو کیا نہیں سُنا ہے۔ یعنے آیا خدا اپنے بندے کیواسطے کافی نہیں ہے۔ اگر سُنا ہو اور باور نکیا ہو تو کافرِ مطلق ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔

فصل (۱)

استغنائی و بے طمعی کی شرافت

طمع کی ضد صفتِ استغنا و بے نیازی ہے۔ یہہ وہ فضیلت ہے کہ جسکے باعث قربِ پروردگار حاصل ہوتا ہے کیونکہ جو کوئی سوائے خدا کے دوسروں سے طمع نہیں کرتا تو اُسکو خدا دوست رکھتا ہے غنائے حقیقی سے مراد یہہ ہے جیسا کہ سیدِ رسل صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مال زیادہ رکھتا ہو تو وہ غنی نہیں ہے بلکہ غنی وہ ہے جسکا نفس

بے نیاز ہو یہہ ظاہر ہے کہ سوال و احتیاج بُری چیز ہے خواہ کوئی خیر رکھتا یا نہ رکھتا ہو بلکہ خیر رکھنے کی صورت میں اور زیادہ بد ہے ایک اعرابی نے حضرت پیغمبر صلعم سے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ تو نماز پڑہتا ہے تو اسطرح نماز پڑہ کہ دنیا کو رخصت کرتا ہو کیونکہ تو کیا سمجھ سکتا ہے کہ دوسری نماز تک زندہ رہیگا ایسی بات کہہ کہ جسکا عذر نکیا جائے اور جو کچھ دوسروں کے اختیار میں ہے اُس سے مایوس رہ حضرت سید السّاجدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ آدمیوں سے طمع نرکھنے میں بہت سی خوبیاں ہیں جو کوئی کسی سے امید نرکھتا ہو اور اپنے کاموں کو خدا پر چھوڑ دے تو اُسکے تمام کام پورے ہوتے ہیں حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ شرف و بزرگی مومن کی رات کی بیداری میں ہے اُسکی عزت آدمیوں سے استغنا و بے نیازی میں ہے فرمایا کہ تین ۳ چیز فخر مومن اور دنیا و آخرت میں اُسکی زینت ہیں (۱) عبادت میں شب بیداری کرنا (۲) دوسروں کے جو اختیار میں ہو اُس سے مایوس رہنا۔ (۳) جو امام آلِ محمد صلعم ہو اُس سے محبت و دوستی رکھنا۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی خدا سے طلب کرتا ہے تو خدا اُسکو عطا کرتا ہے وہ تمام آدمیوں سے نا امید ہوتا ہے سوائے خدا کے کسی سے امید نہیں رکھتا ہے جب خدا اُسکو اسطرح پاتا ہے تو اُسکو ہر ایک چیز دیتا ہے

پانچویں صفت بخل کی مذمت جس میں چار فصلیں ہیں۔

واضح ہو کہ جس مقام میں جسقدر بخشش کرنا چاہئے اُسمیں کوتاہی کیجائے یا اُسقدر نہ دیا جائے تو اُسکو بخل کہتے ہیں یہہ مقامِ تفریط ہے اُسکی افراط اسراف ہے یعنے جسقدر خرچ کرنا چاہئے اُسقدر خرچ کریں تو اُسکو اسراف کہتے ہیں انکا ہر دو جانب مذموم انکا اوسط صفت جود و سخا ہے جو پسندیدہ و نیک ہے صفتِ بخل محبتِ دنیا کا نتیجہ و ثمرہ ہے یہہ صفت بخل صفات خبیثہ و اخلاق رذیلہ میں سے ہے خدا تعالی فرماتا ہے (وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا

بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ) خلاصۂ معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جنھیں خداوند عالم نے اپنے فضل سے مال عطا فرمایا ہے
اسمیں بخل کرنیکو اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ نہایت ہی بد ہے اور یہی مال جسکے بارے میں اسقدر بخل کیا جاتا ہے
روز قیامت انکے گلے میں طوق بنا کر ڈالدیا جائیگا۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہرگز بخالت نکرو
جو لوگ تمھارے قبل ہوئے ہیں اس بخل نے انھیں ہلاک کیا وہ اسی کے سبب سے ایکدوسرے کے
خون کے پیاسے ہوگئے اور جو شئے انکے لئے حرام تھی اسکو حلال سمجھے۔ انھیں حضرت سے مروی ہے کہ
بخیل بہشت سے دور اور دوزخ سے نزدیک ہے خدا کے نزدیک جاہل سخی عابد بخیل سے زیادہ
محبوب ہے۔ فرمایا کہ بخل ایکدرخت ہے کہ جسکی جڑ درختِ زقوم میں ملی ہوئی ہے اور بعض اس کی
ڈالیاں دنیا میں لٹکتی ہیں جو کوئی اسکی ڈالی پر ہاتھ مارتا ہے تو گویا اپنے کو دوزخ کی آگ میں داخل
کرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ بخل کفر سے پیدا ہوتا ہے اور عاقبت کفر دوزخ ہے۔ نیز اس سرور سے مروی ہے
کہ ممکن ہے تم میں سے کوئی کہے کہ بخیل سے ظالم بہتر ہے مگر خدا کے نزدیک بخل سے بڑھکر کونسا ظلم ہوسکتا
ہے۔ وہ اپنی عزت و جلالت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بخیل ہرگز داخل بہشت نہوگا۔ ایک شخص جہاد میں
آنحضرت کے ہمراہ مارا گیا اسکی عورت گریہ کرتی تھی اور واے شہیدا کہتی تھی حضرت نے فرمایا کہ
تو کیا جانتی ہے کہ وہ شہید ہے ممکن ہے کہ بیفائدہ باتیں کرتا ہو یا بخیل ہو۔ ایکروز اس بزرگوار نے
ایکمرد کو دیکھا کہ کعبہ کے پردہ کو پکڑکر کہتا ہے کہ اے خدا اس گھر کی حرمت کا واسطہ میرے گناہ کو بخشدے
حضرت نے دریافت فرمایا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے عرض کیا کہ میرا بڑا گناہ ہے کیا عرض کروں۔ فرمایا
کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین۔ اس نے عرض کیا کہ میرا گناہ۔ پھر فرمایا کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا دنیا کے پہاڑ۔ اس نے
کہا کہ میرا گناہ۔ پھر فرمایا کہ گناہ بڑا ہے یا عرش اسنے کہا کہ میرا گناہ۔ پھر فرمایا کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا خدا۔ اسنے
عرض کیا کہ خدا بہت بڑا اور اعلیٰ ہے پھر حضرت نے فرمایا کہ اپنا گناہ بیان کر۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ
میں صاحب ثروت ہوں جب کوئی فقیر آتا ہے اور مجھ سے کسی چیز کا طالب ہوتا ہے گویا ایک شعلہ

آگ کا میرے منہ کی طرف لپکتا ہے حضرت نے فرمایا کہ دور ہو اور مجھکو اپنی آگ سے نہ جلا اُس خدا کی قسم ہے جسنے مجھکو ہدایت و کرامت کیلئے پیدا کیا ہے کہ اگر درمیانِ رکن و مقام کھڑے رہکر دو ہزار سال نماز پڑھے اور اسقدر گریہ کرے کہ تیری آنکھوں سے نہریں جاری ہوں جس سے درخت سرسبز ہوں اور اُسی حالت میں مرجائے تو بھی لئیم ہوگا اور خدا تجھکو جہنم میں اوندھا ڈالیگا مروی ہے کہ دو فرشتے ہیں کہ ہر صبح کو ندا کرتے ہیں کہ خداوندا بخیل کے مال کو تلف کر جو کوئی تیری راہ میں بخشش کرتا ہے اُسکا عوض اُسکو کرامت کر صفتِ بخل کی مذمت میں اخبار بہت آئے ہیں جسکی انتہا و شمار نہیں ہے حتیٰ یہہ کہ تجربہ ہوا ہے کہ بخیل کو دیکھنے سے دلکو آزردگی و تیرگی حاصل ہوتی ہے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی لئیم و بخیل ہے وہ نظروں میں خوار و ذلیل ہے جیسا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بخالت بخیل کو حقیر و بعید کرتی ہے بخالت سے آدمی کی ناموس و آبرو برباد و فنا ہوتی ہے بلکہ آنحضرت نے اُسکی صراحت فرمائی ہے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ بخیل کی اولاد اُسکے ساتھ دشمنی رکھتی ہے کسی بخیل کا دنیا میں کوئی دوست نہیں ہوتا اُسکے اہل و عیال اُسکی موت کے خواہاں اُسکے فرزند اُسکی موت کے نگراں رہتے ہیں۔ وہ مسکین و بیچارہ باوجود وسعت کے تنگی و سختی سے گذارتا ہے اُسکی زندگی دنیا میں مثل زندگیِ فقرا کے ہے اور اُسکا محاسبہ و مواخذہ عقبیٰ میں مالداروں کی طرح ہے وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہے عقبیٰ میں عذابِ الیم میں گرفتار۔

فصل (۱) سخاوت کی فضیلت اور اُسکے مراتب

صفتِ بخل کی ضد سخاوت ہے۔ وہ ثمرۂ زہد ہے اور مشہور ترین صفاتِ پیغمبران خدا و اخلاقِ اصفیا و اولیا میں سے ہے۔ یہہ ایک خلقِ اعلیٰ ہے اور اُسکا صاحب پسندیدۂ اہلِ آفاق ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ (مَنْ جَادَ سَادَ) یعنے جس نے بخشش اختیار کی وہ بزرگ ہوا حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ سخاوت بہشت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جسکی ڈالیاں زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔

پس جو کوئی اُسکی ڈالی کو پکڑ تا ہے وہ ڈالی اُسکو بہشت میں کھینچتی ہے۔ فرمایا کہ سخی خدا کے نزدیک ہے
اور جہنّم کی آگ سے دور ہے فرمایا کہ جب کوئی آدمیونکو کھانا کھلائے تو خداوند کریم ملائکہ سے فخر و مباہات
کرتا ہے پھر فرمایا کہ چند اپنے بندے خدا کے ہیں کہ جنکا ارادہ مخصوص ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کو نفع
پہنچائیں پس جو کوئی انمیں سے اس منافع میں بخالت کرے تو خدا اُس نعمت کو دوسرے پر منتقل
کرتا ہے۔ فرمایا کہ بہشت اہلِ سخاوت کا گھر ہے۔ جوانِ سخی گناہگار خدا کے نزدیک بوڑھے عابدِ بخیل سے
زیادہ محبوب ہے اُس حضرت سے مروی ہے کہ سخی کو اہلِ آسمان و زمین دوست رکھتے ہیں اُسکی طینت
خاکِ پاک سے خمیر کیگئی ہے اُسکی آنکھ کا پانی آبِ کوثر سے خلق کیا گیا ہے بخیل کو اہلِ آسمان و زمین
دشمن رکھتے ہیں اُسکی خلقت خاکِ خراب و چرک آلود سے خلق کیگئی ہے۔ اُسکی آنکھ کا پانی آبِ عوسج
سے بنایا گیا ہے۔ ایک جماعت اہلِ یمن کی خدمت میں حضرت رسول صلعم کی حاضر ہوئی اُنمیں
ایک شخص سب سے زیادہ لسّان اور مباحثہ کرنیوالا تھا اور جناب پیغمبر صلعم کی محبت بھی سب سے زیادہ
بڑھی ہوئی تھی اُس شخص نے بحث میں اسقدر مبالغہ کیا کہ حضرت کو غصّہ آگیا رنگِ مبارک متغیر
ہوا چینِ جبیں ہوئے اور نیچے ملاحظہ فرمانے لگے کہ حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ آپکا خدا آپکو
بعد سلام کے کہتا ہے کہ یہہ مرد سخی ہے پس حضرت کا غصّہ فرو ہوا سر مبارک بلند کر کے فرمائے کہ جبرئیل نے
مجھکو خبر دی ہے کہ تو اہلِ سخاوت میں سے ہے اگر یہہ نہ معلوم ہوتا تو تجھکو اپنے سے اسقدر دور کرتا کہ دوسروں
کو عبرت ہوتی اُس مرد نے عرض کیا کہ آپکا خدا سخاوت کو دوست رکھتا ہے حضرت نے فرمایا کہ ہاں
اُس مرد نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوا اور قسم کھائی کہ میں نے کسی کو اپنے مال سے
محروم نہیں پلٹایا جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو سامری پر قابو ہوا تو خطاب ہوا کہ اُسکو قتل نکرنا
کیونکہ وہ سخی ہے حاصلِ کلام فضیلت اس صفت کی ظاہر و روشن ہے وہ خالق و مخلوق کے نزدیک
محبوب اور دنیا میں ممتاز ہے اور عقبیٰ میں سرفراز ہے کونسا عقلمند ہے کہ سرفرازیِ دوجہاں کو ہاتھ سے

درجے سخاوت کا بلند مرتبہ ایثار ہے اور وہ یہ ہے کہ باوجود اپنی احتیاج و ضرورت کے دوسروں کے
ساتھ بخشش وجود سے کام لے یہہ مرتبۂ بلند ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا ہر شخص اس مرتبہ کا لائق و سزاوار
نہیں ہے اس جماعت کی مدح میں خلاق عالم فرماتا ہے (وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ
كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ) حالت درویشی و احتیاج میں آپ صرف نکر کے دوسرونکو دیتے
ہیں حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جسکو کسی چیز کی خواہش و ضرورت ہو وہ آپ اپنی ضرورت
میں نہ لاکر دوسرونکو دیدے تو وہ بخشا جاتا ہے یہہ شیوہ پسندیدہ ہے یہہ صفت جلیلہ پیغمبر آخر الزماں
کی ہے یہہ طریقہ اہل ایمان و امیر مومنان و ائمہ معصومین علیہم السلام کا ہے بعض حرم محترم پیغمبر صلعم نے
کہا کہ اُس سرور نے پے در پے تین روز کوئی چیز کبھی اپنے زمانہ حیات میں پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی
حالانکہ جسوقت چاہتے سیر ہو کر نوش فرما سکتے تھے لیکن جو کچھہ کہ رکھتے تھے وہ دوسرونکو دیدیتے تھے اور
بھوکونکو اپنے پر مقدم جانتے تھے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار محمد صلعم
اور انکی امت کے بعضی درجونکو مجھے دکھادے خطاب ہوا کہ اے موسیٰ اُنکے درجوں کے دیکھنے کی تجھکو
طاقت نہیں ہے لیکن ایک منزل پیغمبر آخر الزماں کی تجھکو بتلاتا ہوں جسکے سبب سے اُسے تجھپر اور تمام
مخلوقات پر فضیلت دیگئی ہے پس پردے آسمانوں کے حضرت موسیٰؑ کی آنکھوں پر سے اُٹھا دیئے
گئے تو ایک منزل دیکھی کہ جسکے انوار اور اُسکی قربت حریم خاص کو دیکھکر قریب تھا کہ شدت شوق
سے موسیٰ کی جان نکلجائے حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار کس وجہ سے یہہ کرامت حاصل
ہوئی فرمایا کہ وہ صفت مخصوص ایثار ہے اور یہہ منزل اُسکے لئے ہے جو اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت
سے فقرا کی ضرورت کو مقدم جانتا ہے اے موسیٰ اُسکی امت میں سے کوئی میرے نزدیک اس صفت
ایثار کو لیکر آتا ہے تو اُس سے حساب لینے میں شرم کرتا ہوں اور وہ جس جگہ کی خواہش کرتا ہے اُسکو
بہشت میں جگہ دیتا ہوں۔ کتب تواریخ میں حیدر کرار کی حکایات بہت مشہور و معروف ہیں۔

اُس بزرگوار کا ایثار اِس حد تک پہنچا تھا کہ حضرت پیغمبر صلعم کے بستر پر جاں نثاری کی غرض سے آرام فرمایا اسی سبب سے خداوند عالم نے ملائکہ سے فخر و مباہات کیا یہہ آیہ نازل ہوا (مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ) ایسا ہی ائمہ طاہرین نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا اور اِس فضیلت کے حاصل کرنے میں بہت کوشش فرمائی۔

فصل (۲) مرض بخل کا معالجہ

واضح ہو کہ مرض بخل کے معالجہ کیلئے علم و عمل کی ضرورت ہے۔ علم یہہ ہے کہ اُسکی خرابی کو جانے اور جود و کرم کے فائدہ کو پہچانے بعد اُسکے اس مرض کے علاج کی ابتدا کرے جو اخبار و آثار مذمت میں بخل کی اور تعریف میں سخاوت کی آئے ہیں اُنکو ملاحظہ کرے اُن وعدہ و وعید کو جو اِن دو صفت میں کئے گئے ہیں اُنکو دیکھے بخیلوں کی ذلت اور اُنسے نفرت کرنیوالوں کی طبیعت کو مشاہدہ کرے اور معلوم کرے کہ اسکے لئے دوسرا مکان اسکے سوا بھی ہے کہ خواہ مخواہ اُسکو وہاں جانا ضرور ہے پس اُسکے لئے بھی بلحاظ ضرورت آگے بھیجنا اور ذخیرہ کرنا چاہئے تاکہ عاجزی کے روز کام آئے اپنے فرزند پر اعتماد نکرے۔ غور کیجئے کہ آپ نے اپنے ماں باپ کیلئے کیا کیا ہے جو آپکے فرزند آپکے لئے کرینگے جب آپنے اِن مراتب کو معلوم کیا تو خواہ مخواہ عطا و بخشش کی عادت ہوگی۔ دل سے مال کی محبت کو اُٹھائیے اور فقرا کے ساتھ احسان کیجئے یہانتک کہ آپکی طبیعت صفت احسان و بخشش پر راغب ہو صفت سخاوت کے طالب کو چاہئے کہ جب ارادہ عطا کا کرے تو اُسمیں دیری نکرے کہ شیطان لعین وسوسہ میں ڈالیگا فقیر و مفلس ہو جانے سے ڈرائیگا اگر بخل کا مرض پیدا ہو گیا ہو تو اپنے نفس کو سمجھائے کہ تیری شہرت سخاوت و تعریف سخاوت بہت دور دور تک پہنچیگی تاکہ وہ بذل و عطا پر مائل ہو اُسکا نفس کسیقدر بخشش کا مطیع ہو اگرچہ اس قصد سے عطا کرنا بھی بُرا ہے اور حقیقت میں سخاوت نہیں ہے چنانچہ بیان کیا جائیگا لیکن یہہ مثل اُسکے ہے کہ جب بچہ کا دودھ چھڑانے اور اُسکو پستان کی یاد بُھلانیکے لئے چڑیا پکڑنیکے کھیل میں

مشغول کریں۔ کوئی شک نہیں کہ چڑیا کا کھیل بچہ کیلئے کمال نہیں رکھتا ہے لیکن یہہ ایک
علاج ہے جو اُسوقت کیا جاتا ہے پس ایسے شخص کو کوئی ضرر نہیں ہے کہ ابتدا میں اپنے دلکو ان ارادوں
میں خوش کرے تاکہ اُسکا دل مال سے متعلق نہو بعدازاں ارادہ و نیت کی صحت میں کوشش کرے
واضح ہو کہ اس صفتِ بخل کا علاج عمدہ یہہ ہے کہ اسکے سبب کو قطع کردے اور سبب اسکا دوستی مال ہے
اِن تمام سے بڑھکر جو نیز احسان مترتب ہوتا ہے اور سبب دوستی مال یا اُن لذات و خواہشاتِ دنیویہ کی
محبت ہے جو مال سے حاصل ہو سکتی ہیں یا طول امل کی وجہ سے یا اپنی اولاد کیلئے ذخیرہ کرنیکی غرض سے
یا بغیر سبب کے مال کو دوست رکھتا ہو جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض سن رسیدہ اسقدر مال رکھتے ہیں
جو انکی عمر کو کفایت کرے اور پھر بھی زیادہ مال جمع کرتے ہیں حالانکہ انکی کوئی اولاد نہیں ہے کہ اُسکی احتیاط
کرسکے باوجود اسکے راتدن مال کے جمع کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور خود تکلیف میں بسر کرتے ہیں بلکہ خمس و
زکوۃ تک نہیں دیتے اور اپنی بیماری کے علاج میں ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے ایسے اشخاص درہم و دینار
کے عاشق ہیں انکو مال جمع کرنیکی لت ہوگئی ہے باوجود اسکے کہ وہ جانتے ہیں کہ ایکدن مرنا ہے انکے دشمن
انکے مال کو غارت کرینگے جو کوئی ایک پیسہ دنیا و آخرت کے لئے نہیں خرچ کرتا ہے اُسکو ایک مرض ہے
جسکا علاج نہایت مشکل ہے خصوصاً بڑھاپے میں جبکہ اُسکا مرض پرانا ہوگیا ہو اور قوت بگڑا ہو۔
اُسکا جسم ضعیف ہو اور مرض کا مقابلہ نکرسکتا ہو ایسا شخص نہایت گمراہ ہے اور خسر الدنیا والاٰخرۃ کا
مصداق ہے بلکہ جو کوئی ضرورت سے زیادہ مال کا متلاشی ہو وہ جاہل و احمق و نادان ہے ایسے شخص کو
غور کرنا چاہیئے کہ جس مال کو وہ خرچ نہیں کرتا ہے وہ اُسکے کام نہیں آتا وہ مثل خاک و پتھر کے ہے
جب تہخانوں میں سونا اور چاندی مدفون ہو جسکو آپ صرف نہیں کرسکتے تو اُسمیں اور خاک میں
کیا فرق ہے حالانکہ اگر آپ اُسکو ہر طرح سے پتھر کے نیچے پوشیدہ کریں تو اُسکو کبھی نہ کسی دن
زمانہ برباد کریگا اور اگر اسکا سبب محبتِ خواہشات و طول امل ہو اُسکا معالجہ اُسی طریقہ پر جیسا

حرص و قناعت اور طول امل میں بیان کیا گیا ہے کرنا چاہئے اگر مال کا جمع کرنا اولاد و فرزند کے واسطے ہو تو وہ بے اعتقادی و بے خبری کی وجہ سے ہے کیونکہ اُنکو پروردگار نے پیدا کیا ہے تو روزی بھی اُنکے لئے مقرر کی ہے۔ دیدۂ عبرت کو کھولئے کہ کیسے کیسے باپ زمانۂ طفلی میں اپنے لڑکوں کے سر سے اُٹھ گئے مگر کوئی مال اُنکے واسطے نہیں چھوڑا باوجود اسکے بہ نسبت اُن لڑکوں کے جنکے باپ بہت سا مال چھوڑ گئے اُنسے وہ بہتر و خوشحال و صاحب ثروت و مال ہوئے ہیں۔ اگر فرزند صالح و پرہیزگار ہو تو خدا اُسکی روزی کو نیک و کفایت کرتا ہے اگر وہ فاسق و بدکار ہو تو اُس مال کو جسکو تو نے زحمت و تکلیف سے جمع کیا ہے اور نہیں کھایا ہے وہ لہو و لعب و معصیت خدا میں صرف کریگا اور اُسکا مظلمہ بھی تجھپر عاید ہوگا۔

فصل (۳)

حدِ وسطِ بخل و اسراف

جب آپ نے خرابی بخل اور اُسکے معالجہ کو پہچانا اور صفت فضیلت سخاوت کو معلوم کیا کہ وہ حدِ وسطِ بخل و اسراف کی ہے یعنے مال کا اسطرح صرف کرنا جو واجب و مستحسن ہو۔

واضح ہو کہ واجبات و مستحبات میں صرف کرنا عام ہے اِس سے کہ وہ واجب یا مستحسن شرعی ہو یا بلحاظ مروت و عرف و عادت میں لازم یا مستحسن ہو۔ پس سخی وہ ہے کہ مصرف جائز میں جسکا ترک کرنا شرعاً مذموم ہو یا عند العقلا صرف کرنے سے مضایقہ نہ کرے اور اگر اِنمیں سے ایک میں بھی صرف نکرے تو وہ بخیل ہوگا اگرچہ مصرف شرعی میں صرف نکرنیوالا زیادہ بخیل ہے۔ اب رہا وہ مصرف جسکا ترک کرنا عقلمندوں کے نزدیک بد ہے وہ حالات و اشخاص و اوقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ مالداروں کے اخراجات میں بعض طریقے قبیح ہیں جو فقرا کیلئے بُرے نہیں ہیں اسطرح اپنے قوم و خاندان میں جو کچھ صرف نکرنا بد ہے وہ دوسروں میں بد نہیں ہے علی ہذا جو بیگانوں کیلئے صرف نہیں کر سکتے ہیں اسکا ہمسایوں میں صرف نکرنا بد ہے ایسا ہی تنگی و کمی خرچ کا خرید و فروخت میں

کوئی ضرر نہیں لیکن مہمانی میں مضائقہ کرنا بد ہے غرض خلاصۂ مطلب یہہ ہے کہ خرچ کرنے میں مالدار
و فقیر امیر و رعیت ۔ عالم و جاہل طفل و کامل مساوی نہیں ہیں لہذا سخی وہ ہے کہ جو کچھ اُسکے
لایق ہے خواہ شرعاً یا حسبِ مروت و عادت خرچ کرے اور بخیل وہ ہے کہ بیجا اُنکے کسی ایک میں
بھی کمی کے ساتھہ خرچ کرے یا بالکل خرچ نکرے اور خرچ کا اندازہ معین نہیں ہو سکتا یہہ
ہر شخص کی حالت پر موقوف ہے اب جو شخص بہت سا مال رکھتا ہو اور حسبِ شرع و عرف و
عادت بقدرِ لازم و واجب خرچ کرے مستحبات و مستحسنات عقلیہ سے منہ پھرائے اور اپنے اہل
کو بخیالِ فقر و حوادثِ زمانہ ذخیرہ کر رکھے پس ایسا شخص اگرچہ عوام کے نزدیک بخیل نکہلائیگا
لیکن خاص لوگونکی نظر میں بخیل ہوگا اُسکو سخی و کریم نہیں کہتے ہیں کیونکہ اُنکے نزدیک صفت جود و
سخاوت کی اُسوقت حاصل ہوتی ہے جب مقدار مروت سے زیادہ بخشش کرے ۔ نیز صفتِ جود و سخا
کیلئے شرط حصول یہہ ہے کہ مال کے بخشش کرنے میں کوئی غرضِ دنیوی نرکھتا ہو اور جو کوئی بخیال
مدح و ثنا و شہرت و نیک نامی و تالیف القلوب عطا و بخشش کرے وہ ہرگز سخی و کریم نہیں ہے بلکہ
وہ اہلِ معاملہ ہے کہ شہرت و مدح وغیرہ کو خرید کرتا ہے ۔

فصل (۴)

فضیلت و اقسامِ عطاے واجبہ و مستحبہ اور اُنکے آداب و نکتۂ باطنیہ

واضح ہو کہ صفتِ جود و سخا کا لازمہ بذل و عطا ہے وہ چند امور پر
مشتمل ہے جنمیں بعض واجبات و مستحب ہیں خصوصاً ہر ایک کی
فضیلت و ثواب میں اخبار آئے ہیں ہر ایک کیلئے آداب و شرائط
ظاہریہ و نکتہ و دقایق باطنیہ ہیں ۔ شرائط ظاہریہ وہ ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں ۔ پس اس مقام
پر ہم بعض آداب و نکتۂ باطنیہ کو بیان کرتے ہیں ۔
واضح ہو کہ عطاے واجبہ کے اقسام حسبِ ذیل ہیں ۔

پہلا زکواۃ زکواۃ وہ تمام عطا و صدقہ سے اہم و مقدم ہے ۔ وہ گلشن دولت و ثروت کا

آب جاری ہے۔ وزراعت آمال اہل زراعت وتجارت کی نسیم بہار ہے۔ وہ خزانۂ مال کا چور روکنے
پاسبان ہے۔ وہ دیوار غنا و بے نیازی کا صدمۂ احتیاج و پریشانی سے پشتی بان ہے۔ زکوٰۃ دینے
والونکی تعریف میں اور ندینے والونکی مذمت میں آیات واخبار بہت سے آئے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے
کلام مجید کے اکثر مقامات میں اسے قریب قریب نماز کے بیان فرمایا ہے۔ زکوٰۃ دینے والونکی نسبت فرمایا
ہے (وَالَّذِینَ یَکْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُونَهَا
فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِیمٍ یَوْمَ یُحْمیٰ عَلَیْهَا فِی نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُکْویٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِکُمْ
فَذُوقُوا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُونَ) اسکی مجملاً معنی یہہ ہیں کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے
ہیں اور خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے انکو بشارت دو کہ انکے لئے سخت عذاب ہے ایکروز انکو
آگ میں لال کرکے انکی پیشانی پہلو پیٹھہ کو داغ دینگے اور کہیں گے کہ یہہ وہ چیز ہے جو تم نے اپنے لئے
جمع کر رکھا تھا اسکا مزہ چکھو حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ جب آدمی زکوٰۃ نہیں دیتے تو زمین بھی اپنی برکت
ظاہر نہیں کرتی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو کوئی زکوٰۃ نقد نہ ادا کرے
تو قیامت کے روز خداوند عالم اُسکو ایسے صحرا میں محبوس فرمائیگا جسمیں ایک بہت بڑا سانپ ہوگا
جو اُسکے پیچھے دوڑیگا وہ شخص اُس سے بھاگیگا جب وہ دیکھیگا کہ اُس سے خلاصی ممکن نہیں ہے تو اپنا
ہاتھہ اُسکے منہ میں دیگا وہ سانپ اُسکے ہاتھہ کو مثل مولی کے چبائیگا بعد ازاں وہ اُسکی گردن میں مثل
طوق کے ہو جائیگا پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے (سَیُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ)
جو کوئی چوپایہ مثلاً اونٹ یا گوسفند یا گلے رکھتا ہو اُسکی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو خدا تعالیٰ اُسکو قیامت
کے دن صحرائے ہموار میں محبوس کریگا جسمیں ہر ایک جانور بیشمار اُسکو پامال کرینگے اور نیشدار جانور
اُسکو کاٹینگے جس صاحب زراعت نے خرما یا انگور یا غلہ کی زکوٰۃ ندی ہو تو خدا تعالیٰ اُسکی ہیچ

قیامت کے دن طوقوں کو اسکی گردن میں طوق بنا کر ڈالیگا نیز اس حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی ایک قیراط
زکوۃ نہ ادا کرے تو وہ نہ مومن ہے نہ مسلمان فرمایا کہ کوئی شخص بالدار فقیر و محتاج نہوا ورنہ
بھوکا ننگا برہنہ ہوا جبکہ اُسنے زکوۃ دی ہو جو کوئی خدا کے حق کو اپنے مال سے ادا نکرے تو خدا اپنی رحمت
اس سے منع کرتا ہے جو کوئی اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے تو اُسکا مال صحرا یا دریا میں ضایع نہوگا
فرمایا کہ زکوۃ دینا ایسی چیز نہیں کہ جسکی تعریف کیجا سکے بلکہ اُسکے ذریعہ سے وہ اسلام میں داخل ہوتا ہے
اسکا خون محفوظ ہوتا ہے اس طریقہ کی تہدید زکوۃ نہ دینے والونکی نسبت قرآن واحادیث ائمہ ہدا
میں بکثرت موجود ہے باوجود معلوم ہونیکے زکوۃ کے ادا نکرنے کو اس مال چند روزہ سے جو کسی
تصرف میں بطور امانت کے رہنے والا ہو تغیر جاننا اور تھوڑا سا اُسکے مالک حقیقی کو نہ دینا دعوی مسلمانی
کے لایق نہیں ہے اس سے زیادہ کیا بیشرمی و بدبختی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ جب وہ وجود میں آیا تو کوئی
ملک و مال دنیا کا نہیں رکھتا تھا اور اب جو کچھ وہ رکھتا ہے اپنے کو اُسکا مالک سمجھتا ہے حالانکہ
یہ تمام خدا کا دیا ہوا ہے اُسکے حصول میں اُسکی صرف کوشش ہے وہ بھی اُسکی توفیق و یاری سے
ہوئی ہے تخم بیجان کی کیا قدرت ہے کہ بغیر اُسکی مدد کے خاک سے اُوگے ابر کو کیا قدرت ہے
بغیر اُسکی اجازت کے ایک بوند پانی کی برسائے زراعت کرنیوالے سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کوشش سے
ایک دانہ سے دس دانے حاصل کرتے ہیں تجارت کرنیوالے اپنے بازار کی رونق کو اپنا حسن
کارگزاری جانتے ہیں انسان اپنے کو کیا سمجھا ہے کہ اسقدر مغرور ہے حالانکہ تمام خداوند عالم
عطا کیا ہے اسمیں سے تھوڑا سا فقرا کے واسطے مقرر فرمایا ہے اور اُسکے اضعاف کا وعدہ کیا ہے
تاہم انکو دینا نہیں چاہتے ہیں عجب بیحیائی و بیشرمی ہے جسکو دس حصے دئے گئے اسمیں سے
ایک حصہ وہ کسیکو دینے سے بخل کرتا ہے۔

اسرار وجوب زکوۃ | واضح ہو کہ اسرار وجوب زکوۃ تین ہیں۔

اول یہہ کہ توحید کامل یہہ ہے کہ آدمی کیلئے سوائے خداوندِ عالم کے اور کوئی محبوب ونکتا نہو یا
محبت شرکت کو گوارا نہیں کرتی اور توحید زبانی چنداں فائدہ نہیں دیتی کسی کے ساتھ محبت
کا اندازہ اُسوقت معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ تمام اشیائے محبوبہ سے ہاتھ اُٹھاکر اُسکی طرف متوجہ ہوجائے
اور چونکہ مال لوگونکی نظر میں حصولِ نفع کی وجہ سے محبوب ہے اور اسلئے موت سے کراہت ہوتی ہے پس
خداوندِ عالم نے انکے دعوی محبت کی آزمایش اسی مال سے کی ہے اسیوجہ سے خداتعالیٰ فرماتا ہے
(اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ)
خلاصہ معنی یہہ کہ خداتعالیٰ نے نفوس و اموالِ مومنین کو خرید کیا ہے جسکے عوض میں بہشت کرامت
فرمائیگا کوئی شک نہیں کہ لذات بہشت میں سے دیدارِ پروردگار کا مرتبہ بہت بلند ہے اور
اس خصوص میں آدمی تین قسم پر ہیں ۔
(۱) وہ لوگ جو محبت و توحید میں صادق اور اپنے عہد پر ثابت قدم ہیں وہ اپنے دل میں اُنکی
دوستی کے سوا کسیکی دوستی نہیں رکھتے اور دنیا کے مال و متاع سے ہاتھ اُٹھالئے ہیں وہ تارک الدنیا
میں یہہ لوگ تعداد وجوب زکوٰۃ پر التفات نہیں کرتے اگر کوئی اُنسے سوال کرے کہ ایکسو درہم
کے لئے کسقدر زکوٰۃ واجب ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ حسب شرع عوام کیلئے پانچ درہم لیکن ہمارے
تمام مال ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے زکوٰۃ مال کے وجوب کی نسبت سوال کیا گیا
تو فرمایا کہ ہزار درہم میں پچیس درہم زکوٰۃ واجب ہے اور دراصل یہہ ہے کہ اپنے برادرِ مومن
کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھے ۔
(۲) وہ لوگ جو مالِ دنیا کو بقدر ضرورت جمع اور باقی کو خیرات و مبرات میں صرف کرتے ہیں ۔
اگرچہ یہہ بمقابلہ صورتِ اوّل کے مرتبہ میں پست ہیں لیکن بقدرِ واجب اقتصار نہیں کرتے تمام
مقامِ نیکی کو بجالاتے ہیں ۔

(۳) وہ لوگ جو صرف واجبات کو بجالاتے ہیں مگر انہیں کبھی کوتاہی بھی نہیں کرتے۔
دوم اسرار وجوب زکوۃ میں سے یہ ہے کہ مال کی بخشش کی ترغیب سے صفت رزیلۂ بخل سے نفس پاک ہوتا ہے اور مال کے ہر وقت دینے سے بذل و عطا کی نفس کو عادت ہوتی ہے یہانتک کہ ملکہ ہوجاتا ہے۔
سوم شکر نعمت خدا بجالانا کیونکہ بندہ پر حق نعمت بدن و نعمت مال کا بجالانا ایک امر واجب ہے عبادت بدنی شکر نعمت بدن اور مال کا بخشش کرنا شکر نعمت مال ہے کسقدر مذموم ہے کہ کوئی مسلمان فارغ البال اسلام کا مدعی ہو اور کسی فقیر بینوا کو پریشان و مضطر دیکھے تو یہ روز دگار کا شکر نعمت نہ بجالائے۔

آداب بخشش واضح ہو کہ جو کوئی شخص خدا کی راہ میں مال کو بخشش کرتا ہے اُسکے چند آداب ہیں
(۱) یہ کہ جب کوئی مال راہ خدا میں دینے کا کسی کے دل میں خیال پیدا ہوجائے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان اُس سے غافل اور فرشتہ اُسکے دل میں گزر کیا ہے اِس موقع کو غنیمت جانکر اپنے ارادے کو فوراً ادا کرے توقف میں بہت سی خرابیاں ہیں اور بلحاظ حالت زمانہ واقعات کے تغیر کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔
(۲) یہ کہ جب کسیکو ضرورت منعد پائے یا قبل اسکے کہ وہ ظاہر کرے اُس شخص کو اسکی ضرورت کا گمان ہو تو فوراً اسکو بخشش کر دے اُسکی آبرو کی حفاظت کرے تاکہ وہ سوال کرنے پر مستعد نہو جائے کیونکہ اگر سوال کے بعد دیا جائیگا تو وہ اُس آبرو کی قیمت ہوگی جو لیگئی ہے احسان کامل نہوگا۔
(۳) یہ کہ وقت و زمانۂ نیک میں صدقہ دیا جائے جو مقرر کیا گیا ہے مثلاً روز عید غدیر یا ماہ ذیحجہ خصوصاً دہۂ اوّل یا ماہ رمضان المبارک خصوصاً دہۂ آخر مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم سب سے زیادہ سخی تھے ماہ رمضان المبارک میں کوئی چیز اُٹھا نہ رکھتے تھے۔
(۴) یہ کہ زکوۃ اور باقی حقوق مالیۂ واجبہ کا پوشیدہ دینے سے علانیہ و آشکارا دینا اور عطائے مستحبی کا پوشیدہ دینا بہتر و افضل ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسکی تصریح فرمائی

کہ اگر کوئی مرد زکوٰۃ دینے وقت سب پر ظاہر کر کے فقیر کو پہنچائے تو اسکے لئے ایک حسن جمیل ہے لیکن یہہ اسوقت
ہے جبکہ شائبہ تشویش ریا سے مطمئن ہو اور لینے والا بھی اس اظہار سے شرم و حیا نکرے ورنہ واجبات
کو بھی پوشیدہ دیا جائے تو بہتر و افضل ہے ۔

(۵) یہہ کہ فقیر پر منت رکھنے اور اسکو تکلیف دینے سے اجتناب کرے جو چیز عطا کیجائے اسکو دل سے
بھلا دے تاکہ دفتر حساب میں اسکا ثواب درج کیا جائے کیونکہ یہہ صفت بد اسکے صدقہ کو باطل اور حلیہ
صحت کو ضایع کرتی ہے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے (یَا اَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا
لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِکُم بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی) یعنے اے مومنین اپنے صدقہ کو
منت رکھنے اور ایذا دینے سے باطل نکرو سیدنا سے یہہ مروی ہے کہ اگر کوئی اپنے برادر مومن سے
نیکی کرتا ہے اور اسپر منت رکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکے عمل کو درجہ اعتبار سے ساقط کرتا ہے وہ گنہگار
ہوتا ہے اور اسکی نیکی کو قبول نہیں کرتا یہہ منت رکھنا اسوقت کہا جاتا ہے جبکہ یہہ خیال پیدا ہو جائے
کہ اسنے فقیر پر احسان کیا ہے اسکی علامت ظاہری یہہ ہے کہ دوسروں سے اسکا اظہار و بیان کرے اور
اس فقیر سے اپنی ثنا و تعظیم و فرمان برداری کی امید رکھتا ہو اسکی علامت باطنی یہہ ہے کہ اگر بعد عطا
اس فقیر سے خلاف ادب کوئی امر یا کوئی خیانت واقع ہو تو اس سے کشیدہ خاطر و بد دل ہو جائے اور
ایذا دہی اسوقت سمجھی جاتی ہے جبکہ اسکو سرزنش و ملامت اور اسکے راز کو افشا کرے اسکو دیکھکر بری
صورت بنائے اسکو خفیف کرے اسکی صحبت سے عار رکھے اپنے کو اس سے بلند مرتبہ والا جانے جو شخص
اس مرض میں مبتلا ہو اسکے لئے اس سے نجات حاصل کرنا ضرور ہے احسان رکھنے کے مرض کا علاج
یہہ ہے کہ معلوم کرے کہ حقیقتاً فقیر نے اسپر احسان کیا کہ صدقہ کو قبول کیا جو اسکی رستگاری کا سبب ہوا
پس عطا کنندہ کو ممنون فقیر ہونا چاہئے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فقیر کا ہاتھ صدقہ لینے کے وقت
گویا نائب دست خدا ہے کیونکہ جو کچھ فقیر کو دیا جاتا ہے وہ خدا کو پہنچتا ہے اسیوجہ سے یہہ امر سنت ہے

کہ جو شخص صدقہ دیتا ہے وہ اپنے ہاتھ کو بوسہ دے اپنے ہاتھ کو فقیر کے ہاتھ سے بلند نکرے بلکہ اپنا
ہاتھ نیچے پھیلا رکھے تاکہ فقیر خود اٹھالے چونکہ اسکا ہاتھ نائب دستِ خدا ہے بلند رہنا چاہئے یا صدقے
کو فقیر کے سامنے رکھدیا جاے کہ وہ خود لیلیے علاوہ اسکے خدا نے دنیا و آخرت میں صدقہ کے عوض کا
وعدہ فرمایا ہے اگر اسکی توقع و امید نہیں رکھی جاتی ہے تو عجب حماقت ہے کہ اپنے مال کو عبث ضایع
کرتے ہیں اور اگر امید رکھی جاتی ہے تو پھر کس سبب سے فقیر پر احسان رکھا جاتا ہے اسکی مثال بعینہ
ایسی ہے کہ عمرو کوئی چیز آپکو حوالہ کرے کہ آپ زید کو دیں وہ اسکا عوض آپکو مضاعف دیگا آپ وہ چیز زید
کو دیتے ہیں مگر اُسپر احسان رکھتے ہیں اور ایذادہی فقیر کا علاج یہہ ہے کہ آپکی نظر میں اُسکا سبب اگر عزت
مال ہے جو فقیر کو دیا جاتا ہے تو عجب نادانی و جہالت ہے یہہ چیز کم مقدار اور فنا ہونے والی ہے اسکے مقابلہ
میں ایک ایسا بڑا عوض جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے حاصل کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اس چیز کو بزرگ سمجھتے ہیں
اور ایسا جانتے ہیں کہ کوئی چیز دیگئی ہے اور اگر اِس ایذادہی کا سبب یہہ ہے کہ وہ فقیر آپکی نگاہ میں بہت ذلیل
معلوم ہوتا ہے تو آپ عجب مغرور ہیں کہ اپنے کو اُن چند ٹکروں کے سبب جو مالِ دنیا سے ہیں دوسروں
پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ حسب بیانِ گزشتہ مرتبہ فقر غنا سے بلند ہے اور فقیر خدا کا عزیز اور حقوق کے
حاصل کرنے میں نائب پروردگار ہے خدا بتوسط فقیر اُس سے عذر خواہی کریگا کیا آپ نہیں جانتے
کہ بعض فقیر بینوا کی طبیعت غنی ہے کہ تمام دنیا کا مال اُسکی نظر میں نہیں سماتا کہیں آپ فقیر کے بُرانے
کپڑونکو حقارت سے نہ دیکھئے بہت سے فقرا ہیں کہ جنکے سر پر نہ دستار ہے نہ پاؤں میں نعلیں اُنکے
بال پریشان ہیں اور لباس پھٹا ہوا مگر انکا سر تاجِ شاہی سے عار اور اُنکا پاؤں تختِ کیانی سے ننگ
رکھتا ہے اسیقدر فقیر کی فضیلت میں کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مالداروں اور صاحب دولت
کو انکا مطیع و فرمانبردار بنایا ہے کہ مال کے حصول میں تکلیف و زحمت اٹھاکر بحفاظت تمام مطابق ضرورت
کے فقیر کو پہنچائیں اگر دینے میں کوتاہی کیجاتی ہے تو مستحق عذابِ الٰہی ہوتے ہیں حقیقتاً مالدار

فقیر کا خادم ہے۔

(۶) صدقہ دینے کے وقت فقیر سے تواضع و فروتنی سے پیش آئے۔

(۷) جو چیز فقیر کو دیجائے اِس قسم کی ہو کہ اسکو لینے میں خفت و خواری و خجلت و شرمساری واقع نہو۔ مثلاً کسی عزیز کو نقدی لینا پسند نہو تو اُسکے عوض میں کوئی شئے دیدے اگر اُسکو قبول کرنیسے عار معلوم ہوتا ہو تو صدقہ کو ہدیہ قرار دے۔ اگر اُسکی طبیعت بالمشافہ لینے میں پسند نکرتی ہو تو کسی دوسرے کے ہاتھ بھیجدے اسیطرح قیاس کر لیا جائے کہ جو طریقہ اُسکی شان کو گھٹاتا ہے اُسکو ہرگز اختیار نکرنا چاہئے

(۸) جو کچھ راہِ خدا میں دیا جائے اُسکو بزرگ نہ سمجھے اور نہ جانے کہ بہت بڑا کام کیا ہے مثلاً مسجد یا مسافر خانہ بنائے تو اُسکی نظر میں کوئی وقعت نہو اور یہہ خیال نکرے کہ خدا کو راضی و خوشنود کیا ہے اگر ایسا خیال کریگا تو اُسکا ثواب باطل اور اُسکا اجر ضایع ہوجائیگا چنانچہ اسکا تفصیلی بیان غرور کی بحث میں حوالہ قلم کیا جائیگا۔

(۹) جو کچھہ خدا کی راہ میں دیتا ہے وہ اُسے اپنے تمام مال سے بہتر اور سب سے زیادہ عزیز ہو اور حرمت و شبہ سے پاک ہو کیونکہ خدا پاک ہے وہ سوائے پاک کے قبول نہیں کرتا جو چیز کم درجہ کی ہو خدا کی راہ میں اُسکا دینا خلافِ ادب ہے کیونکہ بندہ خدا اچھی چیز کو اپنے اور اپنے عیال کیلئے اُٹھا رکھتا ہے اور بُری چیز کو خدا کے پاس بھیجتا ہے بعض اشخاص کو آپ آیا نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی مہمان آجائے تو وہ میزبان اچھی اچھی غذا کو اپنے عیال کیلئے رکھہ چھوڑتا ہے اور بُری غذا مہمان کے آگے لاتا ہے۔ اور دل تنگ اور شکستہ خاطر ہوتا ہے حالانکہ جو تصدق کیا جاتا ہے گویا وہ اپنے لئے آگے بھیج رکھے پس ہر شخص کو لازم ہے کہ اچھی چیز اپنے لئے ذخیرہ کرے خداوندِ عالم فرماتا ہے (أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ) یعنے پاکیزہ چیزیں انکو بخشش کرو جنکو حاصل کیا ہے اور پھر فرماتا ہے (لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ) یعنے خیر و نیکی نہیں پہنچتی ہے جبتک کہ راہِ خدا میں اُن چیزوں کو ندیا جائے

جسکو تم دوست رکھتے ہو حدیث میں وارد ہے کہ صدقہ کا ایک درہم ہزار درہم سے افضل و بہتر ہوتا
ہے اسلئے کہ جو آدمی ایک درہم اپنے مالِ حلال سے دیتا ہے وہ اسکو دوست رکھتا ہے بہ نسبت اُس دوسرے
شخص کے جو ان سو ہزار درہم کو اُسقدر دوست نہ رکھتا ہو ۔

(۱۰) یہہ کہ اگر ممکن ہو اور قدرت رکھتا ہو تو اسقدر فقیر کو عطا کرے کہ اُسکا فقر دور ہو اور وہ غنی ہو جائے

(۱۱) یہہ کہ دینے کے بعد اپنے ہاتھ کو بوسہ دے کیونکہ یہہ اُس ہاتھ تک پہنچا ہے جو باعث دست خدا
ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی چیز سائل کو دیجائے تو اپنے ہاتھ کو چومے
بہ تحقیق کہ خدا صدقہ کو لیتا ہے حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ صدقہ مومن کا سائل کے ہاتھ کو نہیں پہنچتا
تا وقتیکہ خدا کے ہاتھ تک رسائی نہو حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے
کہ ہر ایک چیز لینے کیلئے میں نے دوسرے کو موکل کیا ہے مگر صدقہ کو خود اپنے ہاتھ سے لیتا ہوں جو کوئی ایک
یا آدھا خرما تصدق کرتا ہے تو میں اُس تصدق کو گھوڑے کے بچے کے مانند تربیت و پرورش کرتا ہوں
جب قیامت میں ملاقات ہوگی تو صدقہ دینے والا اُسکو دیکھیگا کہ وہ مثل کوہ اُحد کے بڑا ہو گیا ہے ۔

(۱۲) جب کوئی چیز فقیر کو دیجائے تو اُس سے دعا کی خواہش کرے کیونکہ دعا فقیر کی اُس شخص کے حق میں جو
دیتا ہے مستجاب ہوتی ہے اور خود اُسکے حق میں مستجاب نہیں ہوتی بعض عرفا نے کہا ہے کہ فقیر سے دعا کی
خواہش نکرے اسوجہ سے کہ دعا کہیں صدقہ کا عوض نہو یہہ قول خلاف طریقۂ ائمہ ہے جو قابل اعتبار نہیں

(۱۳) بذل و عطا میں استحقاق کا خیال رکھے تخمِ احسان کو کھاری زمین میں نہ بوئے غیر مستحق کو ندے
شہرت کی آرزو میں داد و دہش اختیار نکرے ایسی داد و دہش بخل پر چنداں فضیلت نہیں رکھتی ظاہر ہے
کہ باوجود بینوایانِ برہنہ کے صاحبانِ مال سے نوازش کرنا بے سود ہے دردمندوں کو ترک کرکے جو منعم
فارغ البال و مرفہ الحال ہوں اُنکو عطا کرنا بیفائدہ ہے ۔ استحقاق سے مراد یہی عسرت و پریشانی نہیں بلکہ
غرض یہہ ہے کہ صاحبانِ ہمت و کرم ہر کسی سے مروت و محبت سے پیش آیا کریں بدکار و اشرار کو نیکوں پر

مقدم نہ رکھیں بے ہنر ان نادان کو اہل ہنر و عقلمند پر ترجیح نہ دیں۔ مالداروں سے مفلسوں کی ضرور رعایت کریں۔ پہلے ضعیفوں کی دستگیری میں کوشش کریں۔ باوجود عضو مجروح کے عضو صحیح پر مرہم نہ رکھیں۔

(۱۴) ترتیب فقرا کو ملاحظہ کرے جن کے عطا کرنے میں ثواب زیادہ ہے اُن کو مقدم رکھے جو اہل تقویٰ و پرہیزگار و صاحب ایمان کامل ہیں اُن کو دوسروں پر مقدم جانے۔

حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ پرہیزگار کو کھلاؤ۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اُن اشخاص کو زکوٰۃ و صدقہ واجبہ عطا نکرے کیونکہ یہ مال کی کثافت ہے کہ اخراج ہوتی ہے۔ بلکہ اُن کو ہدیہ و صلہ عطا کیا جائے۔ ائمہ ہدا سے مروی ہے کہ دوستان محمدؐ و آل محمدؐ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ وہ لوگ جو ان کی دوستی اور اُن کے دشمنوں سے برات حاصل کرکے مرتبۂ بالا کو پہنچے ہیں وہ آپ کے برادر دینی ہیں۔ بلکہ آپ کے ماں اور باپ سے جو آپ کے مخالف ہیں آپ سے زیادہ قریب ہیں پس اُن لوگوں کو زکوٰۃ و صدقہ نہ دیجئے۔ بہ تحقیق کہ فرمایا ہمارے دوست ہمارے جسد کے مانند ہیں اُنکو ہدیہ عطا کیجئے۔ بہتر یہ ہے آدمی اپنی زکوٰۃ و صدقہ اُن لوگوں کو جو ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں محنت و مزدوری نہیں کرتے اُن کو نہ دے کیونکہ ایسے اشخاص مشرک سمجھے جاتے ہیں حضرت صادق علیہ السلام بیان میں اس آیۂ مبارکہ کے (وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ وَاِلَّا هُمْ مُشْرِكُوْنَ) یعنے اکثر ایمان نہیں لائے ہیں۔ مگر یہ کہ وہ مشرک ہیں۔ فرمایا کہ یہ اُس کے مانند ہے کہ کوئی کہتا ہو اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہوتا۔ یا اگر فلاں نہوتا تو فلاں چیز مجکو میسر نہ آتی یا میرے عیال ضائع ہوجاتے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اُس نے خدا کی ملک میں دوسروں کو شریک کیا ہے۔ پس اُن اشخاص کے ساتھ بذل و عطا بہتر اور اُس کا ثواب زیادہ ہے۔ جو اپنی ضرورت کو ظاہر نہیں کرتے ہیں اپنے کاروبار

کو چھپاتے ہیں وہ صاحبان آبرو و عزت ہیں۔ وہ صاحب تجمل و غنی ہیں۔ لہذا اُن کو غنی سمجھیں
اور اُن کے ساتھ مالداروں کا سا برتاؤ کریں۔ نیز تمام فقرا سے بہتر خویش و اقارب و ذوی الارحام
ہیں اور اُن کو بخشش کرنا صلۂ رحم ہے۔ اس کا ثواب بیحد ہے جو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا
بعض احادیث میں وارد ہے کہ صدقہ اُس شخص کا قبول نہیں کیا جاتا جس کا خویش
محتاج ہو اور وہ دوسرے کو دے۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ اپنے خویش کو صدقہ
عنایت کرنا افضل ہے جو عداوت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ بسبب مخالفتِ نفس خلوصِ نیت سے بہت قریب ہے

فائدہ آدابِ فقرا واضح ہو کہ جیسا عطا کنندہ کے آداب مذکورہ ہیں اسی طرح فقرا کے لئے بھی چند آداب ہیں۔

(۱) جو کچھ حاصل کیا ہے اُس میں بغیر مصارف ضروریہ کے اسراف نہ کرے اور محفوظ رکھے۔

(۲) شکرِ خدا کرے اور دینے والے کے حق کو بھی پہچانے اُس کو دعا دے اور تعریف کرے
حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن پر خدا لعنت کرتا ہے جو راہ خیر کو مسدود کرتے ہیں
ایک شخص نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ جو کوئی اُس کے ساتھ نیکی کرے
تو وہ اس کے ساتھ کفرانِ نعمت کرتا ہے تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ نیکی نہ کرے۔

(۳) یہ کہ جو کچھ اُس کو دیا جائے۔ حقیر نہ سمجھے اور اُس کی مذمت نہ کرے اگر اُس کے عیب پر
مطلع ہو تو اُس کو پنہاں رکھے۔ اگر اُس کو کچھ نہ دیا جائے تو اُس کو بُرا نہ کہے اور ملامت نہ کرے۔

(۴) یہ کہ جس مال سے حرمت ثابت ہوتی ہو یا مشتبہ ہو اُس سے پرہیز کرے جس کا مال
زیادہ تر حرام ہے یا وہ مال حرام سے اجتناب نہیں کرتا تو اُس کی کوئی چیز قبول نہ کرے۔

(۵) یہ کہ ضرورت سے زیادہ قبول نہ کرے۔

(۶) یہ کہ علانیہ و برملا سوال نہ کرے خصوصاً ایسے شخص سے جو نہیں دینا چاہتا ہے تو وہ

ضرور شرمندہ ہوگا۔

(۷) یہ کہ علماء و پرہیزگار جب تک کہ وہ پریشان و مضطر نہوں زکوٰۃ و صدقہ نہ لیں

(۸) یہ کہ ایسے اشخاص جو چیز حاصل کریں اُسے ظاہر نہ کریں تاکہ اُن کی مروّت کا شرف ضائع نہو۔ ہاں اگر اظہار سے شکرگزاری و صدق بندگی و فروتنی منظور ہو تو دوسرا امر ہے اور ہر شخص اپنی نیّت کے بموجب سعادت دارین کا مستحق ہے۔

دوسرا خمس

خمس وہ سادات کا مال ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے بوجہ نسبت سیدانام اس طائفہ کو تمام مخلوقات پر ممتاز کیا اور زکوٰۃ کو اُن کیلئے پسند نہیں فرمایا اصل مال سے ایک حصّہ خاص اُن کے لئے قرارداد کیا تاکہ فقر وفاقہ میں مبتلا نہوں۔ فرمایا کہ (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ) خلاصہ معنیٰ یہ کہ جو نفع تم کو حاصل ہو اُس کا پانچواں حصّہ پیغمبر و ذوی القربیٰ و یتامیٰ و مساکین و ابن السبیل (یعنے مسافر) جو سادات ہوں اُن کو دیدو۔ اگر تم خدا پر اور اُن چیزوں پر جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہیں ایمان لائے ہو" اس آیۂ مبارک سے پایا جاتا ہے کہ وہ صاحب ایمان نہیں جو خدا کے احکام قرآنی پر عمل نہیں کرتے اور خمس ادا نہیں کرتے ہیں۔ لہذا صاحب ایمان کو لازم ہے کہ ادائے خمس میں کوتاہی نکرے اپنے پیغمبر کی ذرّیت کو محتاج نرکھے۔ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ میں اُس کی شفاعت کرونگا جس نے ہاتھ اور زبان و مال سے میری ذرّیت کی اعانت کی ہو۔ اگرچہ کہ وہ تمام اہل دنیا کے گناہ اپنے ہمراہ لائے ہوں اور وہ چار شخص ہیں (۱) وہ کہ جس نے میری ذرّیت کا احترام کیا ہو (۲) وہ کہ جس نے اُن کی

ضرورتوں کو پورا کیا ہو۔ (۳) وہ کہ جس نے اُن کی حالت اضطراب میں مدد کی ہو (۴) وہ کہ جو اُن کو دل وزبان سے دوست رکھتا ہو۔ مروی ہے کہ جب قیامت ہو گی بحکم پروردگار منادی ندا کریگا کہ اے خلائق خاموش رہو کہ محمد صلعم چاہتے ہیں کہ تکلّم کریں پس تمام خاموش ہونگے حضرت فرمائیں گے کہ جس نے مجھپر احسان کیا ہے وہ اُٹھے کہ میں اُس کا عوض دوں خلایق کہیگی کہ اے رسول اللہ آپ پر ہمارا کیا احسان ہوسکتا ہے۔ بلکہ خدا اور رسول کی عطا کا ہم پر احسان ہے۔ پھر وہ حضرت فرمائیں گے کہ جس نے میری اولاد سے نیکی کی اور بے خانماں کو مکان دیا۔ اور بھوکے کو سیر کیا یا برہنہ کو کپڑا پہنایا وہ اُٹھے کہ میں اس کا عوض دوں جنہوں نے یہ کام کیا ہے وہ اُٹھیں گے تو خداوند عالم کا حضرت سے خطاب ہو گا کہ ان کی جزا تمہاری مرضی پر منحصر رکھی گئی ہے جو جگہ بہشت میں دینا منظور ہو دو۔ اُس وقت حضرت ان کو اپنی قربت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ زکوٰۃ کے بیان میں جو بعض آداب و شرائط مذکور ہوئے ہیں خمس میں بھی وہی پائے جاتے ہیں۔ جو شخص خمس ادا کرتا ہے اس کو احسان رکھنے سے نہایت پرہیز کرنا چاہیئے۔ اُس کو امر عظیم نہ سمجھے۔ اور سادات سے نہایت تواضع وانکساری کے ساتھ پیش آئے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لئیم زمانہ اگر کبھی تھوڑا سا خمس نکالتے ہیں اور بصد ناخوشی و سختی کسی سید محتاج کو دیتے ہیں تو اُس کو اپنا بندۂ زر خرید تصوّر کرتے ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ تمام ملک ومال دنیا اُس کے جد بزرگوار کے وجود پاک کے باعث وجود میں آیا ہے۔ اور ابر برکت آسمانی اُس کے اجداد کے آبرو کی طفیل سے اہلِ زمین کی کھیتی پر برستا ہے۔

تیسرا نفقۂ اہل وعیال

نفقۂ اہل وعیال جو از روئے کتب فقہ ادا کیا جائے۔ اُس کے واجبات وثواب بیحد وبیشمار ہیں۔ حضرت پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عیال کے

حصول نفقہ میں کوشش کرتا ہے تو گویا راہ خدا میں جہاد کرتا ہے بعض ایسے گناہ ہیں کہ اہتمام طلب معاش کے سوا جن کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ فرمایا کہ جس کو تین لڑکیاں ہوں وہ اُن کا خرچ اُٹھائے اور اون کے ساتھ نیکی کرے یہاں تک کہ وہ بڑی ہوں تو خدا اُس کو بہشت واجب کرتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآب گھر میں سید اولیا کے تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ حضرت مسور کو پاک کر رہے ہیں اور سیدۃ النسا چولھے کے آگے بیٹھی ہیں۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ اے ابوالحسن میں بجز حکم خدا کچھ نہیں کہتا ہوں جو کوئی مرد عورت کی خانہ داری میں امداد اور اُس کی یاری کرے تو اُس کے جسم کے ہر بال کے عوض میں خدا عبادت یکسالہ کا ثواب جس میں روزہ رکھا گیا ہو اور شب بیداری کی گئی ہو عطا فرماتا ہے۔ اور نیز ثواب صابرین حضرت داؤد و یعقوب و عیسیٰ پیغمبر عطا کرتا ہے۔ یا علیؑ جو کوئی مشغول خدمت عیال ہو اور کاروبار خانگی کو انجام دے تو اُس کا نام دفتر شہدا میں درج ہوتا ہے۔ روزانہ ہزار شہید کا اور ہر قدم پر حج و عمرہ کا ثواب اُسکو دیا جاتا ہے۔ جس قدر رگیں اُس کے بدن میں ہیں اُسی تعداد کا ایک شہر بہشت میں اُسکو عطا فرماتا ہے۔ یا علیؑ ایک ساعت گھر کے کاروبار کی مشغولیت عبادت ہزار سال و ہزار حج و ہزار عمرہ اور ہزار بندہ آزاد کرنے سے اور ہزار مرتبہ جہاد و عیادت ہزار مریض و ہزار نماز جمعہ و ہزار تشییع جنازہ سے اور ہزار بھوکوں کو سیر کرنے سے اور ہزار برہنہ کو کپڑا پہنانے سے اور ہزار گھوڑوں کو راہِ خدا میں بھیجنے سے اور توریت و انجیل و زبور و قرآن تلاوت کرنے سے اور ہزار اسیر راہ خدا میں آزاد کرنے سے اور ہزار اونٹ مسکینوں کو دینے سے بہتر و افضل ہے۔ وہ دنیا سے نہیں اُٹھتا جب تک اپنی جگہ کو بہشت میں نہیں دیکھتا۔ یا علیؑ خدمت عیال گناہانِ کبیرہ کا کفارہ اور پروردگار کے غضب کو دور کرتا ہے

اور وہ حور العین کا مہر ہے۔ اور حسنات کو زیادہ اور مراتب کو بلند کرتا ہے۔ یا علی وہ شخص خدمت
عیال کرتا ہے جو صدیق ہو یا شہید ہو یا وہ مرد ہو جس کو خدا نے دنیا و آخرت کی تمام نیکیاں دی
ہوں۔ حضرت امام موسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ عیال مانند اسیر ہیں اُن پر لطف و کرم کرنا
چاہیئے اگر نہ کیا جائے تو خدا اُس کی نعمت کو لے لیتا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا
کہ شوہر کو ضرور ہے کہ اپنے عیال سے ہمیشہ از راہ مہربانی پیش آئے ورنہ وہ موت کی خواہش
کریں گے۔ جاننا چاہیئے کہ اخراجات عیال کی نسبت طالب ثواب کو سزاوار ہے کہ اپنی نیت
کو خالص رکھے جو کوشش کی جاتی ہے۔ اور جو زحمت تحصیل معاش میں اُٹھائی جاتی ہے تو وہ
خوشنودی خدا کا طالب و خواہاں رہے تحصیل حرام و مشتبہ سے اجتناب کرے۔ حلال کے سوا
پیدا نہ کرے۔ اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے۔ نہ کہ عیال پر تنگی اور سختی کی جائے کہ وہ ضائع
ہو جائیں اور نہ اسراف کہ وہ خود اپنے کو تلف و برباد کریں اور ہلاک ہوں۔ سزاوار یہ ہے کہ
اپنے یا بعض عیال کے لئے غذائے پاکیزہ مخصوص نہ قرار دے بلکہ سب کو ایکساں حالت میں رکھے۔
ہاں اُس صورت میں جبکہ خود یا بعض عیال کو بسبب مرض یا ضعف یا کسی اور وجہ سے
خاص غذا کی ضرورت پائی جائے تو مہیا کر دیا کرے۔ جو چیز عیال کے لئے نہیں چاہتا ہے
اُس کی تعریف اُن کے سامنے نہ کرے۔ جب دسترخوان چُن دیا جائے تو اپنے تمام عیال کو اُس پر
بٹھائے۔ مروی ہے کہ جب تمام اہل خانہ ملکر طعام کھاتے ہیں تو خداوند عالم و ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں

اقسام عطائے مستحبہ

عطائے مستحبہ کے اقسام حسب ذیل ہیں۔ **پہلا** صدقۂ مستحبہ
اس کا ثواب بیحد اور اس کا فائدہ بیشمار ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ
خدا ادائے صدقہ کے باعث مرض و آگ میں جلنے سے اور غرق ہونے اور مکان کے نیچے دب جانے
اور دیوانگی کو دفع کرتا ہے۔ اُس یگانۂ آفاق نے اسی طرح ستّر قسم کی بلاؤں کو شمار فرمایا کہ جو

برکت صدقہ جن سے نجات میسر آتی ہے۔ انہیں حضرت سے مروی ہے کہ ہر شخص بروز قیامت
اپنے صدقہ کے سایہ میں اُس وقت تک ساکن ہو گا جب تک کہ تمام مخلوق حساب وکتاب سے
فارغ ہوں۔ نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ جب کوئی سائل رات کو بصورت فقیر سوال کرے تو
اُسکو رد نکرو کیونکہ اس تخصیص سے احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ملک نہو جو بغرض امتحان سوال کرتا ہو
مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوی کہ اے موسیٰ سائل کو کچھ نہ کچھ عطا کرو یا الطاف
مہربانی سے ہی پیش آؤ۔ وہ سائل نہ انسان ہے نہ جن بلکہ ملک ہے کہ وہ تیرا امتحان اُس نعمت
سے کرتا ہے جو میں نے تجھکو دی ہے۔ تاکہ بذریعۂ سوال معلوم کرے کہ تو کس طریقہ سے برتاؤ کرتا ہے۔
اسی وجہ سے پیغمبر خدا نے سائل کے سوال کو رد کرنے سے منع فرمایا اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو۔ حضرت
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نیکی و صدقہ فقر کو دور کرتا ہے۔ اور عمر کو بڑھاتا ہے اور ستر
قسم کی آفات سے نجات دیتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بیماروں کو
صدقہ سے دوا کرو اور دعا سے ان کی بلاؤں کو دفع کرو۔ اور طلب روزی صدقہ سے کرو۔ بتحقیق
جب کہ کوئی شخص صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کو سات سو شیطان وسوسہ میں ڈالتے ہیں
اُن کو گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی مومن اپنا صدقہ نکالے۔ پس صدقہ دینا سات سو شیطانوں سے
بچ نکلنا ہے۔ نیز اُس جناب سے مروی ہے کہ بیمار کا سائل کو کوئی چیز دینا مستحب ہے۔ اور جب
کچھ دے تو اُس سے دعا کی خواہش بھی کی جائے۔ اُسی سرور سے دوسری حدیث میں مروی ہے
کہ جو شخص علی الصباح یا سر شام صدقہ دے تو خدا اُس روز اور اُس رات کی ہر ایک بلا و
آفت کو اُس کے سر سے ٹالتا ہے۔ وہ حضرت بعد نماز عشا تھوڑی رات گزرنے کے بعد ایک
کیسہ جس میں گوشت اور روٹی اور درہم ہوتے تھے اپنے دوش مبارک پہ اٹھا کر فقرائے
اہل مدینہ کے گھر پر لے جاتے اور اُن کو تقسیم فرماتے تھے۔ حضرت کو تا حیات کسی نے نہ پہچانا۔

جب بعد انتقال حضرت تقسیم موقوف ہوگئی تو اُس وقت فقرا کو علم ہوا کہ وہ حضرت تقسیم فرماتے تھے۔ اُس حضرت سے کسی نے دریافت کیا کہ سائل کے سوال کو ہم کیونکر سمجھیں کہ کس چیز کے متعلق ہے حضرت نے فرمایا کہ جس چیز کا تیرے دل میں اثر پیدا ہوا اور جو کچھ تیرے دل میں آئے اُسکو عطا کر کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے ذریعہ سے کوئی چیز فقرا کو دے تو اُس بارہ میں بانی شخص کا کیا ثواب ہے۔ حضرت نے فرمایا اُس کا ثواب اصل عطا کنندہ کے مانند ہے۔ بہت سے احادیث ثوابِ تصدقِ آب میں وارد ہوئے ہیں۔ پہلی چیز جس کا ثواب آخرت میں دیا جاتا ہے وہ تصدقِ آب ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا پیاسوں کے پانی پلانے والے کو دوست رکھتا ہے۔ جو کوئی چارپایوں کو سیراب کرے تو خدائے تعالے اپنے عرش کے سایہ میں اُس کو جگہ عنایت فرمائیگا۔ جبکہ قیامت میں اُس کے لئے کوئی سایہ نہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کو ایسے مقام پہ پانی پلائے جہاں پانی میسر آتا ہو تو گویا اُس نے کسی بندہ کو آزاد کیا۔ اگر ایسے مقام پہ پانی پلائے جہاں پانی میسر نہ آتا ہو تو گویا اُس نے کسی نفس کو زندہ کیا جس نے ایک نفس کو زندہ کیا تو گویا اُس نے تمام خلق کو زندہ کیا۔ حضرت پیغمبر سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو فرمایا کہ اُس وقت جبکہ صحیح و تندرست ہو۔ زندگانی کی امید رکھتا ہو۔ اور احتیاج سے بھی ڈرتا ہو۔ نہ اُس وقت جبکہ مرض الموت میں مبتلا اور جان بلب ہو۔

واضح ہو کہ حسب بیان مذکورہ صدر صدقات مستحبہ کا پوشیدہ دینا افضل اور اُس کا ثواب کامل ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ لینے والے کا اُسے ظاہر کرنا افضل ہے یا نہیں پس بعض نے فقرا کا بھی پوشیدہ حاصل کرنا افضل بیان کیا ہے اور بعض نے اعلان کرنا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں قول علی الاطلاق صحیح نہیں سمجھے جاسکتے۔ بلکہ بلحاظ قصد و نیت

اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس طالب سعادت کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر التفات اور اپنی نیت کو ملاحظہ کرے۔ جو طریقہ ارادہ قربت سے زیادہ نزدیک اور ریا و تلبیس اور آفات سے دور تر ہو اُسکو اختیار کرے۔ مثلاً اگر کسی لینے والے کی طبیعت پوشیدہ لینے پر مائل ہے اور ظاہر لینے میں وہ اپنی بے آبروئی سمجھتا ہے۔ یا خوف ہے کہ اگر یہ امر ظاہر ہوگیا تو کوئی دوسرا اُسے نہ دیگا یا اسی طرح اور امور کا لحاظ کرتے ہوئے اُس کا دل ظاہر کرنے کی خواہش نہ کرتا ہو تو ضرور اُس کا اظہار کرے۔ اور اسی طرح اگر یہ خیال کرتا ہے کہ ظاہر کرنے سے دوسرے لوگوں کو دینے کی رغبت ہوگی اور اس کا نفس بھی ظاہر کرنے پر میلان رکھتا ہو تو ہرگز ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح اگر یہ معلوم ہو کہ دینے والا مدح و ثنا کی اُس سے تمنا رکھتا ہے تو بھی اُسے زبان پر نہ لائے تاکہ صفت بے جا کا معین نہ ہو۔ حاصل کلام اپنے دل کی حالت پر غور کرے۔ ان دقائق اور نکتوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ ہر عمل جوارح و اعضا پر اور ان نکتوں پر غور نہ کرنا شیطان کا باعث مذاق اور اپنی شماتت کا اندیشہ ہے۔ ان دقائق کا جاننا ایک علم ایک مسئلہ کا معلوم کرنا عبادت سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس علم سے تمام عمر کی عبادت زندہ اور لاعلمی سے تمام عمر کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔

دوسرا۔ ہدیہ وہ یہ کہ آدمی کوئی چیز اپنے برادر مومن کے لئے بسبب اظہار محبت و تاکید دوستی کے عطا یا روانہ کرتا ہے خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔ یہ امر نیک و مطلوب و شرعاً پسندیدہ ہے۔ حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو آپس میں دوست رکھو۔ اور ہدیہ بھیجو کہ یہ طرفین کے کینہ و عداوت کو محو کرتا ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ تصدق کرنے سے برادر مسلمان کے لئے ہدیہ بھیجنے کو میں پسند کرتا ہوں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ برادر مومن کی بزرگی یہ ہے کہ تحفہ کو قبول کرے۔ جو تحفہ رکھتا ہو دوسرے کے لئے بھیجے اور تکلف نہ کرے۔

تیسرا مہمانی، اس کا ثواب شرعاً بہت بڑا ہے۔ حضرت پیغمبر سے مروی ہے کہ جو کوئی کسی کی مہمانی نہیں کرتا اُس میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب مہمان جمع ہوتے ہیں اُن کی مہمانی کا انتظام غیب سے ہو جاتا ہے۔ جب وہ تناول کرتے ہیں تو خدا اُس میزبان کے گناہ کو بخشدیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کوئی مہمان نہیں ہوتا تا وقتیکہ اُس کی روزی اُس کے ساتھ نہو۔ نیز اُسی جناب سے مروی ہے کہ جب خدا کسی کے متعلق نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو مہمان کو اُسکی روزی کے ساتھ بھیجتا ہے کہ وہ اہل خانہ کے گناہوں کو اُٹھا لے جائے۔ نیز فرمایا کہ جس گھر میں مہمان نہیں آتے ہیں اُس گھر میں ملائکہ بھی نہیں آتے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی مومن کسی مہمان کے آنے کی خبر سنکر خوشحال ہو تو خدا اُس کے تمام گناہونکو بخشدیتا ہے۔ اگرچہ اُس کے گناہ بے حد و بیشمار ہوں۔ ایک روز اُس جناب نے گریہ فرمایا۔ اُس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ ایک ہفتہ گزر گیا کہ میرا کوئی مہمان نہیں ہوا۔ اس لئے ڈر رہا ہوں کہ کہیں میرا رتبہ خدا کے نزدیک پست نہوا ہو۔ ابراہیم خلیل اللہ جب غذا تناول کرنا چاہتے تو مہمان کی تلاش میں ایک یا دو میل تک تشریف لیجاتے کہ اُس کے ہمراہ غذا تناول فرمائیں اس لئے اُن کو پدر مہمان کہتے تھے۔ بہت سے اخبار فضیلت مہمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے برادر مومن کو کھانے سے سیر اور پانی سے سیراب کرے تو خدا آتش جہنم سے اُس کو سات درجہ دور رکھتا ہے جو مابین ہر ایک درجہ کے پانسو سال کی مسافت ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی برادر مومن کو کھانے سے سیر کرے تو اُس کا ثواب خالق کے سوا کوئی مخلوق نہیں جانتا۔ نہ ملک مقرب نہ نبی مرسل۔

واضح ہو کہ ثواب مذکورہ اُن اشخاص کیلئے نہیں ہے جو فی زمانہ اکثر اپنے اطراف جماعت اہل دنیا کو بقصد ریا یا تفاخر یا خود نمائی جمع کر کے فضول بکواس اور مسلمانوں کی غیبت اور طرح طرح کی

فضول خرچی کرتے ہیں بلکہ تقربِ خدا و پیروی سنّتِ پیغمبر و دل جوئی و خوشنودیِ مومنین مقصود مہمانی ہو۔ سزاوار یہ ہے کہ فقرا اور نیکوں کی مہمانی کرے۔ اگرچہ اغنیا اور دوسروں کی مہمانی بھی ثواب و فضیلت رکھتی ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ جو شخص مہمانی کرے تو اپنے خویش و اقارب اور ہمسایوں کو نہ بھولے جسپر شرکت مہمانی شاق ہو اس کو تکلیف نہ دے۔ اور غذا کو جلد موجود کرے۔ حدیث میں ہے کہ ہر امر میں جلدی کرنا شیطان کا کام ہے مگر ان پانچ صورتوں میں یہ جلدی کرنا طریقۂ پیغمبراں۔ (۱) مہمان کے واسطے غذا حاضر کرنا (۲) میت کا اٹھانا (۳) دختر باکرہ کا عقد کرنا (۴) قرض کا ادا کرنا (۵) گناہوں سے توبہ کرنا سنّت یہ ہے کہ مہمان کے لئے طعام بقدر کفایت حاضر کرے۔ نہ کم ہو جو موجب نقصان آبرو و مروّت ہے نہ زیادہ کہ مال کا ضائع کرنا اسراف ہے۔ مہمان سے کشادہ روئی و خوش کلامی سے پیش آئے اور بوقت رخصت دروازہ تک اُس کی مشایعت کرے۔ اور مہمان کو کوئی خدمت حوالے نکرے۔ مہمان کے بھی چند آداب ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے برادر مومن کی دعوت کو قبول کرے فقر و غنا میں فرق نرکھے۔ بلکہ فقیر سے بہت جلد وعدہ کرے۔ مسافت کو مانع وعدہ نہ قرار دے۔ مگر اُس حالت میں جبکہ بہت دور ہو۔ حضرت پیغمبر نے فرمایا کہ مسلمان کی دعوت کو قبول کریں اگرچہ پانچ میل کی راہ ہو۔ اگر روزہ سنّتی رکھتا ہو تو اُس کو عذر مہمانی قرار ندے بلکہ میزبان کی خوشنودی ہو تو افطار کرلے۔ ثواب اُس افطار کا روزہ سے زیادہ ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو روزہ دار اپنے برادر دینی کا مہمان ہوا اور اظہار روزہ نکر کے افطار کرے تو خدا اُسکو ثواب ایک سال کے روزوں کا عطا فرماتا ہے بشرطیکہ اُس کی غرض اپنے برادر مومن کا اکرام و سنّت پیغمبر کی متابعت ہو اور شکم پرستی منظور نہو۔ اگر میزبان فاسق یا ظالم یا اُس کی غرض ضیافت سے مباہات و خودنمائی ہو تو

سزاوار یہ ہے کہ وعدہ نکرے ایسا ہی اگر غذا یا مکان یا فرش حرام یا مشتبہ ہو یا وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو مثلاً سونے اور چاندی کے برتن استعمال میں آتے ہوں یا رقص و سرود یا ارتکاب اسراف یا کوئی لہو و لعب ہوتا ہو۔ یا فضول بکواس یا کسی مسلمان کی غیبت ہوتی ہو تو ان تمام میں بہتر و افضل یہ ہے کہ اُس مہمانی میں شریک نہ ہو۔ بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں شرکت مہمانی حرام ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کو سزاوار نہیں کہ اُس مجلس میں شریک ہو جس میں معصیت خدا ہوتی ہو اور منع بھی نکرسکتا ہو۔ جو شخص کسی ظالم کے دسترخوان پر حاضر ہونے کے لئے مجبور ہوا ہو جہانتک ممکن ہو۔ جلد فارغ ہو جائے۔ کم کھائے۔ عمدہ عمدہ غذا کی طرف میل نکرے۔ نیز آداب مہمانی یہ ہیں۔ جب میزبان کے گھر میں داخل ہو تو صدر میں بیٹھنے کا خواہاں نہو بلکہ جہاں اتفاق ہو بیٹھ جائے۔ اگر صاحب خانہ اُس کو جگہ بتلادے تو اُسی مقام پر بیٹھ جائے جہاں سے کھانا لایا جاتا ہے اُس طرف زیادہ نگاہ نکرے۔ جو صاحبین ابتدا سے وہاں بیٹھے ہوں اُن سے تحیت و سلام بجالائے۔ میزبان کے گھر دیر کر کے نہ جائے۔ اُسکو منتظر بھی نر رکھے بلکہ وقت مقررہ پر جائے لیکن ایسے وقت نہ جائے کہ اُس کا مخل ہو۔

چوتھا حقِ معلوم و حقِ حصاد و جداد ہے۔ اور حق معلوم یہ ہے کہ ہر روز یا ہر ہفتہ یا ہر ماہ یا ہر سال اپنا مال فقرا پر تقسیم کیا کرے۔ یا صلۂ رحم بجالائے سوائے اُن کے جو واجبات سے ہیں۔ اور حق حصاد و جداد وہ ہے جو مال زراعت سے کچھ حصہ یا دستہ یا مٹھی گیہوں یا خرما یا میوہ جو بوقت درو خوشہ چننے والوں اور فقرا کو جو حاضر ہوں دیا جاتا ہے اور ہر ایک کے ثواب میں بعید اخبار وارد ہوئے ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدائے تعالےٰ نے مالداروں کے مال سے چند حقوق زکوٰۃ کے سوا مقرر فرمایا ہے جیسا

قرآن میں ہے کہ (فِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ) آدمی اپنے اوراپنے مال پر جو مقرر کرتا ہے وہ زکوٰۃ کے سوا ہے۔ لہذا ہر انسان کو لازم ہے کہ اپنی وسعت و طاقت کے موافق روزانہ یا ہر جمعہ یا ہر ماہ کچھ نہ کچھ فقرا پر بذل واحسان کی عمل آوری کرے۔ اس مضمون میں بھی اخبار بہت ہیں۔ نیز اُسی حضرت سے مروی ہے کہ زراعت میں دو حقوق ہیں پہلا وہ حق کہ اگر ادا نکیا جائے تو اُس کے لئے مواخذہ ہے جسکو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ حق جس کے ادا کرنے میں ثواب ہے۔ اور جس کے متعلق خدائے تعالےٰ فرماتا ہے (وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ) زراعت کا بروز درویعنی زراعت کاٹنے کے وقت دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کاٹنے سے فارغ ہوں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کو میوہ نہ توڑا جائے۔ اور کھیت نہ کاٹا جائے۔ اور تخم نہ بوئیں۔ اور دودہ نہ ہوئیں کیونکہ اگر ایسا عمل کیا جائیگا تو فقرا بے نصیب رہیں گے۔

پانچواں قرض حسنہ۔ نتیجۂ سخاوت ہے۔ اس کا فضل وثواب بیحد ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قرض حسنہ دے تو وصول تک اُس کا مال زکوٰۃ میں ہے۔ نیز وہ خود ملائکہ کے ساتھ بحالتِ نماز ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس۱۰ حصّے اور قرض حسنہ کا ثواب پندرہ۱۵ حصّے ہے اسکو ضائع نکرو۔ دوسری حدیث میں اُسی سرور سے مروی ہے کہ جب کوئی مومن کسی مومن کو عنداللہ قرض دیتا ہے تو وہ اُس وقت تک ثواب صدقہ کا رکھتا ہے جب تک کہ مال اُس کو وصول ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دہندہ ہر وقت اُس کا مطالبہ کرسکتا ہے جب مطالبہ نکرے تو ثواب صدقہ کا اُسکو حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ قرضہ جس میں نفع دنیوی مقصود ہو اُس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

چھٹا۔ قرضدار کو مہلت دینا یا معاف کرنا جبکہ وہ نادار ہو۔ اُس کی بھی زیادہ فضیلت ہے بلکہ از قسم واجبات۔ حضرت پیغمبر نے ایک روز تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ وہ کون ہے کہ خدا تعالے جسکو شعلۂ جہنم سے بچاکر اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے۔ ہر مرتبہ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے ہیں۔ فرمایا وہ شخص ہے جس نے اپنے قرضدار کو مہلت دی ہو یا اپنے حق سے دست بردار ہو گیا ہو۔ اس خصوص میں بہت اخبار آئے ہیں۔ لہذا اہل ایمان پر لازم ہے کہ جو مطالبہ کسی پر ہو اور وہ ادا نکر سکتا ہو تو اسکو مہلت دے۔ اُس کو ادائی کے لئے مجبور نکرے جیساکہ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کا ایک دینار کسی مفلس و نادار پر باقی نکلتا ہو تو اُس کو تنگ اور اُس پر اس قدر تقاضہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی راہ آمد و رفت سد و دکرتا ہے ہر کسی سے اُس کی غیبت کی جاتی ہے اُسکو ایذا و تکلیف پہنچائی جاتی ہے کبھی اُس کو اس قدر زد و کوب و زخمی کیا جاتا ہے کہ جس سے دیت لازم ہو جائے۔ نیز اُس مال خسیس کی وجہ سے افعال حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ساتواں مسلمانوں کی اعانت کرنا مثلاً لباس پہنانا یا رہنے کو مکان دینا یا کسی مرکب پر سوار کرنا یا اور طرح کا سلوک وغیرہ۔ ان تمام کا ثواب و فضیلت بے انتہا و بحد ہے۔

آٹھواں۔ حفاظت آبرو و رعایت حرمت کے واسطے اور شریروں کے شر و فساد اور ظالموں کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے کسی چیز کا دینا بھی از قسم ثمرۂ سخاوت ہے بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ بخل کے باعث طرح طرح کی ذلت و خواری اُٹھاتے ہیں اور اپنی آبرو کو برباد کرتے ہیں بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حفاظت آبرو میں مال کا دینا حکم صدقہ کا رکھتا ہے۔

نواں۔ مسجد۔ مدرسہ۔ پُل و مسافرخانہ بنانا یا باغ تیار کرنا یا ان کے مانند کوئی اور کام کرنا

جس کا اثر زمانہ میں قائم و باقی اور عرصہ بعید تک اُس کا نفع روز بروز بعد مرنے کے بھی حاصل ہوتا رہے۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ چھے چیزیں ہیں کہ جن کا فیض و ثواب مرجانے کے بعد مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ (۱) وہ فرزند جو طالب آمرزش کرتا ہے (۲) وہ کتاب جو اپنے بعد چھوڑ جائے۔ (۳) وہ درخت جس کو زمین میں بویا ہو (۴) کنوئیں لگانا (۵) وہ صدقہ جاریہ جس کا ثواب ہمیشہ ملتا رہے۔ مثلاً مدرسہ۔ پل۔ مسافرخانہ کا وقف کر دینا (۶) وہ طریقۂ نیک کہ اُس کے بعد اُس پر دوسرے کار بند ہوں۔

(چھٹی صفت۔ مذمّتِ مالِ حرام میں جسمیں تین فصلیں ہیں)

صفاتِ رذیلہ قوتِ شہویہ میں سے مالِ حرام کھانا اور اُس سے اجتناب نکرنا ہے یہ بھی نتیجہ محبّتِ دنیا و حرص ہے یہ مہلکہ عظیم مانع وصولِ سعادت ہے۔ اس کی وجہ سے بہت اشخاص کی ہلاکت واقع ہوی اور اکثر اُسی کے واسطہ سے فیضِ سعادتِ ابدیہ سے محروم رہے۔ راہ توفیق کی کوئی سد اس سے زیادہ مضبوط اور کوئی حجاب اس سے زیادہ مانع چہرۂ تائید نہیں۔ اگر کوئی شخص تامّل کرے تو معلوم کر سکتا ہے کہ روزی حرام ایک ایسا حجاب ہے جو عالم انوار سے انسان کے سراچۂ دل کو دور کر دیتا ہے۔ اسی سے تیرگی ظلمتِ خباثت و غفلت پیدا ہوتی ہے اسی کے ذریعہ سے نفس انسان ہلاکت و ضلالت میں داخل ہوتا ہے (هُوَ الَّذِیْ اَنْسَاهَا عُهُوْدَ الْحُمٰی وَهُوَ الَّذِیْ اَهْوَاهَا فِیْ مَهَاوِی الضَّلَالَةِ وَالرَّدٰی) یہی صفت انسان کو عہد پروردگار بھلا دیتی ہے اور گمراہی و سرگردانی میں شیاطین کے ساتھ ہم آغوش کر دیتی ہے۔ بیشک وہ دل جس نے لقمۂ حرام سے پرورش پائی ہو کہاں۔ اور قابلیتِ انوارِ عالم قدس کہاں جس نطفۂ انسان نے مالِ حرام سے تربیت پائی ہو اُسکو مرتبۂ بلند محبت پروردگار سے کیا کام۔

جس دل کو غذائے حرام کے بخارات نے تاریک کر دیا ہو اُسپر روشنی عالم انوار کی جھلک کیونکر
پڑیگی جس نفس کو کثافتِ مال مشتبہ نے آلودہ اور کثیف کر رکھا ہو اُس کو پاکیزگی و صفائی
کس طرح حاصل ہوگی۔ اسی وجہ سے حاملینِ شرع و امنائے وحی ملک علّام نے اُس سے
نہایت اجتناب کرنے کے لئے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے
کہ بیت المقدس کے دروازہ پر ہر رات ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ جو شخص مالِ حرام کھائیگا
تو خدا اُس کے کسی فعل سنّت اور واجب کو قبول نہیں کریگا۔ نیز اُسی حضرت سے مروی ہے کہ
جو شخص ہر ایک طریقہ سے مال حرام پیدا کرتا ہو تو خدا بھی اُس کو ہر ایک دروازہ سے جہنم میں
داخل کریگا۔ اور فرمایا کہ جس جسم کے گوشت نے مال حرام سے ترقی پائی ہو اُس کے لئے آتش جہنم
ہی سزاوار ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص کسی طریقہ سے مال پیدا کرکے اُس سے صلۂ رحم بجا لائے
یا تصدق کرے یا راہ خدا میں دے تو خداوند عالم اس مال کو آتش جہنم میں ڈالتا ہے۔ اور
ایسے مال کا تصدق بھی قابل قبول نہیں۔ اگر دنیا میں چھوڑ جائے۔ تو وہ توشہ راہ جہنم قرار
پائیگا اور وہ باعثِ عذاب ہوگا۔ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص آمدنی
کسب حرام سے حج کرتا ہے۔ اور جب (لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ) کہتا ہے تو خطاب ہوتا ہے
کہ (لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ) بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ روز قیامت بندہ کو میزان
اعمال کے قریب لائیں گے۔ اُس کے اعمال مانند کوہ عظیم کے ہونگے۔ جب اُس کو مقام محاسبہ
میں کھڑے کرکے سوال کرینگے کہ مال کہاں سے پیدا کیا۔ اور کس کس امر میں خرچ کیا۔ اور اپنے
عیال کے ساتھ کیا برتاؤ رکھا۔ اور اُن کے کیا کیا حقوق ادا کئے۔ اسی طرح تمام اعمال حسنہ
کا حساب کیا جائیگا۔ کوئی عمل نیک اُس کے لئے باقی نہ رہے گا۔ پس ملائکہ ندا کریں گے کہ
(هٰذَا الَّذِیْ اَکَلَ عِیَالُهٗ حَسَنَاتِهٖ) یہ وہ شخص ہے کہ جس کے عیال نے اُس کے

حسنات کو کھالیا اور وہ اعمال حسنہ سے تہیدست ہو کر گرفتار ہوا ہے۔ وارد ہے کہ بروز قیامت اُس کے اہل و عیال اُس کو مقام محاسبہ میں کھڑے کر کے پروردگار کے سامنے عرض کرینگے کہ اے پروردگار ہمارا عوض اس سے لے۔ کیونکہ ہم احکام شریعت سے جاہل تھے۔ اس نے ہم کو تعلیم نہیں کی اور غذاے حرام ہمکو کھلائی۔ ہم اس کی اصلیت سے واقف نہ تھے۔ لہذا جو شخص طالب نجات و مشتاق وصول سعادت ہو اُس کو اس طرح مال حرام سے بھاگنا چاہیئے جیسا کہ شیر درندہ و مار گزندہ سے بھاگتے ہیں۔ آہ آہ اس زمانے میں کون ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آب باران و گیاہ بیابان کے سوا کوئی چیز حلال نہیں معلوم ہوتی۔ جو چیز نظر آرہی ہے۔ ہمارے دشمن نے اسکو حرام کر دیا ہے۔ معاملات فاسد ہمکو فاسد کئے ہوئے ہیں۔ کوئی ایسا درہم و دینار نہیں جو غاصبین کے دست تصرف میں اور ظالموں کے کیسہ میں نہ گیا ہو۔ اکثر مقامات کا پانی اور زمینات غصبی ہیں پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ بطور حلال کوئی قوت لایموت پیدا کی جا سکے۔ افسوس صد افسوس کیا آپ سوداگروں کو نہیں دیکھتے کہ اُن کا معاملہ اکثر اہل ظلم و دشمنان دین و ایمان سے ہے۔ کیا آپ اکثر صاحب اعمال کو ملاحظہ نہیں کرتے کہ اُن کا مال حاکم و پادشاہ کے مال میں مخلوط ہو گیا ہے۔ حاصل کلام اس زمانہ میں طریقہ کسب حلال مفقود ہے اور وصول مال حلال مسدود جس کے باعث دین ویران ہے اور گلشن ایمان و بران۔ اسی زمانہ پر منحصر نہیں بلکہ اکثر زمانہ سابقہ کی ایسی ہی حالت رہی ہے اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں بندہ مومن کی خوراک مضطر کی خوراک ہے۔ باوجود ان تمام موانعات کے طالب نجات کو چاہیئے کہ حصول حلال سے مایوس نہو۔ اور اپنے ہاتھ اور پیٹ کو طرح طرح کی غذا سے نہ بھرے۔

فصل (۱)

اقسام مال اور ہدیہ و رشوت کا فرق۔

جاننا چاہیئے کہ مال کی تین قسمیں ہیں (۱) حلال واضح۔ (۲) حرام واضح (۳) مال مشتبہ۔ ان میں ہر ایک کے مدارج بہت ہیں کیونکہ مال حلال اگرچہ کہ وہ کامل طور پر بہتر و پاک ہو لیکن بعض سے بعض زیادہ پاک و بہتر ہے۔ ایسا ہی مال حرام اگرچہ کہ وہ کلیتاً خراب و بد ہے مگر بعض سے بعض زیادہ تر خراب و بد۔ جیسا کہ کوئی شخص بطریق معاملہ فاسد یا وجود تراضی طرفین مال حاصل کرے تو حرام ہے لیکن اس مال کے مقابلے میں وہ مال جو کسی یتیم نابالغ سے بطور قہر و عدوان حاصل کیا جائے حرام تر ہے۔ اسی طرح تمام مال مشتبہ مکروہ ہے۔ مگر بعض کی کراہت بعض سے شدید تر ہے۔ مثلاً بقول طبیب حلوا گرم ہے لیکن بعض پہلے درجہ میں۔ بعض دوسرے درجہ میں۔ بعض تیسرے درجہ میں بعض چوتھے درجہ میں گرم ہوتا ہے۔ اسی طرح صفائی و پاکیزگی مدارجِ حلال و کراہتِ مال مشتبہ کی ہے۔ مال حرام کی تین قسمیں ہیں (۱) یہ کہ بذاتہ وہ حرام ہو۔ مثلاً سگ و خوک و خاک وغیرہ (۲) یہ کہ اُس صفت کے سبب سے جو عارض ہوی ہے حرام ہوگیا ہو۔ مثلاً کسی کھانے میں زہر ملا دیا جائے (۳) یہ کہ اُس نقص و خلل کے سبب سے جو لینے اور دینے میں واقع ہوا ہو۔ اُس کی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً بطریق ظلم و جور۔ غضب۔ دزدی۔ خیانت۔ مکر حیلہ و تلبیس کم فروشی۔ یا نیز وہ ذرائع جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مال حاصل کیا جائے ہر ایک خصوص میں سخت خرابی ظاہر کی گئی ہے جن کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ رشوت اور ہدیہ کی ایک ہی صورت مشتبہ ہے اس لئے اس کا بیان ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے واضح ہو کہ جو چیز اس نام و طریقہ سے ایک شخص دوسرے کو دیتا ہے یا بھیجتا ہے اُس کی چند صورتیں ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) جو چیز اپنے برادر دینی کے لئے بقصد اظہار دوستی و محبت بھیجی جائے تو ایسی صورت میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہدیہ ہے اور حلال ہے خواہ اُس سے ارادہ حصول ثواب آخرت ہو یا نہ ہو۔

(۲) یہ کہ کسی چیز کے ارسال کی غرض یہ ہو کہ اُس سے زیادہ یا برابری کا عوض حاصل کیا جائے مثلاً کوئی فقیر کسی غنی یا غنی کسی غنی کے لئے ہدیہ بھیجے۔ یہ قسم بھی ہدیہ کی ہے مگر حقیقتاً یہ ہبہ ہے۔ بشرطیکہ اُس کا عوض ادا کیا جائے۔ نیز اُس کی طمع و امید برلائی نہ جانے پر بھی حلال ہے جیسا کہ بمقتضائے ادلّہ و مفاد بعضے اخبار سے پایا جاتا ہے کہ اگر اُس کی طمع بھی پوری نہ کی جاسے تو حلال ہے۔ جیسا کہ مروی ہے۔ اسحٰق ابن عمار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کوئی فقیر اس غرض سے میرے لئے ہدیہ بھیجے کہ میں اُس کا عوض دوں۔ میں اُس کے ہدیہ کو قبول کرتا ہوں مگر کوئی چیز اُس کو نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں آیا وہ ہدیہ میرے لئے حلال ہے۔ فرمایا ہاں ! حلال ہے ۔ لیکن اُس کا عوض عطا کر۔ اور احوط یہ ہے کہ بصورت عدم ادائے عوض اُس کے قبول سے اجتناب کرے۔ اور جب کوئی شخص ہدیہ دیکر ایسے عوض کا خواستگار ہو۔ جو مقابل کی ملکیت نہیں بلکہ دوسروں نے اُسے فقرا کو تقسیم کرنے کے لئے دے رکھا ہے مثل خمس و زکوٰۃ و صدقات وغیرہ اُس کے متعلق بعض کا نتیجہ کلام یہ ہے کہ اگر بصورت عدم ارسال ہدیہ بھی اُس کو وہ چیز ضرور دیجاتی تو ایسی حالت میں اُس ہدیہ کا قبول کرنا حلال ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اُس کے قبول سے بھی اجتناب کرے۔

(۳) یہ کہ جب کسی چیز کے بھیجنے سے اُس کا یہ مقصد ہو کہ اُس کے کام میں اعانت و امداد کیجائے خواہ وہ کام حرام ہو یا واجب۔ یہ ہدیہ نہیں کھلاتا بلکہ رشوت ہے۔ اس کا قبول

کرنا حرام ہے۔ اور اگر وہ عمل مباح ہو تو اُس کے ہدیہ کا قبول کرنا کوئی ضرر نہیں رکھتا۔

(۴) یہ کہ بھیجنے والے کی غرض حصول دوستی و محبت ہو لیکن اس دوستی و محبت کے پیرایہ میں یہ منظور ہو کہ اُس کے جاہ و مرتبہ کے ذریعہ سے اپنے بعض مطالب کو حاصل کرے اگر وہ جاہ و مرتبہ اُس کو حاصل نہ ہوتا تو وہ اُس کے لئے کوئی چیز نہ بھیجتا۔ پس اگر اُس کے مطالب غیر مشروعہ کے حصول کی غرض ہو تو اُس کے رشوت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اُس کا قبول کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر اُس کا مطلب امور مشروعہ کے متعلق ہو یا اُس کی غرض معلوم نہ ہو تو ظاہر یہ ہے کہ حرام نہ ہوگا۔ اگرچہ اُس کا قبول کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ہدیہ رشوت کی صورت رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے کسی کو عامل قریہ کر کے روانہ فرمایا کہ زکوٰۃ جمع کر کے لائے جب وہ واپس آیا تو اُس جمع شدہ میں سے کچھ حصہ اپنے یہاں اُس نے رکھ لیا اور کہا کہ یہ ہدیہ مجھکو دیا گیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیرا بیان سچ ہے تو کس لئے اپنے گھر نہیں بیٹھا کہ تیرے لئے لوگ ہدیہ لایا کریں نیز فرمایا کہ جب کسی کو حاکم و والی و قاضی مقرر کیا جائے اس کو اور نیز اُن کو جو عمال سلاطین ہیں سزاوار یہ ہے کہ اپنے کو منصب و خدمت مفوضہ سے معطل و بیکار تصور کیا کریں اور ایسی حالت میں اگر اُن کو کوئی ہدیہ ملتا تو حالت حکومت میں اُس کو قبول کیا کریں اور بصورت عدم خدمت و معطلی نہیں مل سکتا تو اس وقت میں بھی اُس کو قبول نہ کریں۔

فصل (۲)

مال حرام سے پرہیز کرنے کی فضیلت اور اُسکے حصول کی شرافت

ورع کے ایک معنے یہ ہیں کہ مال حرام سے اجتناب کیا جائے اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ اپنے کو گناہوں سے باز رکھا جائے اور نیز نفس کو اُن چیزوں سے جو اُس کے لئے سزاوار نہیں ہیں روکا جائے۔ در اصل تقویٰ و ورع کے ایک ہی معنے ہیں اور تقویٰ بھی ہر دو معنی

مذکور الصدر پر صادق آتا ہے۔ پس حصولِ مال حرام کی ضدِ خاص معنی میں ورع وتقویٰ ہے۔ اور معنی عام میں ورع وتقویٰ ضد معصیت کو کہتے ہیں۔ بہر حال کوئی شبہ نہیں کہ ورع وتقویٰ بہتر وامرِ عظیم باعث نجات ہے جس سے انسان مرتبۂ سعادت پر فائز ہوتا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم سے مروی ہے کہ جو شخص حالت ورع میں خدا سے ملاقات کریگا تو کہ خدائے تعالےٰ اُس کو اسلام کا کُل ثواب عطا فرمائیگا۔ بعض کتب آسمانی میں وارد ہے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا کہ میں صاحبان ورع سے شرمندہ ہوں کہ اُن کا محاسبہ لوں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ہمارا دوست نہیں جس نے پرہیزگاری اور خدا کی اطاعت نکی۔ لہذا معصیت سے پرہیز کیجئے۔ اور اعمال نیک بجا لائیے۔ اس امید پر جسکی نسبت خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ جو لوگ پرہیزگار و مطیع احکام خدا ہیں وہی اُس کے دوست ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اُس مرتبہ کو نہیں پاسکتا جسکے متعلق خدا نے وعدہ فرمایا مگر ورع سے۔ نیز فرمایا کہ بہ تحقیق خدا اُس شخص کا ضامن ہوتا ہے۔ جو معصیت سے پرہیز کرتا ہو۔ اور جس حالت سے کراہت رکھتا ہو اُس کو اُس حالت پر جسکو وہ دوست رکھتا ہو بدل دیتا ہے اور اُس کو اُس جگہ سے روزی عطا کی جاتی ہے جہاں کا اُس کو گمان و اندیشہ تک نہو۔ اور فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ عمل کم بہتر ہے اُس عمل زائد سے جو بغیر تقوے کے کیا جائے۔ نیز اُس حضرت سے مروی ہے کہ خدائے تعالےٰ جب کسی بندہ کو ذلتِ عصیان سے عزت تقوے پر سرفراز کرتا ہے تو اُس کو بغیر مال کے غنی اور بغیر قبیلہ کے عزیز کرتا ہے اور بغیر کشادہ روئی کے خلق میں محترم فرماتا ہے۔ مال حرام کا کھانا اور اُس سے پرہیز نکرنا باعث ہلاکت ہے۔ اور تقوے و ورع پر ہی وصول سعادت موقوف و منحصر ہے۔ چونکہ دنیا میں انسان کو خوراک و پوشاک و مکان وغیرہ کی ضرورت

ہوتی ہے۔ اس لئے تحصیل مال حلال کی فضیلت میں بے انتہا اخبار وارد ہوے ہیں یہانتک کہ حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ ہر مرد مسلمان اور ہر عورت مسلمہ پر طلبِ روزیِ حلال واجب ولازم ہے۔ جو شخص تلاشِ روزی حلال کے باعث خستہ ہو کر اپنے مقام پر آتا ہے تو گویا وہ بخشا جا کر داخل بہشت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ عبادت کے ستر جزو ہیں اُن کے منجملہ نو جزو طلب روزی حلال ہیں۔ فرمایا کہ جو شخص اپنے پیشہ وصنعت ومحنت اور مزدوری سے روزی حلال پیدا کر کے بسر کرے تو اُس پر تمام دروازے بہشت کے کھولدئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے وہ داخل بہشت ہو۔ اور بروز قیامت اُس کا شمار پیغمبروں میں ہوگا۔ اور اُسکو پیغمبروں کا ثواب عطا کیا جائیگا۔ حضرت پیغمبر صلعم جب کسی مرد کو ملاحظہ فرماتے اور اُس سے خوش ہوتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی کسب وپیشہ رکھتا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ نہیں تو فرماتے کہ میری نظر سے گر گیا۔ عرض کیا گیا کس وجہ سے۔ فرمایا کہ جب بندۂ مومن کا کوئی کسب نہو تو وہ اپنا مدار ومعاش دین پر کرتا ہے۔ اُسی حضرت سے مروی ہے کہ جو شخص چالیس روز تک روزی حلال کھائے تو خدائے تعالےٰ اُس کے دل کو روشن اور حکمت کو اُس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔ ایک روز بعض اصحاب نے اُس جناب سے درگاہ خدا میں دعا قبول ہونے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا کہ اپنی غذا کو پاک وحلال کریں کہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔

فصل (۳) مال حلال وحرام کے اقسام

واضح ہو کہ آمدنی حلال کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) وہ چیز جو مباح ہو اور کسی مالک سے نہ لی گئی ہو۔ مثلاً معدنیات۔ حرمتِ اراضی اموات۔ صید حیوانات۔ ہیمہ کشی۔ آب کشی وغیرہ بشرطیکہ کسی نے اُس پر تصرف نہ کیا ہو۔ اور اُن اشخاص کا مال نہو جو موجب شرع محفوظ ہے

جن کی تفصیل درباب احکام احیاءِ اموات کتب فقہ میں کی گئی ہے۔

(۲) وہ شخص جو مال حلال رکھتا ہو اُس سے بقہر وغلبہ حاصل کیا جائے۔ مثلاً غنیمت کفار حربی واموال کفار حربی۔ یہ بھی اہل اسلام کے لئے اُن شرائط سے جائز ہے۔ جو بیان غنیمت وجزیہ میں کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

(۳) جو مال بموجب احکام شرع یا برضامندی مالکِ زندہ یا مردہ کے بلاعوض دوسرے نے منتقل ہوا ہو۔ مثلاً صدقہ بخشش۔ مبرات۔ جبکہ شخص اوّل الذکر نے بھی بطریق حلال حاصل کیا ہو بشرطیکہ باقی شروط ہبہ ووراثت ووصیت وصدقہ مندرجہ کتب فقہ اُسمیں موجود ہیں۔

(۴) جو مال بطریق معاوضہ ورضامندی حاصل کیا گیا ہو۔ جبکہ تمام شرائط وآداب معاملات بیع وسلم واجارہ وصلح وشرکت وجعالہ کے اُسمیں پائے جائیں۔

(۵) آمدنی نسل حیوانات وزراعت سے جو مال ہمدست ہو بشرطیکہ زمین وتخم وآب بطور حلال حاصل کئے گئے ہوں اور نیز کسب وصنعت۔ محنت اور مزدوری سے پیدا کیا جائے بموجب فتوائے عادلِ حی جامع الشرائط کے وہ تمام اسی مداخل حلال میں تصور کیا جاتا ہے۔ جو مال ان اشکال میں نہ آتا ہو یا اُس کے آداب وشروط اُس پر صادق نہ آتے ہوں تو وہ مال حلال نہیں۔ لہٰذا طالب سعادت ونجات آخرت کو لازم ہے کہ کوئی حرفہ وکسب اختیار کرے۔ اور اُس کو ذریعۂ معاش قرار دے۔ یا مستقل آمدنی یا ایسا سرمایہ جسکو دوسروں نے پیدا کیا ہے اُس کے ذریعہ سے اپنی زندگی بسر کرے۔ بعض ایسے ہیں کہ کوئی سرمایہ وآمدنی مستقل نہیں رکھتے اور کوئی کسب وصنعت بھی نہیں سیکھتے یا بعد سیکھنے کے حصولِ وجہ معاش میں کاہلی کرتے ہیں۔ اور محتاج رہتے ہیں۔ اور بعض صاحبانِ کسب وہنر سے

بھیک مانگ مانگ کر اپنے صرف میں لاتے ہیں یہی وہ جماعت ہے کہ جس نے اُن دو اشکال مندرجۂ ذیل میں سے کسی ایک ذلیل شکل کو اختیار کیا ہے۔

پہلا۔ دزدی۔ **دوسرا** گدائی۔ اور اُن دونوں اشکال میں سے ہر ایک کے اقسام مختلف ہیں۔

پہلی قسم۔ وہ چور جو آپس میں متفق ہو کر لوٹ مار اور راہزنی کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ سلاطین و وزرا و حکّام سے تعارف و توسّل پیدا کر کے رعایا پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور اس طریقہ سے رعایا کے مال کو کھاتے ہیں۔ اگر یہ طریقہ میسّر نہ ہو تو نقب لگاتے اور کمند ڈالتے ہیں اور گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔

دوسری قسم۔ گدائی۔ ان کے بھی چند قسمیں ہیں۔ بعض اپنے کو ظاہرا اندھا یا مفلوج یا مریض بناتے ہیں۔ بعض نے گریہ و زاری اختیار کی ہے کہ اس حیلہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔ بعض عجیب و غریب امور اور عمدہ عمدہ گفتگو سے اپنے بازار گدائی کو رونق دیتے ہیں۔ بعض مسخرگی اور ہنسی کے فقرے بیان کرتے ہیں۔ بعض خوشامد اور چرب زبانی۔ بعض نے شعبدہ بازی و قصّہ خوانی و قلندری اختیار کی ہے۔ بعض نے عمدہ عمدہ اشعار خوانی کو اپنا شعار قرار دیا ہے یا کلام مسجّع راگ کی صورت بخیال نفع پڑھا کرتے ہیں۔ بعض نے ریا سے جامہ پشمینہ زیب تن کر کے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں لیکر ذکر خدا کو اپنا وسیلۂ معیشت بنایا ہے۔ بعض نے مدرسی یا ذکر مصائب یا پیش نمازی یا قرآن خوانی کو ذریعۂ معاش قرار دیا ہے۔ بعض نے اپنا نام حکیم یا جرّاح مشہور کر رکھا ہے اور بہت سے شیشے اور جڑی بوٹی جمع کی ہے اور معجون و ادویات و عرقیات بناتے ہیں کہ عورتوں اور بے وقوف مردوں کو فریب دیا جائے۔ بعض رمّال و منجّم بنکر علم غیب یعنے گزشتہ و آئندہ کی خبر دیتے ہیں۔ بعض فال دیکھتے ہیں۔ بعض دعاء

تعویذ لکھتے ہیں بعض تعبیر خواب دیتے ہیں بعض نے اپنے کو واعظ بنایا ہے حالانکہ وہ خود اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔ بعض پیشۂ گدائی اختیار کر کے دوسرے کا مال و زر کھاتے ہیں اور اسی میں اپنی تمام عمر صرف کر چکے ہیں اور مبدء و معاد و مقصود پیدائش و ایجاد سے غافل ہیں

(ساتویں صفت۔ خیانت و غدر کی مذمت)

واضح ہو کہ جب کوئی شخص کسی کا مال بلا علم و اطلاع و خلاف مرضی اُس کے اور کم فروشی و مکر و حیلہ و عداوت وغیرہ سے بغیر عذر شرعی کے رکھ لے یا کھا جائے تو اُسے خیانت کہتے ہیں۔ اس تعریف میں کسی کی ناموس یا حرمت و آبرو میں خیانت کرنا بھی داخل ہے۔ یہ صفت مہلکہ و اخلاق خبیثہ میں سے ہے۔ خصوصاً اس کی مذمت میں بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں اس صفت بد کی ضد امانت داری و راست بازی ہے۔ یہ تمام صفاتِ نیک سے بزرگ اور ملکات سے افضل اور باعث عزت و رستگاری دنیا و آخرت ہے۔

راستی کن کہ راستاں رستند　　　در جہاں راستاں قوی دستند

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائے تعالٰی نے ہر ایک پیغمبر کو راست گوئی و امانت داری پر مبعوث کیا۔ نیز اُسی بزرگوار سے مروی ہے کہ نماز و روزہ پر ہر کسی کے فریب نہ کھاؤ بلکہ راست گوئی اور امانت داری پر اُن کا امتحان کیا جائے۔ اسی حضرت سے منقول ہے کہ علی ابن ابیطالبؑ حضرت رسولؐ کے نزدیک جس مرتبہ پر فائز تھے وہ راست گوئی و امانت داری تھی۔ نیز فرمایا تین امور ہیں کہ جن میں سے کسی کا عذر ترک مسموع نہو گا۔ (۱) امانت داری خواہ وہ نیک ہو یا فاجر (۲) ایفائے وعدہ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر (۳) نیکی بہ والدین خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ اور فرمایا کہ جو شخص ان چار صفات (۱) راستی (۲) امانت داری (۳) حیا (۴) حسن خلق سے متصف ہو اُس کا ایمان کامل ہے اگرچہ کہ وہ گناہوں میں بھرا ہوا ہو۔ تجربہ کیا گیا ہے

کہ خیانت کنندہ تنگدست و پریشاں روزگار رہتا ہے اور امانت دار غنی و مالدار۔

آٹھویں صفت۔ بیہودہ گفتگو کی مذمت اور اُسکا علاج

واضح ہو کہ بیہودہ گفتگو سے گناہوں اور بدکاری کے بیانات و اشکال مندرجۂ ذیل مراد لیئے گئے ہیں۔

(۱) بیانِ افعالِ زنانِ فاحشہ۔
(۲) کیفیتِ مجالس شراب و طریقۂ فسق و فجور۔
(۳) حالتِ اسراف بیجا۔
(۴) ذکر تکبّر و تجبّر بادشاہان اور اُن کی عادت۔
(۵) حکایتِ اہلِ بدعت و مذہبِ فاسدہ وغیرہ۔

چونکہ اقسام خیالات باطلہ اور گناہوں کی انتہا نہیں ہے اسلئے اُن سے خلاصی ممکن نہیں ہے۔ حضرت پیغمبر سے مروی ہے کہ آدمی زیادہ تر بدوہ ہے جو اپنے گناہوں کا اظہار اور اُن کے تفصیلی واقعات کو بیان کرے۔ ایک انصار کا کسی ایسی مجلس میں گزر ہوا جس میں گناہوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ وضو کر و کیونکہ جو امور بیان کئے جارہے ہیں وہ حدث سے بدتر ہیں۔ محض خواہش نفسانی سے بغیر ضرورت کے امور باطلہ کا بیان کرنا گناہ ہے۔ یہ غیبت۔ سخن چینی۔ فحش۔ دشنام دہی کے مانند ہے۔

(نویں صفت۔ سخنان بیفائدہ کی مذمت اور اقسام و معالجہ)

واضح ہو کہ سخنان بیفائدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ باتیں اور گفتگو جن سے نہ کام دنیا کا نکلے نہ آخرت کا۔ اگرچہ یہ حرام نہیں لیکن نہایت بد ہے۔ کیونکہ انسان کی اوقات جو سرمایۂ تجارت آخرت ہے ضائع ہو جاتی ہے۔ اور ذکر خدا و فکر صنائع پروردگار سے باز رہتے ہیں۔ ایک

لا الٰہ الا اللہ یا سُبحان اللہ کہنے سے ایک قصر اُس کے لئے بنا کیا جاتا ہے یا ایک
نہر سے دریاے الٰہیہ کا ایک دروازہ اُس کے خانۂ دل پر کھولدیا جاتا ہے۔ پس وہ کس قدر
بدبخت ہے کہ ایک خزانہ کو چھوڑکر اُس کے عوض میں ایک مٹی کا ڈھیلا حاصل کرے جس سے
کوئی نفع نہو۔ جو شخص ذکر خدا و فکر عجائبات قدرت پروردگار کو ترک کے بیفائدہ نقل و حکایات
کے بیان میں مصروف ہو گو اُس نے کوئی گناہ نکیا ہو لیکن بہت سے فوائد اُس کے اختیار
سے نکل گئے۔ غور کیجئے کہ جب بندہ کا سرمایہ اُس کی اوقاتِ عزیز ہے اُس کو بیکار صرف کردیا جاے
اور اُس سے کوئی منفعت اُس درماندگی کے لئے جو آنے والی ہے ذخیرہ نکیا جاے تو گویا
اُس بندہ نے اپنے سرمایۂ حیات کو ضائع کیا۔ علاوہ اس کے اکثر ہوتا ہے کہ جب فضول
باتیں شروع ہوتی ہیں تو اُسی سلسلۂ گفتگو میں گناہ۔ جھوٹ۔ غیبت وغیرہ کا ذکر آجاتا ہے
اسی وجہ سے اس خصوص میں نہایت مذمت وارد ہوئی ہے۔ مروی ہے کہ جنگ احد
میں اصحاب پیغمبر میں سے ایک لڑکا شہید ہوا جو بسبب گرسنگی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا
جب اُس کی ماں اُس کے رخسار کو مٹی سے پاک کرکے کہتی تھی کہ تجھکو بہشت مبارک ہو۔
اُس وقت حضرت نے فرمایا کہ تو جانتی ہے کہ اُسکو بہشت ملیگا۔ شاید اُس نے فضول
باتیں کی ہوں۔ بعض اصحاب نے کہا کہ بعض اوقات کسی شخص کی بات کا جواب دینے پر
آبِ سرد کی طرح رغبت ہوتی ہے مگر اُس کا جواب اس خوف سے نہیں دیتا ہوں کہ کہیں
کوئی فضول بات میرے منہ سے نہ نکل جاے۔

واضح ہو کہ بیفائدہ باتیں اور بکواس کے اقسام بہت ہیں۔ اور طریقہ کلام نیک یہ ہے
کہ کوئی ایسی بات یا گفتگو کریں کہ کسی قسم کا گناہ نہ ہو اور نہ کوئی ضرر دنیوی ہو اور نہ کوئی
کام معطل و معلق رہے۔ حسب طریقۂ مندرجۂ ذیل جو کلام یا گفتگو کی جاتی ہے وہ لغو و فضول ہے

مثلاً حالاتِ سفر کو دوستوں سے کہنا اور جو کچھ سفر میں دیکھا گیا یا جو واقعہ پیش آیا اُس کا بیان کرنا یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے بیان نکرنے سے کوئی دنیوی نقصان ہے نہ دینی اور کسی کو اس تذکرہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر نہایت کوشش کے ساتھ بھی بلا کم و کاست سچ سچ بیان کریں اور خودستائی و تفاخر اور کسی کی غیبت یا مذمت منظور نہو تاہم وہ اپنے وقت کو ضائع و تلف اور اپنے دل کو افسردہ و تاریک کرتا ہے۔ کیونکہ گفتگوئے فضول باعثِ کدورتِ دل ہے۔ اے صاحبو؟ اپنا وقت عزیز تہیۂ سفرِ عقبیٰ میں صرف کیجئے۔ کیونکہ کاروانِ عمر بہت تیز رواں ہے۔ جس سے ہم مسافروں کو سامان آخرت کے مہیا کرنے کی فرصت تک نہیں اور آئندہ ہمکو سفرِ آخرت راہِ ہولناک درپیش ہے اور موت پیچھے سے آہستہ آہستہ چلی آرہی ہے۔ ایک طرف شیطان راہزن تاک میں بیٹھا ہوا ہے پھر کیونکر ہم آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ اور فضول باتوں میں مشغول ہوسکتے ہیں اور آئندہ و گزشتہ کاموں کا خیال کرسکتے ہیں۔ دوستوں کی صحبت کس طرح پسند آسکتی ہے واضح ہو کہ جیسا بالمشافہ گفتگوے بیفائدہ کرنا سبب خرابی ابد ہے ویسا ہی کسی سے فضول دریافت و سوال کرنا بیکار و مذموم۔ بلکہ اُس کی مذمت زیادہ اور اُس کا نقصان نہایت بد ہے۔ کیونکہ سوال کرنے میں سوال کنندہ و جواب دہندہ دونوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ بھی اُس وقت جبکہ اُس سوال سے کوئی آفت و خرابی واقع نہوتی ہو اگر اُس کے جواب میں کوئی آفت و خرابی پیدا ہو تو سوال کنندہ آثم و گناہگار ہوگا۔ مثلاً اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ روزہ سے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو ممکن ہے کہ اُس کا یہ قول ریا میں داخل ہو جائے (غالباً آپ جانتے ہونگے کہ ریا کے باعث عملِ حسنہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ نیز عبادت پوشیدہ کا بہ نسبت عبادت آشکارا کے

ثواب زیادہ ہے) اگر وہ شخص کہتا ہے نہیں، تو جھوٹ ہوتا ہے۔ اگر ساکت رہتا ہے تو سوال کنندہ کی اہانت ہوتی ہے۔ اسی طرح اور امور ہیں جن سے جواب دینے والے کو خجالت و شرم لاحق ہوتی ہے۔ یا اُن امور کے متعلق سوال کرنا جن کے اظہار میں کوئی امر مانع ہو جیسا کوئی شخص کسی سے آہستہ بات کرے۔ اور آپ دریافت کریں کہ اُس نے کیا کہا؟ یا کن باتوں میں تھے؟ یا مثلاً کوئی شخص آتا ہو یا جاتا ہو۔ اور آپ سوال کریں کہ کہاں سے آتا ہوا؟ یا کہاں جائیں گے؟ تو ممکن ہے کہ وہ اُس کو ظاہر کرنا نہ چاہتا ہو۔ اسی طرح کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ کیوں ناتوان و لاغر ہو۔ یا کونسا مرض ہے؟ شاید ہر کسی سے اُس مریض کو اپنی شدتِ مرض و حالت بدحالی بیان کرنا بُرا معلوم ہوتا ہو۔ یہ تمام سوالات بیفائدہ اور فضول باتوں کے مانند ہیں جو اکثر باعثِ ایذا و گناہ ہوتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت لقمان حضرت داؤد کے پاس اُس وقت تشریف لائے جبکہ وہ زرہ بنانے میں مصروف تھے۔ چونکہ حضرت لقمان نے قبل اسکے زرہ کو نہ دیکھا تھا اور اُس کے فائدہ سے واقف نہ تھے چاہا کہ سوال کریں۔ دانائی و حکمت مانع ہوی۔ خودداری کو کام میں لایا اور خاموش بیٹھے رہے۔ آخر کار جب حضرت داؤد زرہ بنا چکے تو اُٹھے۔ اور زرہ کو پہنکر کہا؟ کہ وقت جنگ و جدال زرہ کیا خوب چیز ہے۔ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ خاموشی بھی خوب ہے لیکن اس پر عمل کرنے والا کم ہے۔

واضح ہو کہ فضول بکواس یا امور بیفائدہ کے شناخت کی حرص یا خیال خوش مزاجی یا تضیع اوقات روز و شب باعثِ لپستی و خرابی قوۂ شہویہ اور متابعتِ خواہشاتِ نفسانیہ ہے لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ خداوند عالم کا تذکرہ کیا جائے۔ اور یہ یاد کریں کہ موت ایک دن آنے والی ہے جو بات منہ سے نکلے اُس کا محاسبہ ہوگا۔ اور خاموشی کسبِ سعادتِ اوقات

وانفاس کا سرمایہ ہے یہ زبان ایک دام ہے جس سے حور العین کو قابو میں لاسکتے ہیں۔ اس کا طریقۂ عمل یہ ہے کہ جہانتک ممکن ہو گوشۂ تنہائی اختیار کرے۔ زبان کو فضول باتوں کے ترک کرنے کی عادت ڈالے جس بات میں کوئی فائدہ دینی یا دنیوی نہو اُس کو زبان سے نہ نکالے ساکت وخاموش رہے۔ چنانچہ کسی زمانہ میں بعض نے اپنے منہ پر پتھر باندھا تھا کہ خدا کا ہی ذکر کرتے رہیں اور بیفائدہ وفضول بکواس نکریں۔

فصل (۱) خاموشی

واضح ہو کہ بیجا بکواس اور فضول باتوں کی ضد خاموشی ہے یا ایسی باتیں کرنا جسکی ضرورت یا فائدہ ہو۔ جیساکہ حضرت پیغمبر سے مروی ہے کہ اسلام نیک کی علامت یہ ہے کہ امورِ بیفائدہ کو ترک کرے۔ نیز خوشا حال اُس کا جو زیادتی مال کو راہِ خدا میں صرف کرے۔ دیکھئے آپ حضرت نے اسکے برعکس اختیار کیا ہے زیادہ مال کو جمع کرتے ہیں اور زبان کو کھول رکھا ہے۔ ایک روز آنحضرت نے فرمایا کہ اوّل وہ شخص بہشت میں داخل ہوگا جس نے سلامتی نفس کو مدنظر رکھکر تمام بیفائدہ چیزوں کو ترک کردیا ہو۔ حضرت رسولؐ نے ابا ذر سے فرمایا کہ تجھکو اُس عمل کی تعلیم دوں جو بدن پر سُبک اور میزانِ اعمال میں سنگین ہو؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہاں؟ فرمایا کہ وہ خاموشی وحُسنِ خُلق وترکِ عملِ بیفائدہ ہے کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا؟ کہ آپ کی حکمت کس چیز میں ہے اُنہوں نے کہا؟ جو چیز مجکو کفایت کرتی ہے اُسکے متعلق سوال نہیں کرتا ہوں اور جو چیز بیفائدہ ہو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتا ہوں جو کچھ فضیلت ترکِ کلامِ فضول وبیفائدہ کے نسبت وارد ہوی ہے وہ اخبار ائمہ اطہارؑ کملائے اکابر اہل دین میں حد تحریر وتقریر سے متجاوز ہے۔ اور جسقدر حوالۂ قلم کیا گیا اہلِ بصیرت کے لئے کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ۔

بالخیر

قطعۂ تاریخ طبع حسن تصنیف مترجم

زہی مضمونِ معراج السعادت
کہ شیدا و والہ از دل و جاں

نمودہ جمع از بہر ہدایت
روایاتِ نبی احکامِ قرآں

بحمد اللہ اکنوں ترجمہ شد
پئے تفہیم ہر کس باشد آساں

عجب ایں نسخۂ در علم اخلاق
شدہ مطبوع از توفیق یزداں

بود مقبول دلہا یا الٰہا
شود مرغوب طبعِ اہلِ عرفاں

نمودم فکر سالِ ہجریِ طبع
نہادم فرق چوں اندر گریباں

صدا ایں ہاتفِ غیبی بمن داد
بگو لائق چراغِ اہلِ ایماں

۱۳۴۲ھ

ولہ ایضاً

کتابیست ایں نادر اندر آفاق
بہر طبع باشد نہ چوں ایں مطبوع

چنیں مصرعِ سال لائق بگفت
عروج السعادت شدہ ایں مطبوع

۱۳۴۲ھ

ولہ ایضاً

ہے جو معراج السعادت علم میں اخلاق کے
میں نے اردو میں کیا اُس کا برابر ترجمہ

شکرِ خلّاقِ دو عالم ہے ہوا وہ طبع آج
صاحبِ ایمان ہر اک ہے شاد سنکر ترجمہ

نہی منکر امر بالمعروف کا ہے اندراج
کیوں نہو مرغوبِ خاطر یہ معتبر ترجمہ

طبع کے جب سالِ ہجری کی ہوئی لائق کو فکر
کہدیا ہاتف نے۔ ہے واللہ بہتر ترجمہ

۱۳۴۲ھ

فہرست اغلاط عروج السعادت حصۂ اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۱	اس کے	اسکی	۹۰	۱۳	ادّلاً	اوّلاً
۱۳	۱۴	رزیلہ	رذیلہ	۹۳	۴	اُن دو مطالب	اُن مطالب
۱۹	۸	اُس کی	اُنکی	۹۴	۳	وہ	یہ
۲۰	۱۳	اَصَلّٰ	اَضَلّٰ	۹۷	۱۹	نطارہ	نظارہ
۲۶	۷	خارجید	خارجیہ	۹۹	۳	مل	محل
〃	۱۱	آخر الذیر	آخر الذکر یہ	۱۰۲	۱	مقابلے	مقابل
۲۸	۱۵	جیوانیت	حیوانیت	۱۰۵	۶	کی	کے
				〃	۵	ہر حالات	ہر حالت
۲۹	۱	ہوتا جاتاہے	ہوتا جاتا ہے	۱۰۷	۳	سامنے سنے	سامنے سے
۳۱	۸	علول	حلول	۱۱۲	۱۵	انسان کا جو وقت	انسان جو وقت
۳۴	۱	تحریک کنند	تحریک کنندہ	۱۱۵	۱۸	اہل و عیال ترک کریا	اہل و عیال کو ترک کریں
۳۷	۸	تغوق	تفوّق	۱۱۶	۱۷	کرکے	کرے
۳۸	۱۴	رزائل	رذائل	۱۱۹	۳	طرف	ظرف
۵۹	۱۷	پائی جائیں	پائے جائیں	۱۲۳	۸	قِیامًا	قِیَامًا
۶۸	۲	ہو	ہونا	۱۲۸	۱۰	اکر	اگر
۷۲	۵	مقام چہارم	حصۂ دوم	۱۲۹	۵	جحاب	حجاب
۸۴	۱۶	تو تمام	اور تمام	۱۳۷	۶	ہر ایک حصہ کے	ہر ایک کے حصہ کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۸	۹	پاہے	چاہیے
۱۴۰	۴	گزربدیہ	گندیدہ
۱۶۵	۱۴	درجہ	درجے
۱۶۹	۱۵	اُن	اُس
۱۷۰	۵	بعض چیزیں خوفناکی پیدا کرنے والی	بعض خوف کی پیدا کرنے والی
۱۸۷	۱	دنیا ہیں	دنیا میں ہیں
۱۹۹	۱۷	بیغیرتی والے حمیتی	بیعزتی و بے حمیتی
۲۰۹	۱۰	وعدہ ووعید	وعدو وعید
〃	۱۳	قسم قسم آلام	قسم قسم کے آلام
۲۱۰	۶	اثانت	اثاثت
۲۱۴	۱۰	عنیض	غیظ
۲۲۷	۱۲	پہنچنے	پہنچتے
۲۲۸	۱۰	بدخونی	بدخوئی
۲۳۲	۱۹	ان امور پر	ان امور
۲۳۳	۱	تنبیہ	متنبّہ
〃	۱	اُس شخص نے	اُس شخص سے
۲۳۸	۱	علیہم السلام	علیہ السلام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۴۳	۳	اُنکے تدارک	اُن کی تدارک
۲۴۵	۱	بڑی	بُری
۲۴۹	۴	اُن اشخاص میں سے جنھوں نے	اُن اشخاص میں سے ہے جنھوں نے
۲۶۰	۱۱	یہ فقرہ چھوٹ گیا ہے	(۳) وہ لوگ جو صورتوں کے نقش کرتے ہیں۔
۲۷۰	۶	کنیروں	کنیزوں
۲۷۱	۱۰	بہت ہیں	بہت سی ہیں
۲۷۲	۱۳	نابع	تابع
۲۷۷	۱۵	کرنیوالے	کرنے والا
۲۸۰	۱۳	آجاتی ہیں	آجاتے ہیں
۲۸۱	۱۱	دیا جاتا تو مرجاتا ہے	دیا جاتا ہے تو مرجاتا
۲۸۵	۹	ولساتی	و آسانی
۲۹۱	۵	واشلوا وکا تسرفو	واشربوا ولا تسرفوا
〃	۹	ایلکخت	ایک لخت
۲۹۳	۵	لعلّق	تعلّق
〃	۱۴	حُبّت	حُبَّب
۲۹۴	۲۰	جز	جزو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۹۹	۵	اندہے پن کو	اندھے پن کو	۳۶۲	۱۳	حقیقت	خفیفت
۳۰۰	۶	اس	اُس	۳۶۹	۸	وعدہ و وعید	وعدو وعید
۳۰۱	۶	کی ابعض	کی لبعض	۳۷۰	۱۹	طول امل	طول اَمل
۳۰۶	۱۲	اُس میرنے	اُس امیرنے	۳۷۴	۱۴	دفس	دسن
۳۱۳	۳	بیٹھا	میٹھا	۳۷۵	۱۸	اقتقار	اقتصار
״	۸	ٹکس	ٹگس	۳۷۸	۱۳	آپ نہیں جاننے	آپ نہیں جانتے
۳۱۴	۱۵	باقیاتُ الصالحات	باقیات الصالحات	۳۸۴	۳	تحلّم	تکلّم
۳۱۵	۲	سبکے	جسکے	״	۱۵	وجور پاک	وجود پاک
۳۲۲	۱	فرماما	فرمایا	۳۹۰	۱۹	غلیت	غیبت
۳۲۹	۱۵	پر وردگا	پروردگار	۳۹۴	۱۵	سچنے	بچنے
۳۳۴	۸	رہرخایفین	زہرخائفین	۳۹۵	۱۹	تربت	تربیت
۳۳۷	۱۵	مال	ماں	۴۰۱	۸	لہذا اصیت	لہذا معصیت
״	״	جسکو	جنکو	״	۱۶	تقوی پر پرسرفراز	تقوی پہ سرفراز
۳۳۹	۱۶	تام لزلت	تمام لذّات	۴۰۵	۴	عذر	غدر
۳۴۱	۱۲	رغست	رغبت	۴۰۶	۸	تحیّر	تجبّر
۳۴۲	۶	اس	اُس	۴۰۷	۴	ترک کے	ترک کرکے
۳۴۶	۶	قوست	قوّت	۴۰۸	۴	سچ مچ	سچ سچ
۳۵۰	۱۳	قوّت	قوّت	۴۰۹	۱۷	قوہ شہویہ	قوۂ شہویہ

عروج السعادت حصہ اول ترجمہ معراج السعادت حسب
مندرجہ ذیل مقامات پر بقیمت (عہ) سکہ عثمانیہ علاوہ محصولڈاک
ہمدست ہوسکتا ہے۔

(۱) اسد کمپنی واقع مچھلی کمان حیدرآباد دکن۔

(۲) کتب خانہ مطبع مظفری واقع روبروے مکہ مسجد حیدرآباد دکن

(۳) " حیدری چھتہ بازار مقابل بارہ دری حیدرآباد دکن

(۴) دی انڈسٹریل اینڈ میڈیکل کمپنی لمیٹیڈ واقع محلہ دارالشفا حیدرآباد دکن

منجانب
مترجم